

خوف اور تجسس میں لپٹی ایک جن کی پراسرار داستان

# شیطانی حیا

محمد فاروق انجم

خوف اور تجسس میں لپٹی ایک جن کی پراسرار داستان

# شیطانی چال

محمد فاروق انجم

علی میاں پبلی کیشنز

۲۰۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: ۳۷۲۳۷۴۱۴

نومبر کی سردرات تھی۔

شام ہوتے ہی آسمان کو سیاہ اور گہرے بادلوں نے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ ہوائیں چلنے لگی تھیں، اور رفتہ رفتہ ہوائیں آندھی کی شکل اختیار کر گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسی شدید آندھی چلنے لگی کہ ہر چیز کو گرد و غبار نے اپنے حصار میں لے لیا۔ لگتا تھا کہ یہ آندھی ہر چیز کو اڑا کر اپنے ساتھ لے جائے گی۔ عجیب سی چیخوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ جنہیں سن کر خوف محسوس ہوتا تھا۔ آندھی کی شدت ایسی تھی کہ کئی کمزور درخت اپنی جگہ سے اکھڑ کر زمین بوس ہو گئے تھے، سائن بورڈ اپنی جگہ چھوڑ چکے تھے، اور سڑک پر پڑے دکھائی دینے لگے تھے اور کچھ ایک طرف سے ٹوٹ کر ٹک کر ہوا میں جھول رہے تھے۔ تیز ہوا میں جب وہ جھولتے ہوئے دیوار یا کسی اور چیز سے ٹکراتے تو اُن کی آواز بھی خوف پیدا کر دینے کا حصہ بن جاتی تھی۔ ایسی شدید غیر متوقع آندھی تھی۔

اس شدید آندھی میں بس بہ مشکل اپنے اسٹاپ تک پہنچی۔ بس کے ڈرائیور کو آندھی اور گرد و غبار کی وجہ سے بس چلانے میں دقت پیش آرہی تھی۔ تیز ہیڈ لائٹس میں بھی پتہ نہیں چل رہا تھا کہ سامنے کیا ہے۔ ایک چھوٹا بورڈ نہ جانے کہاں سے اڑ کر بس کے اگلے حصے سے ایک دھماکے سے ٹکرایا تو اندر بیٹھی ہوئی ساریوں کے ساتھ ساتھ ڈرائیور بھی ڈر کر چونک گیا تھا۔ کچھ خواتین کی تو چیخیں نکل گئی تھیں۔ اگر وہ بورڈ بس کی اسکرین پر آ کر لگتا تو شاید وہ اسکرین کو توڑتا ہوا بس کے اندر آ جاتا اور جانے کیا نقصان پہنچا دیتا۔ جیسے ہی بس اسٹاپ پر رکی، مسافر باہر نکلنے لگے۔ اس جگہ پانچ مسافر اترے تھے۔ اُن میں سے ایک اولیس احمد بھی تھا۔

مسافر اُتار کر بس چلی گئی۔ اولیس کے ساتھ اُترنے والے مسافر دائیں بائیں نکل گئے

چلی گئی ہیں اور جب دوسرے روٹ کی بس آئی جو کچھ فاصلے پر اتارتی تھی تو اس نے موسم کا تغیر دیکھتے ہوئے اُس بس میں بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس لئے وہ اس طرف اُتر گیا تھا ورنہ دوسری طرف اُترتا تو چند قدم پر ہی اس کا فلیٹ تھا۔

اولیں اپنے آفس اپنی موٹر سائیکل پر ہی آتا جاتا تھا لیکن آج صبح آفس جانے کے لئے جیسے ہی اس نے اپنی موٹر سائیکل نکال کر اشارت کرنے کی کوشش کی تھی باوجود بے شمار لکلیں لینے کے وہ موٹر سائیکل اشارت ہی نہیں ہوئی تھی۔ اچانک پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا۔ حالانکہ وہ فنی موٹر سائیکل تھی، چھ ماہ قبل ہی اس نے اُسے خریدا تھا اور وہ اس کی بہترین دیکھ بھال میں تھی۔ اگر اُس وقت وہ موٹر سائیکل کسی ملکنک کو دکھانے کے لئے لے جاتا تو اُسے آفس سے دیر ہو جاتی۔ لہذا وہ موٹر سائیکل کھڑی کر کے بس پر ہی آفس چلا گیا تھا۔

اولیں کو پندرہ، بیس منٹ ہو گئے تھے اس جنرل اسٹور کے سامنے کھڑے ہوئے۔ آندھی کی شدت میں کمی آگئی تھی۔ گرد و غبار بھی کسی حد تک کم ہو گیا تھا۔ اب ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ آسمان پر چھائے ہوئے بادل گرجنے لگے تھے۔ آسمان پر بجلی چمکتی تو یک دم جیسے ہر چیز روشن ہو جاتی تھی۔ اس نے پہلے دور تک دیکھا۔ اس علاقے کی وہ مین سڑک تھی۔ اس سڑک پر زیادہ تر پراپرٹی ڈیلرز، اور کچھ دوسرے اداروں کے آفس کے ساتھ کوٹھیاں اور بنگلے بنے ہوئے تھے، دفاتر تقریباً بند ہو چکے تھے۔ جبکہ اس علاقے کی صحیح کمرشل مارکیٹ دوسری جانب تھی اور اُسی طرف وہ فلیٹ تھا جہاں اس کی رہائش تھی۔

آندھی اور گرد و غبار میں کمی آ جانے سے اب وہ دیکھ سکتا تھا اس لئے اس نے فیصلہ کیا کہ مجھے اب یہاں سے جانا چاہئے۔ وہ اُس جگہ سے نکلا اور چوک کی طرف بھاگا۔ وہ چاہتا تھا کہ گرد و غبار میں تو اس نے نہا ہی لیا ہے اس سے پہلے کہ بارش شروع ہو وہ فلیٹ تک پہنچ جائے تاکہ بارش سے بچ سکے۔ سردی میں اور وہ بھی ٹھنڈے پانی میں کھلے آسمان کے نیچے نہانے کا اولیں کو بالکل بھی شوق نہیں تھا۔

ابھی وہ کچھ ہی آگے گیا تھا کہ اولیں کو لگا جیسے کوئی پھنسی پھنسی آواز میں بولنے کی کوشش کر رہا ہے۔ بالکل ایسا لگتا تھا جیسے کوئی انسان کسی جگہ پھنسا ہوا ہے۔ اس کے قدم رک گئے۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ ایک بہت بڑی کمپنی کا بھاری بھر کم سائن بورڈ اس انداز میں گرا ہوا تھا کہ اس کا ایک حصہ زمین کے ساتھ لگا ہوا تھا جبکہ دوسرا حصہ دیوار کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔ اولیں کو لگا کہ آوازیں اس بورڈ کے پیچھے سے آرہی ہیں۔ اُسے شک ہوا کہ کوئی اس بورڈ کے

تھے۔ وہ اکیلا ہی اس جگہ کھڑا آندھی میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس صورت حال میں کیا وہ اگلے چوک تک چل کر جائے گا؟ مٹی اس کی ناک، منہ اور آنکھوں میں جارہی تھی کہ جس سے آنکھیں مسلسل کھول کر رکھنا بھی دو بھر ہو رہا تھا۔ وہ اپنی آنکھیں بار بار کھول اور بند کر رہا تھا۔ دور تک تو کیا، نزدیک دیکھنا بھی اس کے لئے ناممکن ہو رہا تھا۔

اچانک اُس نے اپنے عقب میں گردن گھمائی اُسے خیال آیا کہ اس جگہ ایک جنرل اسٹور ہے۔ بجائے اس کے کہ اس آندھی میں چلنے کی کوشش کی جائے اس جنرل اسٹور میں رک کر آندھی کی شدت میں کمی ہونے کا انتظار کر لینا چاہئے۔ ورنہ تو چلنا تقریباً ناممکن ہے۔ وہ جنرل اسٹور بس اسٹاپ کے سامنے ہی سڑک عبور کر کے تھا۔ یہ سوچتے ہی وہ اس جنرل اسٹور کی طرف گھوما اور بہ مشکل آنکھیں بند کرتا اور کھولتا، مٹی اور گرد و غبار سے بغل گیر ہوتا اُس جنرل اسٹور کے دروازے تک جا پہنچا۔

جنرل اسٹور کا صحت مند اور گول منول ساما لک اپنے کاؤنٹر کے پیچھے کرسی پر براجمان تھا۔ جبکہ تین سیلز مین اپنی اپنی جگہ کاؤنٹر کے پیچھے کھڑے تھے۔ اُس نے جنرل اسٹور کے شیشے کے دروازے کو اندر دھکیل کر کھولنا چاہا وہ اندر سے مقفل تھا۔ اولیں کو دروازے کے ساتھ لگا دیکھ کر ایک سیلز مین دروازے کے پاس آیا اور اوپر لگی چھوٹی کھڑکی کھول کر پوچھا۔

”کیا چاہئے؟“

”نہیں کچھ نہیں..... آندھی کے رک جانے کے انتظار میں ادھر آ گیا ہوں۔“ اولیں نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے صاف گوئی سے کام لیا۔

اس کی بات سنتے ہی اُس سیلز مین نے وہ چھوٹی کھڑکی بند کی اور پھر اپنی جگہ کی طرف چلا گیا۔ جبکہ اولیں کو اُمید تھی کہ اس کی بات سن کر ہمدردی کے تحت وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے کی پیشکش کرے گا لیکن ایسا نہیں ہوا اور وہ باہر ہی ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کی بے اعتنائی پر اولیں کو غصہ بھی آرہا تھا۔ اس کم ظرف نے تو انکار میں بھی جواب دینا گوارا نہیں کیا تھا۔ گرد و غبار سے بچنے کے لئے اس نے اپنا دفتری بیک اپنے چہرے کے آگے کر لیا۔ تیز آندھی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

جب اولیں دفتر سے نکلا تھا تو بہت انتظار کے بعد اس کے روٹ کی ایک ہی بس آئی تھی، اور وہ بھی اس طرح سے بھری ہوئی تھی کہ تل رکھنے کے لئے جگہ نہیں تھی۔ اگلی بس کے انتظار میں اُسے بہت دیر اس جگہ رکنا پڑا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس روٹ کی بسیں کہاں

نیچے ہے۔ اس نے دیکھنے کی کوشش کی۔ بورڈ اس انداز میں گرا تھا کہ اس سے یہ دیکھنا مشکل ہو رہا تھا کہ دیوار کے ساتھ کیا ہے۔ اگر بورڈ کو اس جگہ سے کچھ ہٹایا جاتا تو وہ یہ دیکھنے میں کامیاب ہو سکتا تھا کہ وہاں کون ہے۔

موسم اور بھی خراب ہو گیا تھا۔ بادلوں کے گرجنے کی آوازیں اس سنان جگہ پر خوف پیدا کر رہی تھیں اور جب بجلی اپنی گرج کے ساتھ چمکتی تو فوراً وہاں سے بھاگ جانے کو دل چاہتا تھا۔ آسمان سے پانی کے چھینٹے بھی برسنے لگے تھے جو کسی بھی لمحے تیز بارش کا روپ اختیار کر سکتے تھے۔

ادیس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے بھاگ جائے، لیکن اس کے اندر کا جذبہ ہمدردی اس میں مانع تھا۔ اس نے دائیں بائیں دیکھا اُسے کوئی بھی پاس یا دور دکھائی نہ دیا کہ جس کے ساتھ مل کر وہ اس بھاری بھر کم سائن بورڈ کو ایک طرف ہٹا سکتا۔ دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس جگہ وہ اکیلا ہی کھڑا تھا۔ وہ آوازیں مسلسل آرہی تھیں، اور ادیس چاہتا تھا کہ اگر وہ اس کی مدد کر سکتا ہے تو ضرور کرے۔

ادیس نے اپنا دفتری بیگ ایک طرف رکھا اور سائن بورڈ کو ایک طرف سے دیوار سے کچھ آگے کرنے کے لئے زور لگانے لگا۔ وہ اپنی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ یک دم اُسے لگا جیسے وہ بھاری بھر کم سائن بورڈ خود بخود ہی ایک طرف ہٹ گیا ہے۔ ایسا اس کا واہمہ ہی ہو سکتا تھا کیونکہ وہ اس سائن بورڈ کو ہٹانے کے لئے اپنی پوری قوت لگا رہا تھا۔ اس کا خود بخود ایک طرف ہٹنا کیسے ممکن ہو سکتا تھا۔

اب اتنی جگہ بن گئی تھی کہ وہ جہاں تک کر اندر دیکھ سکتا تھا کہ اس سائن بورڈ کے پیچھے کون ہے۔ یک دم بجلی چمکی روشنی ہوئی اور اس نے دیکھا کہ بورڈ کے پیچھے دیوار کے ساتھ کوئی بھی نہیں ہے۔ ادیس نے متحیر نگاہوں سے پھر دیکھا، کچھ بھی نہیں تھا۔ سائن بورڈ کے ہٹنے ہی اب کسی بھی قسم کی پھنسی پھنسی آوازیں نہیں آرہی تھیں۔ اس نے ایک بار پھر غور سے دیکھا، وہاں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔

بارش شروع ہو گئی تھی۔ ادیس نے کھسمانا سا ہو کر سائن بورڈ کی طرف دیکھا اور اپنا دفتری بیگ اٹھا کر جیسے ہی سیدھا ہوا ایک بار پھر اُس نے اپنے فلیٹ کی طرف بھاگنے کے لئے رخ کیا ہی تھا کہ، وہ یک دم گھبرا کر چونک پڑا۔

اس سے دوفٹ کے فاصلے پر بالکل اس کے سامنے ایک شخص کھڑا اس کی طرف دیکھتے

ہوئے مسکرا کر رہا تھا۔ ادیس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اچانک وہ شخص کہاں سے آگیا؟ جبکہ دور تک کوئی بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ ادیس نے متحیر نگاہوں سے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

اُس کے سر پر تنکوں کا بنا ہوا ہیٹ تھا۔ جو شاید کسی باریک دکھائی نہ دینے والے دھاگے سے باندھا ہوا تھا کہ تیز ہوا میں بھی وہ اس کے سر سے نہیں اُڑ رہا تھا۔ اُس کا رنگ گندمی تھا۔ چہرے پر چھوٹی چھوٹی داڑھی اور مونچھیں تھیں، جیسے اُس نے کئی دنوں سے شیونہ بنائی ہو۔ آنکھوں کی رنگت نیلی تھیں اور اُس کا جسم عام سا تھا۔ اُس کے بدن پر کالی ٹی شرٹ اور اوور کوٹ تھا، کالے رنگ کی چٹلون کے ساتھ پاؤں میں پرانے بغیر پالش کئے ہوئے بوٹ تھے۔ اُس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے اوور کوٹ کی جیب میں ڈالے ہوئے تھے۔

”ہمت کرنے پر آؤ تو تم اپنی قوت کا مظاہرہ کر ہی دیتے ہو۔“ وہ ادیس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اُس کی آواز میں بھاری پن تھا، لیکن ایسا نہیں کہ بولتے ہوئے عجیب سا لگے۔ اس کا لہجہ صاف اور واضح تھا۔

”آپ مجھے دیکھ رہے تھے؟“ ادیس نے پوچھا اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر بدستور مرکوز تھیں اور وہ اُس کا جائزہ لئے جا رہا تھا۔

”ہاں پاس ہی تھا۔“ اُس نے بتایا۔ ”تمہیں دیکھ رہا تھا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ بورڈ ہلانا اکیلے آدمی کا کام تو نہیں ہے لیکن تم نے ہلا دیا اور حیرت ہے کہ اس مضبوطی سے لگا بورڈ ٹوٹ کر کیسے گر گیا؟ آندھی کا کمال ہے یا کسی دوسری طاقت کا مظاہرہ ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور ادیس کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اُس کا اشارہ کس جانب ہے۔

”مجھے لگا تھا کہ کوئی اس بورڈ کے نیچے یا دیوار کی طرف پھنسا ہوا ہے۔“ ادیس بولا۔

”اس لئے میں نے اُسے نکالنے کے لئے اتنی زور آزمائی کی تھی۔“

”کوئی نہیں تھا۔“ وہ دھیرے سے بولا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ بھی نہیں معدوم ہوئی تھی اور اس کا جسم بھی ساکت تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی اور تنکوں کا بنا ہیٹ اُس کے سر پر جما ہوا تھا۔ وہ دو قدم چل کر وہ ادیس کے کچھ اور قریب ہو گیا۔

”وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔“ ادیس نے کہتے ہوئے سردی سے ایک جھرجھری لی۔ بارش تیز ہو گئی تھی۔ وہ بارش میں شرابور ہو گیا تھا۔ اُسے اچانک اپنے پاس دیکھ کر اور باتوں کے دوران بارش سے بچنے کا بھی اُسے خیال نہیں رہا تھا۔ ادیس نے اپنے ہاتھ سے آنکھیں صاف کیں، تاکہ بارش کے پانی سے آنکھوں کے ارد گرد کی مٹی صاف ہو سکے۔ اُسے سردی لگنے لگی

تھی۔ جونہی اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر پھر سامنے دیکھا تو وہ بُری سے چونک پڑا، وہ اس کے سامنے نہیں تھا۔

اولیس نے اپنی گردن گھما کر آس پاس اور پھر دور تک دیکھا وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ برستے آسمان کے نیچے وہ کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ اس کا کوئی وہم تھا؟ اگر کوئی انسان میرے پاس کھڑا ہوتا تو اُسے کسی طرف جاتے ہوئے اتنی دیر نہ لگتی کہ وہ اچانک آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا۔ وہ تانا بانا بننے لگا۔

اس شدید بارش اور سردی میں وہ یوں کھڑا ہو کر اس کے بارے میں مزید سوچ نہیں سکتا تھا۔ اس لئے اس نے اُس کا خیال اپنے دماغ سے محو کیا اور تیزی سے چوک کی طرف بھاگنے لگا۔ تیز بارش میں بادلوں کی گھڑ گھڑاہٹ کے ساتھ چمکتی ہوئی آسمانی بجلی کی گرج ماحول کو خوفزدہ کر رہی تھی۔ اس کے کوٹ کا بٹن بند تھا لیکن ٹائی باہر نکل کر اس کے کندھے کے اوپر سے پیچھے کی جانب کسی جھنڈے کی طرح اُڑ رہی تھی۔ اولیس ابھی چوک سے تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر تھا کہ اس کی پشت سے ایک تیز آواز سنائی دی۔

”رک جاؤ دوست.....“

آواز سننے ہی اس کے بھاگتے ہوئے قدم یک دم اُسی جگہ رک گئے اور اس نے گردن گھما کر اپنے عقب میں دیکھا، وہی شخص کچھ دور ایک طرف کھڑا تھا۔ اولیس متحیر نگاہوں سے ابھی اُسے دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ پھر بولا۔

”اچھا کیا کہ تم میری آواز پر رک گئے۔“ وہ اپنی مخصوص آواز میں بولا۔

”تم.....“ اولیس سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”ذرا سنبھل کے دوست۔“ اُس نے کہا۔ ”ایک طرف ہٹ جاؤ۔“

”کیا سنبھل کے؟“ اولیس کی حیرت دوچند ہو گئی۔

وہ اجنبی اس کی بات اور حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔ ”دائیں طرف سے ایک کار بہت تیزی سے آرہی ہے..... تمہیں کچل دے گی ایک طرف ہٹ جاؤ۔“

اُس کی بات سن کر اولیس کو توجہ سا ہوا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ متحیر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے ابھی کسی فیصلے پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ اُس نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے پھر کہا کہ وہ اس جگہ سے ہٹ جائے۔ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بادل خواستہ وہ فٹ پاتھ پر چڑھ گیا۔ ٹھیک اسی وقت دائیں طرف سے ایک تیز رفتار کار آئی وہ کسی گولی کی طرح مڑی

اور ٹھیک اُسی جگہ سے گزر گئی جہاں ابھی اولیس کچھ دیر قبل سڑک پر کھڑا تھا۔ اگر وہ اپنی رفتار میں اسی طرح سے بھاگتا ہوا جاتا تو یقیناً وہ کار اُسے کچل کر گزر چکی ہوتی۔

اولیس خیرہ نگاہوں سے گزرتی کار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کا منہ حیرت سے مزید کھل گیا تھا، اور وہ بارش، سردی، ٹھنڈی ہوا کو نظر انداز کر کے دم بخود کھڑا رہا۔ اچانک اولیس کو اُس شخص کا خیال آیا اور اس نے اُس جانب دیکھا جہاں وہ کھڑا تھا، وہ ایک بار پھر چونک پڑا..... وہ اُس جگہ موجود نہیں تھا۔

اولیس نے متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں، سامنے، پیچھے دیکھا لیکن اس پوری سڑک پر اس کے سوا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ایک بار پھر غمخے میں پڑ گیا کہ کیا یہ اس کا وہم تھا؟ اُسے کسی نے بھی آواز دے کر نہیں روکا تھا اور نہ ہی اُسے ایک طرف ہونے کے لئے کہا تھا، شاید یہ اس کی چھٹی حس تھی، جس نے اُسے قبل از وقت آگاہ کیا تھا اور اُس عجیب شخص کا کوئی وجود نہیں تھا۔ ممکن تھا کہ ایسی شکل و صورت والا کوئی آدمی آج دن بھر میں کسی وقت اس نے دیکھا ہو اور وہی اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا ہو۔ وہ کچھ بھی سمجھنے کے لئے قاصر تھا۔ سردی سے اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ اس نے سر جھٹکا اور ایک بار پھر فلیٹ کی طرف دوڑ لگا دی۔ وہ تیز بارش میں برق رفتاری سے بھاگتا ہوا جارہا تھا اور فلیٹ میں پہنچ کر ہی اس نے دم لیا۔

☆=====☆=====☆

اولیس کا تعلق ایک چھوٹے شہر سے تھا۔ اس کے والد کی کپڑے کی دکان تھی، پانچ بھائیوں میں وہ سب سے چھوٹا تھا۔ چاروں بھائی اُس شہر میں اپنا اپنا الگ کاروبار کرتے تھے، والدین اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر مزے کی زندگی گزار رہے تھے۔ چار ماہ قبل اولیس کی شادی عینی سے ہوئی تھی اور ایک ماہ سے وہ اپنی نوکری کے سلسلے میں اس بڑے شہر میں مقیم تھا۔

اولیس نے پڑھائی مکمل کی تو خوش قسمتی سے اُسے ایک بڑی موبائل کمپنی میں اپنے ہی شہر کے آفس میں نوکری مل گئی تھی۔ اُسے اس کمپنی میں نوکری کرتے ہوئے سترہ ماہ ہوئے تھے کہ اس کا کمپنی کے ہیڈ آفس میں تبادلہ ہو گیا۔ کام کرنے کی لگن اس کے اندر سے شروع دن سے ہی تھی۔ ان سترہ ماہ میں اس نے ایک بھی چھٹی نہیں کی تھی۔ کام اس توجہ اور انہماک سے کرتا تھا کہ اس کے کام کی تعریف کی بازگشت ہیڈ آفس تک سنائی دینے لگی تھی اور اولیس کے افسران کی گڈ بک میں اس کا نام شامل تھا، شاید یہ ہی وجہ بنی تھی کہ اُسے ہیڈ آفس میں بلا لیا گیا تھا۔

جب اولیس اس شہر میں آیا تو اس کی شادی کو پورے تین ماہ ہوئے تھے اور وہ ابھی عینی کے ساتھ ہنی مون منانے بھی کسی جگہ نہیں گیا تھا۔ یعنی اس کی خالہ زاد تھی۔ وہ دونوں کالج کے زمانے سے ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور اکثر کالج سے نکل کر ایک دوسرے سے ملاقات بھی کیا کرتے تھے، گھوما کرتے اور کچھ کھانے پینے کے لئے کسی ریسٹورنٹ میں بھی چلے جایا کرتے تھے۔

اولیس اور عینی کا مزاج ایک جیسا ہی تھا۔ اُن دونوں کی کئی عادات مشترک تھیں۔ جیسے کھانے پینے کا شوق، اچھی حس مزاج، ناول پڑھنا، اور دونوں کو بارش بہت اچھی لگتی تھی۔ کالج کے زمانے میں ایک بار جیسے ہی موسم نے انگڑائی لی اور بارش ہونے لگی تو اُن دونوں نے ایک دوسرے سے رابطہ کیا اور پھر وہ بوند باندی میں بہت دیر تک بائیک پر گھومتے رہے تھے۔

وہ کالج سے ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ عینی کے لئے ایک لڑکے کا رشتہ آ گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ دونوں طرف سے بات آگے بڑھتی اولیس نے اپنی خواہش کا اظہار والدین سے کر دیا۔ اُنہوں نے کوئی قدغن نہیں لگائی بلکہ خوش ہوئے اور یوں اس کی مگنی عینی سے ہو گئی۔ اولیس نے پہلی بار اس موبائل کمپنی میں نوکری کے لئے درخواست دی تھی اور اس کی خوش قسمتی کہ اُسے انٹرویو کے بعد نوکری بھی مل گئی تھی اور اس کے بعد اولیس کی شادی عینی سے ہو گئی۔ وہ دونوں ہی بہت خوش تھے۔

شادی کے تین ماہ کے بعد ہی نئی نیوی دلہن کو چھوڑ کر دوسرے شہر منتقل ہونا اُن دونوں کے لئے آسان نہیں تھا۔ یہ دوری دونوں کے لئے کانٹوں پر چلنے کے مترادف تھی۔ اس شہر میں جب تک مناسب رہائش کا بندوبست نہیں ہو جاتا تھا تب تک اولیس، عینی کو نہیں بلا سکتا تھا۔ وہ خود چچا جان کے فلیٹ میں فی الحال رہائش رکھے ہوئے تھا۔ اولیس کی عینی کے ساتھ دن اور رات میں کئی بار فون پر بات ہوتی تھی اور وہ ہر ایک اینڈ پر گھر چلا جاتا تھا۔

اولیس کے چچا جان کا نام غلام سرور تھا۔ وہ بڑی دلچسپ شخصیت کے مالک تھے اُن کی حس مزاج تو اپنی جگہ عیاں تھی ہی، وہ جن، بھوت، اور پراسرار موضوع پر لکھی ہوئی بہت سی کتابوں کا ذخیرہ اپنی شیلف میں رکھتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ وہ جن اور بھوتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں۔ بلکہ اُن کا تو یہ بھی کہنا تھا کہ اُن کی دو بار ایک جن سے ملاقات بھی ہو چکی ہے۔ اولیس کو کیونکہ ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لئے اس نے اس موضوع پر اُن سے

کبھی کبھار ہی بات کی تھی۔ حالانکہ جب بھی کوئی ان سے ملتا تھا تو اُن کی کوشش ہوتی تھی کہ وہ ان کے قصے کہانیاں سنیں..... لیکن اس کے لئے کوئی بھی آسانی سے تیار نہیں ہوتا تھا۔ ادھر چچا جان کا کوئی قصہ شروع ہوتا تھا اور ادھر وہ کھکنے کی کوشش کرنے لگتا تھا۔

چچا جان کی بیوی کا نام خالدہ بیگم تھا۔ وہ بھی چچا جان کی طرح ہی بہت اچھی اور نفیس خاتون تھیں۔ ان کے تین بچے تھے۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ اُنہوں نے بیٹی کی شادی کر دی تھی اور وہ ٹورنٹو میں اپنے میاں کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کر رہی تھی۔ بڑا بیٹا ثاقب بھی شادی شدہ تھا اور ایک بیٹے کا باپ تھا۔ ثاقب کی بیوی کا نام ثمنہ تھا، جبکہ چھوٹا رضوان کنوارہ تھا۔ وہ سب ایک ہی فلیٹ میں رہتے تھے۔ چچا جان کی ریٹائرمنٹ قریب ہی تھی جبکہ ان کے دونوں بیٹے مختلف سرکاری محکموں میں اچھی نوکری کرتے تھے۔ اولیس بھی ان کے ساتھ فی الحال رہائش پذیر تھا۔

اس شہر میں اولیس کے ابو اور چچا جان کے بہت ہی پرانے مراسم حافظ عبدالقدوس صاحب کے ساتھ تھے۔ حافظ صاحب بہت ہی نیک، پرہیز گار اور اللہ والے تھے۔ وہ جامع مسجد کے خطیب تھے اور ہر وقت ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ان کی شخصیت میں بہت نفاست اور اہنایت تھی۔ اولیس کے ابو نے اس شہر میں آتے ہوئے خاص طور پر تاکید کی تھی کہ وہ اُن سے جا کر ضرور ملے۔ اس سے قبل دو بار وہ اپنے ابو کے ساتھ حافظ صاحب سے مل چکا تھا۔ ایک طویل عرصے کے بعد جب وہ حافظ صاحب کے سامنے گیا تو اُنہوں نے اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور اس سے وہ بڑی شفقت سے ملے تھے۔ اولیس ان کی اتنی اچھی یادداشت دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

اولیس جب فلیٹ پہنچا تو تیل دینے پر دروازہ رضوان نے کھولا، اور وہ اُسے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے بولا۔ ”ارے واہ آپ نے تو اس سردی میں نہانے کی بڑی ہمت کی ہے۔“

”ارے کاہے کی ہمت آتے ہوئے بارش میں نہا گیا ہوں۔“ اولیس نے اپنے جوتے اتارتے ہوئے کہا جو کہ کیچڑ سے بھرے ہوئے تھے۔ اس کے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔

”کہیں رک جاتے۔ یا واقعی آپ نہانا چاہتے تھے۔“ رضوان نے شوخ لہجے میں بولا۔

”رکنے کا ٹائم کس کے پاس ہے بھائی۔“ اولیس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ اُسے شدید سردی لگ رہی تھی اور اس کے ہونٹ تھر تھرا رہے تھے۔ رضوان نے اولیس کے ہاتھ سے اس کادفتری بیگ لے لیا۔ ”سردی میں تو مجھ سے بچت بھی نہیں ہو رہی ہے۔“

”ہم نے کبھی آپ کو کوئی حکم دیا ہے؟“ چچا جان نے بڑے عجز و انکساری سے چچی جان کی طرف دیکھا۔ ”مؤدبانہ گزارش کی تھی جو کہ آپ نے مان لی۔“

”دیکھ لیس ابو جب میں ثمنینہ سے ایسی بات کرتا ہوں تو آپ کہتے ہیں کہ میں بیوی کے نیچے لگا ہوا ہوں۔“ ثاقب نے فوراً چچا جان کی بات پکڑ کر اعتراض کیا۔

چچا جان جھٹ سے بولے۔ ”وہ تو میرا سیاسی بیان ہوتا ہے۔“

ان کی بات سن کر سب ہی ہنسنے لگے۔ ایسی نوک جھونک ہوتی ہی رہتی تھی۔ جس سے سب ہی لطف اندوز ہوتے تھے۔ چچا جان نے اپنے بیٹے دوستوں کی طرح رکھے ہوئے تھے۔ اُن کی بہو ثمنینہ اس گھر میں ایسی رچی بسی ہوئی تھی کہ وہ تو اپنے میکے بھی بہت کم جاتی تھی۔ وہ سب بہت دیر تک اسی طرح باتیں کرتے اور ہنستے رہے اور جیسے ہی چچا جان نے اپنا ایک پرانا واقعہ سنا شروع کیا، پہلے چچی جان بہانے سے اٹھیں، پھر رضوان چلا گیا، ثمنینہ اپنے بیٹے کو دیکھنے کے لئے کمرے میں چلی گئی، اور عین وقت پر ثاقب کا موبائل فون بج اٹھا اور وہ اُسے کان سے لگائے وہاں سے نکل گیا..... اولیس لاچار بیٹھا سوچ رہا تھا کہ میں کیا کروں کہ اسی اثنا میں عینی کا فون آگیا اور وہ فون سنتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عینی کا بڑے اچھے وقت پر فون آیا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے؟“ عینی نے پوچھا۔

”ابھی تو تم سے بات کر رہا ہوں۔“ اولیس بولا۔

”بارش ہو رہی ہے؟“ عینی کی آواز آئی۔

”ہاں ہو رہی ہے اور ابھی تک شدید بارش ہو رہی ہے۔“ اولیس نے کھڑکی سے پردہ ایک طرف ہٹا کر دیکھا۔

”یہاں تو بوند باندی ہونے لگی ہے۔“ عینی نے بتایا۔ ”تمہارے پاس ہوتی تو ہم بارش میں گھومنے کے لئے نکل جاتے۔“

”کاش تم اس موسم میں میرے پاس ہوتی۔ ویسے میں کوشش کر رہا ہوں کہ یہاں کوئی فلیٹ کرائے پر دیکھ لوں اور جلدی ہی تمہیں یہاں لے آؤں۔“ اولیس پیار بھرے لہجے میں بولا۔

”تم اپنا تادلہ واپس کیوں نہیں کرا لیتے؟“ عینی نے اپنی دانست میں مشورہ دیا۔ ”اسی گھر میں رہتے ہیں۔ اپنے گھر میں۔“

”سردی لگ گئی تو ڈاکٹر بھی انجکشن لگانے کے لئے نہیں رکے گا۔“ رضوان نے مسکراتے ہوئے شرارت آمیز لہجے میں خبردار کیا۔

”تم پہلے ہی راز ہے ہو۔“ اولیس جوتے ہاتھ میں پکڑ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔

چچا جان ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے کرکٹ کا پرانا میچ دیکھ رہے تھے اولیس کو اس حالت میں دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے بولے۔

”بارش کا پانی گرم ہے تو میں بھی ایک ڈبکی لگا لوں؟“ اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک زور کا تہقہہ لگایا۔

”آپ کو بارش دیکھ کر کام ہو رہا ہے اور آپ ڈبکی لگانے کی بات کر رہے ہیں۔“ چچی جان نے کچن سے جھانک کر کہنے کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اولیس مسکراتے ہوئے سلام کرتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اولیس کمرے میں گھس گیا۔ کچھ دیر اسی طرح پڑے رہنے سے اُس کے جسم کو حرارت ملی تو اس کے دانت جتنا بھی بند ہو گئے اور سردی کا جو شدید احساس تھا وہ بھی کم ہو گیا۔

دروازے پر ہلکی دستک کے ساتھ ہی دروازہ کھلا اور رضوان کا چہرہ نمودار ہوا۔ ”بھائی چائے یہاں ہی لے آؤں یا باہر آکر پیئیں گے؟“

”باہر کہاں بارش میں؟“ اولیس نے بر ملا پوچھا۔

”میرا مطلب ہے ٹی وی لاؤنج میں..... سب کے ساتھ۔“ وہ مسکرایا۔

”سب کے ساتھ پیوں گا۔“ اولیس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اپنی چمڑے کی جیکٹ پہنی، بالوں میں برش کیا اور ٹی وی لاؤنج میں چلا گیا جہاں سب ہی براجمان تھے۔ چائے کے ساتھ گرم گرم پکڑے بھی تھے۔ پکڑوں کے تلنے کی اشتہا انگیز مہک آ رہی تھی۔

”یہ کیا..... اس وقت پکڑے یہ تو رات کے کھانے کا وقت ہے۔“ اولیس کی نگاہیں پکڑوں پر تھیں۔

”جس چیز کو کھانے کے لئے دل کرے اُسی کا وقت ہوتا ہے۔“ چچا جان نے کہا اور پکڑوں کی پلیٹ اٹھالی۔

”تمہارے چچا کا حکم تھا کہ پکڑے بنائے جائیں۔“ چچی جان بولیں۔ ”ویسے بھی اس موسم میں پکڑے اچھے لگتے ہیں۔“



”یہاں تبادلہ ہوا ہے تو کچھ تنخواہ میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ سنا ہے کچھ لوگوں کی ترقی بھی ہونے والی ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ لوگ کون ہیں۔“ اولیس نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا۔ اس کی نگاہیں کھڑکی سے باہر تھیں۔ بارش ہو رہی تھی۔ کھڑکی پر شیشہ تھا اس لئے ٹھنڈی ہوا کا ایک خفیف جھونکا بھی اندر نہیں آ رہا تھا۔

”شاید اُن میں تم بھی شامل ہو۔“ عینی نے بولی۔

وہ مسکرایا۔ ”آفس میں ترقی کرنے والے متوقع لوگوں کے نام لئے تو جا رہے ہیں، ہر کوئی اپنا اپنا خیال پیش کر رہا ہے لیکن کسی کی زبان پر میرا نام نہیں آیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس دوڑ سے میں باہر ہوں۔“

”چلو پھر کیا ہے۔“ عینی نے لا پرواہی سے کہا۔ ”جو ہے اور جتنا ہے اُس پر ہی ہمیں شکر کرنا چاہئے۔“

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔“ اولیس نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔ ”ویسے یہ شہر بڑا بھی ہے اور خوبصورت بھی۔ میرا دل چاہنے لگا ہے کہ اب ہم اس شہر میں رہیں۔“

”تمہارا دل چاہنے لگا ہے تو ایسا ہی ہوگا۔ دل سے نکلی باتیں پوری ہو جاتی ہیں۔“ عینی نے متانت سے کہا۔

”تم دعا کرنا؟“ اولیس بولا۔

”دعا ہی تو کرتی ہوں.....“ عینی نے کہا۔ ”تم نے کھانا کھالیا کیا؟“

”ابھی گرم گرم پکڑے کھا کر کمرے میں آیا ہوں۔“ اولیس نے بتایا۔ ”پکڑے کھاتے ہوئے تم مجھے بار بار یاد آ رہی تھی۔“

”کبھی بارش دیکھ کر اور کبھی پکڑے دیکھ کر، ابھی تم مجھے ایسے ہی یاد کرو اور کوشش کرو کہ تم میرے پاس آ جاؤ یا پھر میں تمہارے ساتھ رہنے لگوں۔“ عینی کی تیز آواز آئی۔

”ایسا ہی ہوگا۔“ اولیس نے کہا۔

”ٹھیک ہے پھر خدا حافظ۔“ عینی بولی۔

”او کے..... خدا حافظ۔“ اولیس نے پیار سے کہا اور رابطہ منقطع ہو گیا۔ فون بند کر کے وہ باہر دیکھنے لگا۔ باہر اندھیرا تھا۔ جب آسمان پر بجلی چمکتی تھی تو یک دم اُجالا ہو جاتا تھا اور باہر کی ہر چیز ایک لمحے کے لئے دکھائی دینے لگتی تھی۔

اولیس اپنی جگہ سے اُٹھا اور جونہی بیڈ کی طرف جانے کے لئے مڑا اُسے لگا کہ باہر سڑک

کی دوسری جانب کوئی کھڑا ہے۔ اُسے اندھیرے میں ایک ہیولا سا دکھائی دیا اور ایسا لگ رہا تھا جیسے اُس کا چہرہ اس کے کمرے کی کھڑکی کی طرف ہے۔ وہ کھڑکی کے پاس ہو گیا اور غور سے باہر دیکھنے لگا، اندھیرے میں ہیولا دکھائی دے رہا تھا۔ اولیس کو انتظار تھا کہ ایک بار بجلی چمکے اور وہ دیکھ سکے کہ وہاں کون کھڑا ہے جو اس طرف دیکھ رہا ہے۔ اولیس کی نگاہیں باہر مرکوز تھیں کہ اسی اثناء میں دروازے پر دستک ہوئی اس نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے ’یس‘ کہا، بجلی چمکی..... اور اولیس نے برق رفتاری سے دیکھنے کے لئے دوبارہ کھڑکی سے باہر دیکھا، پھر اندھیرا چھا گیا تھا۔ اُسے وہاں کوئی ہیولا بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”کیا دیکھا جا رہا ہے؟“ اچانک اس کے پیچھے سے رضوان کی آواز سنائی دی۔

اولیس اپنی نگاہیں کھڑکی سے ہٹا کر رضوان کی طرف گھوما۔ ”بارش کا نظارہ کر رہا ہوں۔“

”یہ تمہاری ڈاک آئی تھی صبح۔“ رضوان نے ایک بند لٹافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اولیس نے اُس لٹافے کی طرف دیکھا۔ ”لیکن میں نے اس جگہ کا پتہ کسی کو نہیں دیا۔“

”یعنی بھابی کو تو معلوم ہے ناں۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اُس سے تو روز اتنی باتیں ہو جاتی ہیں کہ خط لکھنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آ سکتی۔“

اولیس نے اس کے ہاتھ سے وہ بند لٹافہ لے لیا۔

”تم صبح دفتر جانے کے لئے نکلے ہی تھے تو یہ ڈاک آئی تھی۔“ رضوان نے مزید بتایا اور جانے کے لئے پلٹا۔

”بیٹھو..... تم کہاں جا رہے ہو؟“ اولیس نے اُسے روکنا چاہا۔

”تم بھی آؤ۔ کھانا لگ رہا ہے۔“ اُس نے دروازے کی طرف بڑھا۔

”میں آتا ہوں۔“ اولیس بند لٹافے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رضوان کمرے سے باہر چلا گیا۔

اُس لٹافے کا رنگ خاک کی تھا اور اُس پر اس گھر کا پتہ ہاتھ سے بڑی خوشخط لکھائی سے لکھا تھا۔ جبکہ لٹافے کے باہر بھیجے والے کا کوئی نام پتہ کہیں نہیں تھا۔ اولیس نے لٹافہ ایک طرف سے چاک کیا۔ اندر سے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ نکلا۔ کاغذ کا رنگ گلابی تھا۔ اس نے کاغذ کھولا پورے کاغذ کے درمیان میں صرف ایک سطر انتہائی خوشخطی سے لکھی ہوئی تھی۔

”آج ہماری پہلی ملاقات ہوگی۔“

اس خط میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا تھا۔ کسی کا نام یہ نہیں تھا۔ کوئی لفظ نہیں تھا۔  
اولیس نے اس کاغذ کو بار بار پڑھا۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھا اور سوچنے لگا کہ یہ کس نے لکھا ہے اور کون ہے جس نے یہ خط بھیجا ہے۔

”کوئی لڑکی.....؟“ معا اس کے دماغ میں ایک خیال آیا اور اس کے ساتھ ہی اُس لڑکی کا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا۔

وہ لڑکی اسی بلڈنگ کی کسی منزل پر رہتی تھی۔ جب اولیس دفتر جانے کے لئے نکلتا تھا تو شاید ہی کوئی دن ہوتا تھا جب اس کا اُس کے ساتھ آنا سامنا نہیں ہوتا تھا۔ لگتا یہ ہی تھا کہ وہ بھی کہیں جاب کرتی ہے۔ اُس کے کندھے پر بڑا ہینڈ بیگ ہوتا تھا۔ وہ ایک ساتھ لفٹ کے ذریعے سے نیچے اترتے تھے۔ کئی بار اُن کی آنکھیں بھی چار ہوئی تھیں اور اولیس کو دو، تین بار ایسا بھی محسوس ہوا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھ کر زیر لب مسکرائی ہے۔

”آج ملاقات ہوگی۔“ اولیس بڑبڑایا۔ تو کیا اس کا مجھ سے ملنے کا ارادہ ہے؟ ممکن ہے کہ اُس کا وہ ارادہ آج بارش کی نذر ہو گیا ہو؟ وہ اپنے تئیں سوچنے لگا اور خود ہی تانے بانے بننے لگا۔

اولیس ان ہی سوچوں میں الجھا ہوا جیسے ہی کھانا کھانے کے لئے اپنے کمرے سے نکل کر ڈائننگ روم کی طرف جانے لگا اُس نے دیکھا کہ ٹمینہ کے ساتھ کچن سے وہی لڑکی نکل رہی ہے۔ اُس نے ٹمینہ سے باتیں کرتے ہوئے اور جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے اولیس کی طرف ایک نگاہ دیکھا اور ہلکی تبسم کی لکیر اُس کے چہرے پر اور گہری ہو گئی۔ اولیس کا شک درست تھا اور اُس نے جو لکھا تھا وہ بھی سچ ثابت ہو گیا تھا۔ ممکن ہے کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں آتی رہتی ہو، اس کی موجودگی میں وہ پہلی بار فلیٹ میں آئی تھی۔ اولیس سوچتے ہوئے ڈائننگ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔

کھانا کھانے کے لئے سب ہی جمع تھے۔ ٹمینہ کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی وہ اُس نے میز پر رکھتے ہوئے بتایا۔ ”یہ چاٹ ابھی ابھی عارفہ دے کر گئی ہے۔“

”واہ چاٹ اور وہ بھی عارفہ بیٹی کے ہاتھ کی۔ کوئی شک نہیں ہے کہ وہ بہت اچھی چاٹ بناتی ہے اور اُس کا شکریہ کہ وہ جب بھی چاٹ بناتی ہے ہمارے لئے ضرور بھیجتی ہے۔“ چچا جان نے مزے سے کہا۔

اولیس کھانا کھاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اس کا نام عارفہ ہے اور وہ شاید اُسے پسند

کرنے لگی ہے۔ اولیس نے اپنے آپ سے دل ہی دل میں کہا، ممکن ہے کہ وہ اس سے لاعلم ہو کہ میں ایک شادی شدہ مرد ہوں اور اگر اُس نے باتوں باتوں میں ٹمینہ سے یہ جان بھی لیا ہو گا کہ میں شادی شدہ ہوں تو پھر بھی کسی سے محبت ہو جانا کیا مشکل ہے۔ یہ دل آنے کی بات ہے۔ وہ اس پر مزید سوچتے ہوئے خود ہی قیاس آرائیاں کرنے لگا۔

☆=====☆=====☆

رات وقفے وقفے سے بارش ہوتی رہی۔

صبح آفس جانے کے لئے تیار ہونے سے قبل اولیس نے کھڑکی سے دور تک نظر دوڑا کر دیکھا، جا بجا پانی کھڑا تھا۔ آسمان کو بادلوں نے ابھی تک اپنی پلیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہوا چل رہی تھی۔ لگتا تھا کہ آج بھی دن بھر بارش ہوتی رہے گی۔ اولیس تیار ہوا، ناشتہ کیا اور رضوان سے پوچھا۔

”کل تم نے میری موٹر سائیکل کسی ملکینک کو دکھائی تھی؟“

”ملکینک کو دکھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔“ رضوان نے اپنی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے بتایا۔

”کیوں؟“ اولیس نے پوچھا۔ ”میں نے تم سے کہا تھا کہ تم جلدی آ جاؤ گے ذرا موٹر سائیکل کسی ملکینک کو دکھا دینا۔“

”میں نے ایک کک ماری اور موٹر سائیکل اشارٹ..... پھر میں اسی موٹر سائیکل پر اپنے ایک دو کام کرنے کے لئے گیا کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ بالکل ٹھیک ہے۔“ رضوان بولا۔

”مجھ سے تو اشارٹ ہو نہیں رہی تھی۔“ اولیس سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

”اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔“ رضوان کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

”وہ کیا؟“ اولیس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”آپ نے کک مارنے سے پہلے موٹر سائیکل کے سوئچ میں چابی نہیں لگائی ہوگی۔“ وہ مسکرایا۔

”ویسے بائی داوے موٹر سائیکل کا سوئچ ہوتا کہاں ہے؟“ اولیس نے یوں پوچھا جیسے اس بات سے بالکل انجان ہو۔

”یہ ہم شام کو واپسی پر ڈنر تناول فرماتے ہوئے بتائیں گے۔ تب تک آپ انتظار کریں۔“ رضوان نے ایک ادا سے کہا اور سب کو خدا حافظ کہہ کر دفتر جانے کے لئے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد اپنے ہاتھ میں دفتری بیگ پکڑے اولیس بھی لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ لفٹ میں اس کے علاوہ تین اور افراد تھے۔ ایسے ہی اس کے ذہن میں خیال آ گیا کہ آج عارفہ دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ حالانکہ وہ بھی اسی وقت جاتی تھی۔

اولیس نے نیچے آکر اپنی موٹر سائیکل نکالی۔ موٹر سائیکل واقعی پہلی کک پر اشارت ہو گئی۔ وہ باہر سڑک پر آکر ابھی یہ جائزہ لے ہی رہا تھا کہ کون سی سڑک پانی سے بچی ہوئی ہے جو جانے کے لئے اختیار کی جائے۔ اچانک اس کی نگاہ سامنے گئی جہاں عارفہ ایک طرف کھڑی تھی۔ جیسے ہی اولیس نے اُس کی طرف دیکھا وہ ہولے سے مسکرائی۔ اولیس کا دل زور سے دھڑکا..... اُسے لگا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ ہے۔

عارفہ جس جگہ کھڑی تھی اُس کے دائیں بائیں پانی تھا۔ وہ چلتے ہوئے وہاں تک چلی تو گئی تھی لیکن پانی کی وجہ سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ پیدل جاسکتی۔ اُس نے اولیس کی طرف دیکھ کر یوں اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہو کہ میں اس سے آگے اور نہیں جاسکتی۔ جیسے وہ اپنی بے بسی ظاہر کر رہی ہو۔ اولیس کو لگا وہ اس سے آنکھوں ہی آنکھوں میں مدد طلب کر رہی ہے۔ وہ موٹر سائیکل اُس کے پاس لے گیا۔ جس جگہ وہ کھڑی تھی وہاں اس نے اپنا پاؤں رکھا اور مسکرا کر بولا۔

”کیا میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں؟“

وہ بھی مسکرائی۔ ”بس اسٹاپ کی طرف جانے کے لئے میں بہ مشکل یہاں تک تو آگئی ہوں لیکن اس سے آگے جانے کے لئے مجھے کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ مجھے آپ بس اسٹاپ تک اگر ڈراپ کر دیں تو مہربانی ہوگی۔“

”اس میں مہربانی والی کون سی بات ہے۔ ویسے آپ کو جانا کہاں ہے؟“ اولیس نے پوچھا

”آفس۔“ اُس نے مختصر آیتایا۔

”کس کے آفس؟“ اولیس کو یہ جاننے کا موقع مل گیا تھا کہ عارفہ کہاں نوکری کرتی ہے۔ ”میں ایک گارمنٹس کمپنی میں جاب کرتی ہوں۔ بہت بڑی کمپنی ہے۔ آپ نے یقیناً نام سنا ہوگا۔ فاسٹ فیشن۔“ اُس نے بتایا۔

”ہاں..... میں نے اُس کمپنی کا نام سنا ہے۔ آئیے میں آپ کو اُس آفس تک چھوڑ دیتا ہوں۔ وہ میرے راستے میں ہی ہے۔“ اولیس نے عارفہ کو پیشکش کی۔

”شکریہ..... آپ کو خواہ مخواہ تکلیف ہوگی۔“ وہ بولی۔ ”آپ مجھے بس اسٹاپ تک لے جائیں میں چلی جاؤں گی۔“

”کوئی بات نہیں آپ بیٹھ جائیں۔ اس میں تکلیف کی کوئی بات نہیں ہے۔“ اولیس نے کہا۔

وہ جھبکتے ہوئے اولیس کی موٹر سائیکل کے پیچھے اس طرح سے بیٹھ گئی کہ یقیناً اُس نے کچھ فاصلہ ضرور رکھا ہوگا کہ سارے راستے موٹر سائیکل چلاتے ہوئے اولیس کو یہ احساس تک نہیں ہوا کہ کوئی لڑکی اس کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ دونوں ہی چپ تھے۔ اولیس چاہتا تھا کہ اُس سے اُس خط کے بارے میں دریافت کرے اور اگر وہ اس کے بارے میں نہیں جانتی ہے تو وہ اُسے صاف لفظوں میں بتا دے کہ وہ ایک شادی شدہ شخص ہے، مجھے اپنی بیوی یعنی سے بہت پیار ہے۔ اُس کی موجودگی میں میں کسی اور لڑکی کے ساتھ روابط قائم نہیں کر سکتا ہوں اور یہ مدد محض ایک ہی بلڈنگ میں رہتے ہوئے ہمسائے کے ناطے کر رہا ہوں۔ کوشش کے باوجود وہ اُس سے مزید کوئی بات نہیں کر سکا اور اُس کا آفس آ گیا۔

”شکریہ۔“ عارفہ نے اترتے ہی کہا اور پھر اس کے شکریہ کے جواب میں اولیس کیا کہتا ہے اس کا انتظار کئے بغیر ہی وہ اپنے آفس کی طرف چل پڑی۔ اولیس نے بھی اپنی موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔

اُس دن آفس میں کام کچھ زیادہ ہی تھا۔ اولیس کو دوپہر کو کھانا کھانے کا بھی موقع نہیں مل سکا۔ اس دوران یعنی کے بھی دو فون آئے اور وہ اُس سے بھی ٹھیک سے بات نہیں کر سکا تھا۔ جیسے ہی آفس ٹائم ختم ہوا، ایک ضروری میٹنگ کی وجہ سے اولیس کو مزید دو گھنٹے تک رکن پڑا اور جب دفتر سے فارغ ہوا تو اس نے سیدھی گھر کی راہ لی۔

☆=====☆=====☆

سارا دن آسمان پر بادل ضرور چھائے رہے لیکن بارش نہیں ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوائیں چلنے سے سردی میں دوچند اضافہ ہو گیا تھا اور موسم بہت ہی سرد ہو گیا تھا۔

دوپہر کو کھانا نہ کھانے کی وجہ سے اولیس کو شدید بھوک لگ رہی تھی۔ آج فلیٹ میں کوئی بھی نہیں تھا کیونکہ آج سب نے شہینہ کے گھر جانا تھا۔ شہینہ کے بڑے بھائی نے اپنا نیا بزنس شروع کرنے کی خوشی میں پارٹی دی تھی۔ دعوت تو اولیس کو بھی تھی اور اس نے بھی ساتھ جانا تھا لیکن کام کی زیادتی کی وجہ سے اس نے آفس سے فون کر کے معذرت کر لی تھی۔ کیونکہ انہیں

مغرب کی نماز کے بعد چلے جانا تھا اور اولیس کو اندازہ نہیں تھا کہ اسے آفس میں کتنی دیر لگ جائے گی۔ چچی جان نے تاکید کی تھی کہ وہ پھر بھی آنے کی پوری کوشش کرے۔

فلیٹ کے دروازے کی ایک چابی اولیس کے پاس بھی ہوتی تھی۔ اس نے اپنے بیگ سے وہ چابی نکالی، دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا۔

کپڑے بدلنے اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد اولیس نے کچن کا رخ کیا۔ فرنچ میں کھانے کا سامان موجود تھا، کھانا نکالنے سے قبل اس نے ایک بار گھڑی کی طرف دیکھا۔ رات کے ساڑھے آٹھ کا وقت تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو اس نے یہ سوچا کہ دعوت پر چلا جاؤں، لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اس سوچ کو اپنے دماغ سے خارج کر دیا، کہ پتہ نہیں وہ کھانا کھا چکے ہوں گے، اب جانا مناسب نہیں ہے۔ اولیس نے کھانا گرم کیا اور مزے سے کھانے کے بعد برتن سمیٹے، اپنی جیکٹ پہنی اور موبائل فون ہاتھ میں لے کر باہر نکل گیا۔

اولیس کا ارادہ تھا کہ وہ عینی کے ساتھ فون پر باتیں کرتے ہوئے کچھ چہل قدمی کرے گا۔ وہ فٹ پاتھ پر عینی کے موبائل کا نمبر ملاتا ہوا خراماں خراماں چل رہا تھا۔ وہ سڑک سیدھی اس علاقے کے پارک کی طرف جاتی تھی۔ اس سڑک پر ٹریفک کا آنا جانا بھی لگا رہتا تھا اور رات گئے تک اس جگہ ویرانی دکھائی نہیں دیتی تھی۔

”کیا بات تھی آج فون پر بات کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی؟“ فون ملتے ہی عینی نے پُر شکوہ کیا۔

”آج کام بہت تھا۔ ایک کے بعد دوسری میٹنگ تھی۔ ایک کے بعد دوسری فائل سامنے موجود ہوتی تھی۔ دوپہر کا کھانا اس وقت رات کے کھانے کے ساتھ کھا کر باہر نکلا ہوں۔“ اولیس نے بتایا۔

”مجھے بھی آج دن اتنا طویل لگ رہا تھا کہ جیسے ختم ہی نہیں ہوگا۔“ عینی کے لہجے میں اداسی تھی۔

”دن طویل کیوں لگ رہا تھا؟ گھر میں اکیلی تھی کیا۔ کوئی بات کرنے والا نہیں تھا۔“ اولیس نے پوچھا۔

”آج تم سے جو بات نہیں ہوئی اس لئے دن بہت طویل لگ رہا تھا۔ بوریت بھی ایسی ہو رہی تھی کہ ہر چیز کاٹنے کو دوڑ رہی تھی۔“ عینی نے بتایا۔ ”تم سے بات ہو جاتی ہے تو جیسے وقت گزر جاتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ تم نے مجھے وقت گزاری پر رکھا ہوا ہے؟“ وہ مسکرایا۔

”تم ہو تو وقت گزر رہا ہے۔“ عینی متانت سے بولی۔ ”میں تو اس انتظار میں ہوں کہ

کب تم مجھے اپنے پاس بلاؤ گے۔ کب یہ دوری ختم ہوتی ہے۔“

”میں کوشش کر رہا ہوں۔ بارش کی وجہ سے کل رات میں پھر پراپرٹی ڈیلر کے پاس نہیں جا سکا۔ کل لنچ ٹائم پراپرٹی ڈیلر سے ملوں گا۔“ اولیس نے کہا۔ اس کا ایک ہاتھ جیکٹ کی جیب میں تھا جبکہ دوسرے ہاتھ میں موبائل ہونے کی وجہ سے وہ کان کو لگا ہوا تھا۔

”لنچ ٹائم پر تم صرف لنچ کرنا۔ پراپرٹی ڈیلر کے پاس آفس سے فارغ ہو کر جانا۔“ عینی کے لہجے میں تاکید تھی۔ ”آج دوپہر کو کیا کھایا تھا؟“

”بتایا تو تھا کہ دوپہر کا بھی اب کھا کر آ رہا ہوں۔“ اولیس نے جواب دیا۔

”تو کیا تم نے دوپہر کو کچھ نہیں کھایا تھا؟ پیسے بچا رہے ہو کہ موٹے ہو رہے ہو۔ کیا تمہاری کہیں توند تو نہ لگی؟“ اولیس نے پوچھا۔ ”میں بچا رہا ہوں۔“ عینی نے ایک ساتھ تفلر آمیز لہجے میں سوال کر دیے۔

اولیس ہولے سے ہنسا۔ ”جو تم نے پوچھا ہے ان میں ایک بھی بات نہیں ہے۔ دراصل آج مجھے دوپہر کا کھانا کھانے کی فرصت ہی نہیں ملی تھی۔ مجھے کیا کسی نے بھی کھانا نہیں کھایا تھا، جو اپنے ساتھ نفن لے کر آتے ہیں۔ اُن کے نفن اسی طرح واپس چلے گئے تھے۔ یہ بات میں نے تمہیں پہلے بھی بتائی تھی تمہارا دھیان کہاں ہے؟“

”یہ کیا بات ہوئی۔ کمپنی کام لینا ہی جانتی ہے۔ ملازمین کے کھانے پینے کی کوئی فکر نہیں ہے کیا؟“ عینی اس کا سوال نظر انداز کرتی ہوئی بولی۔

”ایسی بات نہیں ہے کبھی کبھی کام کی زیادتی ہو جاتی ہے۔“ اولیس نے اُسے سمجھایا۔ اچانک اُسے محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے پیچھے چل رہا ہے۔ باتوں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس نے کچھ توجہ نہیں دی تھی لیکن اس بار اسے لگا جیسے کسی نے اس کے کندھے پر ہولے سے ہاتھ مار کر اُسے اپنی جانب متوجہ کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ اولیس نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا اور ایک دم چونک پڑا۔

اس کی پشت پر تقریباً دو فٹ کے فاصلے پر وہی شخص اپنے اُسی حلقے میں چلا آ رہا تھا۔ وہی اوور کوٹ، پتلون اور سر پر تنکوں کا بنا ہیٹ تھا۔ اولیس نے تھمیرنگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور عینی سے بولا۔

”یعنی..... میں تمہیں بعد میں فون کرتا ہوں۔“  
”اب کیا ہوا ہے؟“ یعنی تحیر ہوئی۔

”نہیں کچھ نہیں..... میں ابھی کال بیک کرتا ہوں۔“ اولیس نے کہہ کر موبائل فون بند کرنے کے بعد اُسے اپنی جیکٹ کی جیب میں رکھا اور اُس شخص کی طرف رخ کر کے رک گیا۔ علاقے کا پارک آگیا تھا اور وہ دونوں پارک کے جنگلے کے ساتھ کھڑے تھے۔ اندر پارک میں اتنی گہما گہمی نہیں تھی۔ اس کی وجہ کل رات کی شدید بارش کی وجہ سے پارک میں کھڑا ہونے والا پانی تھا۔ پارک سے ملحق ایک غیر ملکی ریسٹورنٹ تھا، وہاں اچھا خاصہ صارف تھا۔

”تم.....؟“ اولیس نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔

”ہاں میں۔ تم نے مجھے پہچان لیا۔ ہماری کل پہلی ملاقات ہوئی تھی۔“ اُس نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے اپنے مخصوص مڈاسرار لہجے میں کہا۔

اولیس نے اُس کا گہری نگاہوں سے جائزہ لیا۔ ”تم کوئی بہروپے ہو۔ اچانک آتے ہو اور غائب ہو جاتے ہو۔ کسی چھلاوے کی طرح تمہارے اندر بھرتی ہے۔ تم کیا مجھے کرتب دکھاتے پھر رہے ہو۔ دس، بیس روپے درکار ہیں کہ آج اُس ریسٹورنٹ میں کچھ کھانا چاہتے ہو؟“ اولیس نے ریسٹورنٹ کی طرف دیکھے بغیر اپنے اُنگوٹھے کا اشارہ اس طرف کیا۔

وہ اولیس کی بات سن کر ہنسا۔ ”میں بہروپیا نہیں ہوں۔ نہ تجھے کوئی کرتب دکھا رہا ہوں اور نہ ہی مجھے دس، بیس روپے کی ضرورت ہے۔ اس ریسٹورنٹ میں کھانا کھانا میری خواہش نہیں ہے۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ تمہارے ساتھ میں نے دوستی کی ہے۔ اس لئے تمہارے سامنے آ جاتا ہوں۔“

اولیس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ”جانے کس دوستی کی بات کر رہے ہو تم۔ جاؤ اور مجھے بھی جانے دو۔“

”یہی تو کام کرنے کے لئے آیا ہوں۔ کہ تم جاؤ۔ تمہارا کام شروع ہونے والا ہے۔ تم اس چہل قدمی کو یہیں ختم کرو اور واپس اپنی بلڈنگ میں چلے جاؤ۔“ اُس کے لہجے میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

”کیوں..... کیوں میں چلا جاؤں اور میرا کام شروع ہونے والا ہے بند کرو اپنا یہ ڈرامہ۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر استعجاب اور استفسار کی جھلک عیاں ہو گئی تھی لیکن اولیس اُس کی بات پر یقین بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اُس نے اولیس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”کوئی تمہیں اپنی مدد کے لئے آواز دے سکتا ہے..... تمہیں مدد کے لئے پکار سکتا ہے اور تمہیں اُس کی مدد کرنی چاہئے اور تم اس کی مدد کرو گے۔“

”کس کی مدد؟“ اولیس نے سوالیہ نگاہیں اس پر مرکوز کر دیں۔ اولیس کو اُس کی بات پر بالکل یقین نہیں تھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ اُسے ڈانٹ کر اپنے سامنے سے چلے جانے کے لئے مجبور کر دے۔ اُسے الجھن ہونے لگی تھی۔

”دیکھو..... میں تم سے غلط بات نہیں کرتا ہوں۔ تم شاید بھول گئے ہو کہ کل اگر میں تمہیں آواز دے کر نہ روکتا تو وہ کار تمہیں پھل کر گزر جاتی۔“ اُس نے پارک کی طرف دیکھتے ہوئے جیسے اولیس کو یاد کرانے کی کوشش کی ہو۔

جو بات اولیس اپنے دماغ سے محو کر چکا تھا، وہ اُس نے پھر یاد کرادی تھی۔ اولیس نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر کسی شعلے کی طرح یہ خیال اس کے دماغ میں آیا کہ کار کی تیز رفتار آواز اُس نے سن لی ہوگی جسے وہ سن نہیں سکا تھا، اور اس شخص نے اُسے خبردار کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی ہے۔

”ٹھیک ہے میں واپس چلا جاؤں گا۔“ اولیس نے اُس سے جان چھڑانے کے لئے کہا اور آگے جانے کے لئے مڑا۔ وہ عقب سے بولا۔

”کل جو تمہیں خط ملا تھا وہ میری طرف سے تھا۔ ہم دونوں کی پہلی ملاقات کا سند یہ تھا۔ وہ خط کسی لڑکی نے نہیں لکھا تھا۔“

اُس کی یہ بات سن کر اولیس چونک کر رک گیا۔ اس راز کے منکشف ہونے پر وہ متذبذب سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت مچنے لگی۔ اولیس نے گھوم کر اُس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑا تھا۔ اُس کی دونوں آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور اس کے ہونٹوں پر خفیف تبسم کی لکیر تھی۔

اس سے پہلے کہ اولیس کچھ بولتا اُس نے متانت سے کہا۔ ”اپنی بلڈنگ کی طرف لوٹ جاؤ..... ابھی اور اسی وقت..... تمہاری مدد کی ضرورت ہے..... عارفہ کو۔“

”عارفہ.....؟“ اولیس نے اُس کے منہ سے عارفہ کا نام سنا تو وہ چونک کر پڑا۔  
کل کا واقعہ اور خط اولیس کو کچھ اور سوچنے پر مجبور کرنے لگے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ اسے اس کی بات پر یقین کرنا چاہئے یا نہیں؟ اولیس کے دماغ سے آواز آئی کہ آزمائش کرنے میں

کوئی حرج نہیں ہے۔ ابھی پانی کا پانی اور دودھ کا دودھ ہو جائے گا۔ وہ اجنبی، اولیس کی طرف بڑھا اور اس کی پشت پر آگیا۔ اُس نے اولیس کے نزدیک ہوتے ہوئے کہا۔ ”وقت ضائع مت کرو۔“

”اگر یہ جھوٹ ہوا تو.....؟“ اولیس نے کہہ کر ساتھ ہی گردن گھما کر اپنے عقب میں دیکھا اور اُسے اُس وقت شدید حیرت کا جھٹکا لگا کہ وہ اس کے پیچھے نہیں تھا۔

اولیس نے متلاشی نگاہوں سے دور تک دیکھا، ہر طرف نظر دوڑائی وہ اُسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک اولیس نے پہلی بار محسوس کیا جیسے اس کے آس پاس سے گزرنے والے لوگ اُسے عجیب نگاہوں سے دیکھ کر گزر رہے ہیں۔ اولیس نے اُن کی نگاہوں کی کوئی پروا نہیں کی۔

ایک دم وہ ایک بار پھر اولیس کے سامنے آگیا۔ اولیس نے ٹھٹک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اُسے دیکھتے ہی بولا۔ ”اگر میری بات جھوٹ ہوئی تو پھر میں کبھی تمہارے سامنے نہیں آؤں گا اور اگر سچ ہوئی تو.....“ وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”تو.....؟“ اولیس حیرت کا پہناڑ اٹھائے ہوئے تھا۔ اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا ہے اور کون ہے۔ ابھی سامنے تھا اور ابھی نظروں سے اوجھل ہو کر پھر سامنے کھڑا تھا۔

”تو پھر تم مجھ سے دوستی بھی کرو گے اور میری بات بھی مانو گے۔“ اس نے شرط رکھی۔ ”اور اگر جھوٹ ہوا تو تم میری سزا کے حقدار ہو گے۔“ اولیس نے بھی شرط عائد کر دی۔ ”مجھے منظور ہے۔“ وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرایا۔

اولیس دیکھنا چاہتا تھا کہ اس بار کیا ہوتا ہے۔ اپنی بات میں وہ سچا ثابت ہوتا کہ جھوٹا۔ ”ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں۔“

اولیس نے مزید اپنے آپ کو الجھانے کی بجائے بلڈنگ کی طرف دوڑ لگا دی۔ اولیس کو اچانک بھاگتا ہوا دیکھ کر دیکھنے والے تعجب سے چوئے لیکن اولیس کو اس وقت کسی کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ جانا چاہتا تھا کہ کیا وہ اپنی بات میں واقعی سچا ہے؟

اولیس بھاگتا ہوا اُس بلڈنگ تک پہنچا اور لفٹ کے ذریعے اوپر چلا گیا۔ اولیس اپنے لفٹ کے پاس پہنچا اور اُس راہداری میں کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھنے لگا، اُسے کچھ بھی غیر معمولی دکھائی نہیں دیا۔ اولیس کو تو عارفہ کے لفٹ کا بھی پتہ نہیں تھا۔ راہداری میں مکمل سکوت تھا۔ ہر لفٹ کا دروازہ بند تھا۔ وہ کچھ دیر اسی طرح کھڑا رہا اور سوچنے لگا کہ عارفہ کہیں نیچے یا

اوپر والی منزل پر تو نہیں رہتی۔

اولیس کچھ دیر اسی طرح سوچتا رہا۔ اُسے وہ پُر اسرار شخص اور اس کی باتیں فریب لگیں۔ وہ جھوٹا اور بہر و پیا تھا۔ اولیس کو غصہ آگیا اور اُس نے اپنے فلیٹ کے اندر جانے کے لئے جونہی ایک قدم اٹھایا۔

اچانک لفٹ کا دروازہ کھلا اور ایک آدمی باہر نکلا۔ وہ آدمی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اولیس کے پاس سے گزرا اور دو فلیٹ چھوڑ کر تیسرے فلیٹ کے دروازے کے سامنے رکتے ہی اُس نے دروازے پر دستک دی۔ اولیس اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی جگہ کھڑا رہا۔ جانے کیوں اُسے یہاں کچھ گڑبڑی لگ رہی تھی۔

کچھ دیر کے بعد دروازہ جیسے ہی کھلا اُس شخص نے ایک جھٹکے سے دروازہ دھکیلا اور اندر چلا گیا۔ اولیس حیرت سے دیکھنے لگا، کچھ دیر کے بعد اونچی بولنے کی آوازیں آنے لگیں۔ وہ مرد غصے سے اپنا گلا پھاڑ کر کہہ رہا تھا۔

”میں تمہیں لینے کے لئے آیا ہوں۔ تم ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلو۔ ابھی چلو میرے ساتھ۔ اسی وقت۔“

دوسری نسوانی آواز میں بھی غصہ تھا۔ اولیس نے اُس کے بولتے ہی پہچان گیا تھا کہ وہ آواز عارفہ کی تھی۔ ”تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے فلیٹ میں آنے کی۔ چلے جاؤ۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ نکل جاؤ میرے فلیٹ سے۔“

”مجھے جرأت کا بتاتی ہے۔ مجھے بتاتی ہے۔“ وہ مرد پہلے سے بھی زیادہ سخ پا ہو کر چیخا اور پھر ایسا لگا جیسے اُس مرد نے عارفہ کے منہ پر ٹھپڑ مار دیا ہو۔ آواز کے ساتھ عارفہ کے منہ سے چیخ کی آواز بھی نکلی۔

”چھوڑ دو میری بیٹی کو۔ چھوڑ دو۔“ غالباً وہ عارفہ کی ماں کی آواز تھی۔

”اے بڑھیا پیچھے ہٹ۔“ اُس کے چیخنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی فلیٹ کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا، پھٹے ہوئے ہونٹ اور نکلتے ہوئے خون کے ساتھ عارفہ باہر نکلی اور چیخ کر بولی۔ ”کوئی پولیس کو بلائے..... یہ شخص ہمیں مار دے گا۔“ پھر یک دم اس کی نگاہ اولیس پر پڑی اور اس کی طرف لپکی، اسی اثنا میں وہ مرد بھی باہر نکل کر آگیا تھا اور عارفہ کے پیچھے بھاگتا ہوا آیا۔ اس آدمی کا چہرہ قہر آلود تھا۔ آنکھوں سے جیسے شعلے برس رہے تھے۔ اولیس مجسمہ حیرت بنا ہوا تھا۔ عارفہ اُسے مخاطب کرتی ہوئی بولی۔

”میری مدد کیجئے یہ ہمیں مار دے گا..... مجھے اس سے بچائیے۔“

اُس شخص نے پیچھے سے عارفہ کو بالوں سے پکڑ لیا اور ایک بار پھر مارنے کے لئے اپنا ہاتھ بلند کیا۔ ٹھیک اسی وقت اولیس اُن کی جانب بڑھا اور اس سے پہلے کہ اُس شخص کا ہاتھ عارفہ کے منہ پر پڑتا اس نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”چھوڑ داسے۔“ اولیس نے غصے سے کہا اور اُسے ایک طرف دھکا دے دیا۔ وہ پرے جا گرا۔ عارفہ اس کے پیچھے کھڑی ہو گئی۔ اس کی ماں خوفزدہ اپنے فلیٹ کے دروازے پر کھڑی تھی۔ جبکہ دوسرے فلیٹس سے لوگ اپنے اپنے اُدھ کھلے دروازوں سے باہر جھانک رہے تھے۔

وہ شخص اُٹھا اور زہر آلود نگاہوں سے اولیس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ”تم کون ہوتے ہو ہمارے بیچ میں آنے والے۔ یہ ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے۔“

اولیس پر پہلی بار یہ انکشاف ہوا کہ عارفہ شادی شدہ ہے اور وہ شخص اس کا شوہر ہے۔

عارفہ تیزی سے اس کے سامنے آکر اولیس سے تیز لہجے میں بولی۔

”اس سے میری شادی ہوئی تھی لیکن اس کی بُری عادتوں کی وجہ سے میں نے اس سے الگ ہونے کا عدالت میں کیس کیا ہوا ہے اور کیس کا فیصلہ میرے حق میں ہونے ہی والا ہے۔ مجھے اس سے بچا لیجئے۔ یہ ایک ظالم شخص ہے۔ اس کے سینے میں دل نہیں پتھر ہے۔ یہ مجھے مار دے گا۔ میری مدد کریں مجھے اس سے بچائیں۔“ عارفہ اس کے سامنے ہاتھ جھوڑ کر التجا کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آگئے تھے۔

”بکو اس کرتی ہے۔ تجھے میرے ساتھ رہنا ہوگا۔ تجھے میں نہیں چھوڑوں گا۔ میرے ساتھ چلو۔ تاکہ میں عدالت کو یہ ثابت کر سکوں کہ تم میرے ساتھ رہتی ہو۔“ وہ ایک بار پھر چلاتا ہوا آگے بڑھا۔ اولیس، عارفہ کے سامنے آ گیا۔ اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے درشت لہجے اور غصے سے کہا۔

”اگر تم نے اب کوئی ایسی حرکت کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔“

”اگر نہ گیا تو کیا کر لو گے تم؟“ اُس نے آنکھیں نکالیں۔

”دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں دکھاؤں کہ میں تمہارا کیا حال کر سکتا ہوں۔ چند منٹوں میں تمہارا کیا حشر ہو سکتا ہے؟“ اولیس نے اس کی آنکھوں پر آنکھیں پھیر کر دیں۔

اولیس کے کہنے کا انداز ایسا خوفناک تھا کہ جیسے وہ واقعی اُس کے کسی بھی قدم کا جواب منہ توڑ دے گا کہ اُسے اپنی جان بچانا مشکل ہو جائے گا۔ وہ اپنی جگہ رک گیا۔ اولیس کی دھمکی کا اثر اس کے چہرے پر خوف کی صورت میں صاف عیاں تھا۔ اسی اثنا میں ایک فلیٹ سے ایک اور نوجوان باہر نکل آیا۔ جو اُسے گھور رہا تھا۔ اُس شخص نے پہلے اولیس کی طرف اور پھر اُس نوجوان کی طرف دیکھا۔ اُسے اب یقین ہو گیا تھا کہ اس کے کچھ بھی کرنے سے اب اس کی اچھی خاصی پٹائی ہو سکتی ہے۔

”دیکھ لوں گا۔“ اس کے پاس یہ کہہ کر جانے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

عارفہ نے روتے ہوئے اولیس کا شکریہ ادا کیا اور اُس کی ماں اُسے اندر لے گئی۔ کچھ دیر کے بعد ایک بار پھر اس جگہ سکوت کا راج ہو گیا۔ اولیس فلیٹ کے دروازے کے پاس کھڑا سوچ رہا تھا کہ اُس پر اسرارِ شخص کی یہ بات بھی بالکل ٹھیک ثابت ہوئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ جو بھی کہتا ہے اس کی بات میں سچائی ہوتی ہے؟ وہ واقعی میرا دوست ہے..... کوئی بہروپیا نہیں ہے؟ لیکن وہ کون ہے؟

اولیس نے فلیٹ کا دروازہ کھولا اور تیزی سے اندر گیا، اس کا رخ اپنے کمرے کی طرف تھا۔ کمرے میں جاتے ہی اولیس نے روشنی کی اور اُس دروازے کو کھولا جہاں اس نے وہ خط رکھا تھا لیکن دراز میں وہ لفافہ نہیں تھا۔ اس نے ایک کے بعد دوسرا دراز دیکھا اور پھر ایک جگہ سے دوسری جگہ اور اسی طرح سارا کمرہ چھان لیا لیکن اُسے وہ لفافہ کہیں نہیں ملا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کمرے کے درمیان میں کھڑا حیرت کی تصویر بنا سوچ رہا تھا کہ وہ لفافہ کہاں چلا گیا۔ جبکہ اس کے کمرے کی کسی چیز کو کوئی بھی ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ پھر وہ لفافہ کہاں گم ہو سکتا ہے۔

’کیا مجھے صرف وہ پڑھنے کے لئے ہی دیا تھا۔ محض ایک پیغام دیا تھا۔ جو مجھے مل گیا اور پھر لفافہ غائب ہو گیا لیکن کیسے.....؟ اولیس سوچتے ہوئے اپنے آپ سے سوال کر رہا تھا۔ اب وہ اُس پر اسرارِ شخص سے ملنا چاہتا تھا۔

☆=====☆=====☆

تین دن گزر گئے تھے۔

ان تین دنوں میں وہ پُر اسرارِ شخص کو کبھی بھی دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ نہ ہی اچانک اس کے سامنے آیا تھا۔ اولیس کو بھی اُس کا تب ہی خیال آتا تھا جب اُسے کام سے کچھ فرصت ہوتی تھی۔ ورنہ کام میں مصروف رہنے کے باعث تو اُس کا خفیف سا بھی خیال نہیں آتا

تھا۔ ایک بار پھر وہ اس کے ذہن سے محو ہو گیا تھا۔

دفتر سے واپسی پر اوایس کسی نہ کسی پراپرٹی ڈیلر کے دفتر میں براجمان ہوتا تھا اور یا پھر کرائے کی رہائش دیکھنے کے لئے وہ پراپرٹی ڈیلر کے ساتھ شہر کے کسی نہ کسی علاقے میں ہوتا تھا۔ اب وہ بھی شدت سے یہ چاہنے لگا تھا کہ اُسے کوئی اچھی اور مناسب رہائش مل جائے تاکہ وہ یعنی کو اس شہر میں لے آئے۔ اس کے بغیر وہ بہت ادا اس سا ہو گیا تھا۔

اُس شام اوایس کو پراپرٹی ڈیلر نے ایک فلیٹ دکھایا۔ وہ ایک اچھے علاقے میں تھا۔ صاف ستھرا اور بالکل نیا فلیٹ بنا تھا۔ پراپرٹی ڈیلر نے بتایا کہ اس کا مالک بسلسلہ روزگار بیرون ملک آباد ہے۔ وہاں وہ کسی کمپنی میں ملازمت کرتا ہے۔ اس کی بیوی اور بچے بھی ساتھ ہیں۔ فی الحال وہ اس فلیٹ کو کسی اچھی اور مختصر فیملی ہو سکتی تھی۔ ایک میاں اور ایک اُس کی بیوی اب اوایس کی فیملی سے کیا مختصر فیملی ہو سکتی تھی۔ ایک میاں اور ایک اُس کی بیوی..... اوایس کو پہلی ہی نظر میں وہ فلیٹ اچھا لگا۔ کرایہ بھی اس کے حساب سے ٹھیک ہی تھا اور پھر اس جگہ کا فاصلہ اس کے آفس سے بہت دور نہیں تھا۔

”مجھے یہ فلیٹ پسند ہے۔ آپ میری بات کرائیں۔“ اوایس نے فوراً ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

”اس کی بات مجھ سے ہی کرنی ہوگی۔ یہ فلیٹ میرے سپرد ہے۔ کرایہ اور ایڈوانس میں نے بتا دیا ہے۔ اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔ فلیٹ جس حالت میں ہے اسی حالت میں واپس ہوگا۔ کسی بھی ٹوٹ پھوٹ کی ذمہ داری آپ کی ہوگی۔“ پراپرٹی ڈیلر نے بتایا۔

”ہم دو تو افراد ہیں۔ کیا ٹوٹ پھوٹ کریں گے۔“ اوایس مسکرایا۔

”دراصل یہ فلیٹ انہوں نے اپنی رہائش کے لئے بنایا ہے۔ اس فلیٹ کا مالک بیرون ملک نوکری کرتا ہے۔ دو سال کے بعد وہ اپنی نوکری سے سبکدوش ہو جائے گا۔ تب وہ یہاں رہائش اختیار کر لے گا۔ اس لئے جو معاہدہ ہوگا اس کے مطابق آپ کو یہ فلیٹ خالی کرنا پڑے گا۔“ پراپرٹی ڈیلر نے کہا۔

اوایس نے اس کی بات سن کر سوچا کہ دو سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔ اس دوران ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنا ذاتی فلیٹ خریدنے کے قابل ہو جائے۔ لہذا اس نے اُس کی تمام شرائط مان لیں اور اگلے دن اسی وقت لکھے ہوئے معاہدے کے کاغذ پر سائن کرنے اور ایڈوانس وغیرہ دینے کا طے کر کے وہ اُس فلیٹ سے باہر نکل آیا۔

اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر اوایس نے پہلے یعنی کوفون کیا۔ کچھ ہی دیر بعد اُس سے رابطہ جوڑ گیا۔ اوایس نے رسمی بات چیت کے بعد بتایا۔ ”مبارک ہو۔ ہمیں ایک بہت ہی خوبصورت اور بہت اچھے علاقے میں کرائے پر فلیٹ مل گیا ہے۔“

”کیا واقعی.....؟“ یعنی بے یقینی کے انداز میں خوش ہوتے ہوئے تقریباً چیخی۔

”ہاں واقعی..... اب تم جلدی سے لاہور آنے کی تیاری کر لو۔ کل اسی وقت مجھے اس فلیٹ کی چابی مل جائے گی۔“ اوایس بھی خوش تھا۔

”کل کیوں، آج ہی چابی لے لیتے۔“ یعنی کوجلدی تھی۔

”ایک معاہدہ لکھا جائے گا اور اس کے بعد چابی میرے حوالے ہوگی۔ اس لئے کچھ صبر کرو اور تیاری رکھو۔“ اوایس نے تسلی دی۔

”اس وقت کہاں ہو؟“ اس نے پوچھا۔

”اس عمارت کے باہر کھڑا تمہیں فون کر رہا ہوں اور اب میں فون بند کرنے لگا ہوں۔“

فلیٹ میں جا کر تمہیں دوبارہ فون کروں گا۔“ اوایس نے بتایا اور فون بند کر دیا۔

اوایس نے موٹر سائیکل کو کک ماری اور موٹر سائیکل آگے بڑھا دی۔ اوایس ایک اچھا فلیٹ مل جانے پر خوش تھا۔ اس سے بھی زیادہ خوشی اُسے اس بات کی تھی کہ اب یعنی بھی اس کے پاس آجائے گی اور وہ ایک ساتھ رہنے لگیں۔ دونوں کے درمیان حائل دوری ختم ہو جائے گی۔ ان ہی بے مسرت خیالات میں وہ اُس عمارت میں جا پہنچا جہاں فلیٹ میں اس کی رہائش تھی۔

موٹر سائیکل کھڑی کرنے کے بعد اوایس اُس کی چابی اپنی انگلی میں گھماتے ہوئے لفٹ کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک ایک بڑے ستون کے ساتھ ٹیک لگائے، اپنے سینے پر ہاتھ باندھے وہی پُراسرار شخص کھڑا دکھائی دیا۔ اُس کا وہی حلیہ تھا۔ اُس میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ اُس کی نگاہیں اوایس کی طرف مرکوز تھیں اور ہونٹوں پر ایک خفیف تبسم کی لے کر عیاں تھی۔ اوایس اُسے دیکھتے ہی ٹھٹک کر رک گیا۔ وہ اُس سے ملنا چاہتا تھا۔ بہت سے سوالات کا انبار اس کے دماغ میں تھا۔ وہ اُس سے ہر سوال کرنا چاہتا تھا اور ہر سوال کا جواب لینا چاہتا تھا۔ اوایس کے لفٹ کی طرف جاتے قدم اُس کی طرف بڑھنے لگے۔ جونہی وہ اُس کے قریب پہنچا اُس نے دوسری طرف چلنا شروع کر دیا۔ اُس کی رفتار قدرے تیز تھی۔ اوایس نے اُسے دوسری طرف جاتے ہوئے دیکھا تو اُسے پکارا۔



اُس نے اولیس کی آواز پر کوئی توجہ نہیں دی اور اپنی ہی دھن میں چلتا رہا۔ البتہ جونہی اولیس نے اُسے آواز دی تھی اس کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک آدمی نے اُس سمت ضرور دیکھا، اور پھر اُس کی تحیر نگاہیں اولیس پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ اولیس نے ایک لمحے کے لئے اُس آدمی کی طرف دیکھا، اُس نے اُس کی حیرانگی پر کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ اُس پر اسرارِ شخص کے پیچھے بھاگنے لگا، وہ دوسرے دروازے سے نکل کر اس عمارت کے عقب میں چلا گیا۔ اس طرف چار دیواری کے ساتھ ایک چھوٹا آہنی گیٹ تھا جو بند ہی رہتا تھا۔ اُس وقت وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ شخص یک دم رک گیا۔ دیوار کے ساتھ دو خالی ڈرم سیدھے رکھے ہوئے تھے۔ اُس شخص نے ایک چھوٹی سی جست لگائی اور ایک خالی ڈرم پر ٹانگیں لٹکا کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ اُس کی نگاہیں ایک بار پھر اولیس کے چہرے پر جم گئی تھیں۔ ہونٹوں پر وہی تبسم کی لکیر عیاں تھی۔ اولیس اُس کے قریب جا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

”میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“ اولیس نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”کیا پوچھنا چاہتے ہو؟“ وہ لا پرواہی سے بولا۔

”تم کون ہو؟“ اولیس نے جاننا چاہا۔

”اس دن والی میری بات سچ ثابت ہوئی تھی۔ شرط کے مطابق اب میں تمہارا دوست ہوں۔“ اُس نے اولیس کا سوال نظر انداز کر دیا۔

”میرا مطلب یہ نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کیا ہو؟ کوئی چھلاوے ہو، مداری ہو، آتے ہو مجھے کچھ کہتے ہو اور پھر کہیں غائب ہو جاتے ہو۔“ اولیس نے ایک ساتھ کئی سوال کر دیئے۔ وہ جاننے کے لئے مضطرب تھا کہ آخر وہ ہے کیا؟ جو ہونے والا واقعہ پہلے ہی بتا دیتا ہے۔

”باقی سب باتیں چھوڑ دو۔ ایک بات کا جواب دو۔ جو بھی میں نے تمہیں کہا کیا وہ غلط نکلا؟“ اُس نے کہہ کر اولیس کے چہرے پر اپنی جواب کی منتظر نگاہیں جمادیں۔

اولیس نے جواب دیا۔ ”وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن.....“

”یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے مسٹر اولیس۔“ اُس نے یک دم اس کی بات کاٹ کر متانت سے کہا۔ پہلی بار اُس کے ہونٹوں سے تبسم کی ہلکی لکیر معدوم ہوئی تھی۔

”میں نے کہا ناں.....“ اولیس نے کہنا چاہا لیکن اُس نے اپنے اُسی لہجے میں اس کی

بات کو کاٹ دیا اور اپنا سوال ایک بار پھر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔

”جو بھی میں نے تمہیں کہا کیا وہ غلط نکلا؟“

”نہیں..... جیسا تم نے کہا ویسا ہی ہوا۔“ اولیس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

”میری باتوں پر یقین آیا؟“ اُس نے دوسرا سوال کیا۔

سوالوں کا انبار تو اولیس کے ذہن میں تھا۔ بہت کچھ تو وہ اُس سے پوچھنا چاہتا تھا لیکن ایک کے بعد دوسرا سوال وہ کر رہا تھا۔ اولیس نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے تمہارے بارے میں جاننا ہے۔ تم کون ہو، کہاں سے آتے ہو اور کہاں گم ہو جاتے اور جو بھی تم مجھے بتاتے ہو اس کا پہلے سے تمہیں کیسے علم ہوتا ہے؟“

اولیس کے ایک ساتھ کئی سوال سن کر وہ مسکرایا۔ ”میری باتوں پر یقین ہے؟“

”تم پہلے مجھے میرے سوالوں کا جواب کیوں نہیں دیتے ہو؟ تم کوئی بازی گر ہو کیا؟“

اولیس نے اس بار قدرے تیز لہجے میں پوچھا۔ اپنے کسی سوال کا جواب نہ پا کر اسے اچانک غصہ آ گیا تھا اور اُلجھن سی ہونے لگی تھی۔

اولیس کے غصے اور تیز لہجے کی پروا کئے بغیر وہ ڈرم سے نیچے اُترا اور جس راستے سے وہ دونوں اس طرف آئے تھے اُسی راستے پر آخر اماں خراماں قدم اٹھاتے ہوئے وہ بولنے لگا۔

”تم کرائے پر فلیٹ لے رہے ہو، اپنی بیوی کو اس فلیٹ میں اپنے ساتھ رکھنے کے لئے کوشش کر رہے ہو، میری مانو تو وہ فلیٹ مت لو۔“

”کیوں..... کیوں نہ وہ فلیٹ لوں میں؟“ اولیس اُس کے پیچھے چلتے ہوئے بولا۔ اس کی آنکھوں میں اس کی بات سن کر حیرت دوڑ آئی تھی۔

”یہ تجھے تمہارا دوست کہہ رہا ہے۔“ وہ بغیر بولا۔

”کون دوست؟“ اولیس نے منہ بنا کر کہا۔

”میں اور کون۔“ اُس نے اپنے سینے پر اُننگی رکھی۔ اُس نے ایک بار بھی اس کی طرف

نہیں دیکھا تھا۔

”مجھے بتاؤ کہ میں وہ فلیٹ کیوں نہیں لوں۔“ اولیس نے استفسار کیا۔

”میری بات ماننے کے لئے تیار ہو تو مت لو وہ فلیٹ؟“ اُس نے پھر وہی کہا۔ ”تم

میرے ساتھ وعدہ کر چکے ہو کہ تم مجھ سے دوستی کرو گے۔ ایک دوست ہونے کے ناطے کہہ رہا

ہوں کہ وہ فلیٹ مت لو۔ اس کا خیال اپنے دماغ سے نکال دو۔“

”جب تک تم مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے میں کیسے تم پر یقین کر لوں۔ مجھے یہ سب تمہاری بازی گری لگتی ہے۔“ اویس اس کی بات پر تب تک یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا جب تک کہ وہ اُسے اپنے بارے میں سب کچھ بتانے پر رضامند نہیں ہو جاتا تھا۔

”کیا تم ایک بار پھر مجھے آزمانا چاہتے ہو؟ جبکہ اُس دن تمہارے ساتھ یہ بات طے ہو گئی تھی کہ اگر غلط ہوا تو میں پھر کبھی تمہارے راستے پر نہیں آؤں گا اور سچ ہونے کی صورت میں تم مجھ سے دوستی کر لو گے۔“ وہ کہتا ہوا لفٹ کے پاس چلا گیا۔ اس وقت وہاں کوئی اور نہیں تھا۔

”تم مجھے اپنے بارے میں بتانا نہیں چاہتے ہو۔“ اویس بولا۔ ”میں جب بھی اس بارے میں سوال کرتا ہوں تم بات کہیں اور لے جاتے ہو لیکن اب میں جاننا چاہتا ہوں۔“

”یہ باتیں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔ کل تم اس فلیٹ میں ایڈوانس لے کر جا رہے ہو۔ مت جانا۔“ اُس نے پھر اویس کو تنبیہ کی۔

”کیوں نہیں جاؤں میں تم سے یہ ہی پوچھ رہا ہوں۔“ اویس اس بار غصے سے چیخا۔ اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے وہ اس کے کندھوں کے اوپر سے اس کے عقب میں دیکھنے لگا۔ اویس کو لگا جیسے اس کے پیچھے کوئی ہے، یا کچھ ایسا ہو رہا ہے کہ وہ اُس طرف دیکھنے کے لئے مجبور ہو گیا ہے۔ اویس نے بھی اپنی گردن گھمائی اور عقب میں دیکھنے لگا۔ اس کے عقب میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اویس نے دائیں بائیں گردن گھمائی، متلاشی نگاہوں سے دیکھا..... کسی کو نہ پا کر اس نے پھر اپنے سامنے کھڑے اس پُر اسرار شخص کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔ وہ اس جگہ سے غائب تھا۔

اویس مضطربانہ انداز میں اُسے متلاشی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ یک دم اس کی نگاہ اس بلڈنگ کے چوکیدار پر پڑی۔ وہ ایک طرف کھڑا اس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اویس اس سے آنکھیں چار ہوتے ہی بولا۔

”تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“

”میں ادھر جا رہا تھا سر.....“ اُس نے جواب دیا اور پھر چل پڑا۔ دو قدم چل کر وہ رک گیا۔ ”سرا ایک بات پوچھوں؟“

”ہاں پوچھو۔“ اویس اس پُر اسرار شخص کے اچانک غائب ہو جانے پر الجھن کا شکار تھا۔

”ابھی آپ.....“ وہ کہتے کہتے رک گیا۔

”ہاں بولو کیا آپ؟“ اویس نے کہا۔

”چلتا ہوں سر..... آپ ناراض ہی نہ ہو جائیں۔“ وہ ڈرتے ہوئے بولا۔

”پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو..... نہیں ناراض ہوتا۔“ اویس کو لگا جیسے وہ کچھ خاص پوچھنا

چاہتا ہے۔

اُس نے جھجکتے ہوئے پوچھ ہی لیا ”سرا بھی آپ اکیلے کس سے باتیں کر رہے تھے؟“

”میں اکیلا باتیں کر رہا تھا۔“ اس کی بات سن کر اویس چونکا۔ ”تم مجھے کب سے دیکھ

رہے تھے؟“

وہ کچھ ڈرتے اور جھجکتے ہوئے بولا۔ ”سر میں تو اوپر کام جا رہا تھا۔ جب آپ اس طرف

سے اکیلے ہی باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے تو میں آپ کو دیکھ کر رک گیا تھا.....“

اس کا مطلب ہے کہ وہ کسی اور کو دکھائی نہیں دیتا ہے۔ جب میں اُس رات پارک کے

قریب اس سے باتیں کر رہا تھا تو تب بھی لوگ میری جانب دیکھ رہے تھے، لیکن میں نے کسی

پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ صرف مجھے دکھائی دیتا ہے؟ اویس سوچتے ہوئے اپنے آپ سے کہنے لگا

اور اسی سوچ میں اس نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔ اویس کو یہ جان کر اور بھی شدت سے حیرت کا

جھٹکا لگا۔ لفٹ کا دروازہ کھلا اور وہ یہ پروا کے بغیر کہ چوکیدار اس جگہ کھڑا اس کے جواب کا متنی

ہے، وہ لفٹ کے اندر چلا گیا اور لفٹ کا دروازہ بند ہو گیا۔

☆=====☆=====☆

اویس کو عجیب سی بے چینی لگ گئی تھی۔

اگر اویس سے یہ بات چوکیدار نہ کرتا تو اس کے علم میں یہ بات ہی نہ آتی کہ وہ کسی اور کو

دکھائی نہیں دیتا ہے۔ جس وقت وہ اُس سے باتیں کر رہا ہوتا تھا تو اس کی طرف دیکھ کر لوگ

شاید یہی سمجھتے ہوں گے کہ وہ پاگل ہے۔ چوکیدار کی اس بات کا تو اس نے اُسے کوئی جواب بھی

نہیں دیا تھا اور سوچتا ہوا لفٹ کا بٹن دبا دیا تھا۔ وہ اُسے اس بات کا جواب بھی کیا دیتا۔ اس کا

چپ رہنا ہی بہتر تھا۔

رات کا کھانا بھی اویس نے غلت اور بے قراری کی کیفیت میں کھایا۔ اویس کی اس

صورت حال کو دیکھتے ہوئے سب نے ہی پوچھا کہ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے اور اُس نے یہ

کہہ کر سب کو مطمئن کر دیا کہ آج کوئی خاص بھوک نہیں ہے۔

اویس کی سوچ ایک ہی جگہ منجمد تھی کہ وہ کسی اور کو دکھائی نہ دینے والا آخر ہے

کون؟ اولیس سوچتے ہوئے اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

ایک دم وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کا زرخ نشست گاہ میں براجمان چچا جان کی طرف تھا۔ اس وقت وہ ایک رسالہ ہاتھ میں لئے بڑے انہماک سے پڑھنے میں مصروف تھے کہ اولیس کی آمد اور اُن کے پاس بیٹھنے کا بھی اُنہیں پتہ نہیں چلا۔

اولیس ٹیلی وژن کا ریموٹ ہاتھ میں لے کر مختلف چینلز بدلتا رہا۔ اس دوران چچا جان نے ایک بار آنکھیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھ لیا اور پھر پڑھنے میں لگ گئے۔ کچھ دیر کے بعد اُنہوں نے رسالہ ایک طرف رکھا اور بولے۔ ”دلچسپ مضمون تھا۔ میں نے سوچا کہ ختم کر کے ہی تم سے کوئی بات کروں گا۔“

”مجھے بھی لگ رہا تھا کہ آپ کوئی دلچسپ چیز ہی پڑھ رہے ہیں۔“ اولیس نے کہا۔

”ٹیلی وژن بھی بے کار چیز ہو گئی ہے۔ جتنے چینلز بڑھ گئے ہیں اتنا ہی ریموٹ کا استعمال بھی بڑھ گیا ہے۔ جس کے ہاتھ میں ریموٹ نہ ہو اُسے ٹیلی وژن دیکھنے کا مزہ ہی نہیں آتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ٹیلی وژن سے بھی زیادہ اہم اس کا ریموٹ ہو گیا ہے۔“ چچا جان حسب عادت کہتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔

”آپ کو تو جن بھوتوں والی فلمیں اچھی لگتی ہوں گی؟“ اولیس اُس موضوع کی طرف بڑھا جس کے لئے وہ چچا جان کے پاس آیا تھا۔

”سو میں سے ایک اچھی فلم ہوتی ہے۔“ چچا جان نے سر ہلایا۔

”ویسے چچا جان ایک بات تو بتائیں۔ یہ جن بھوت چڑیلیں کیا واقعی ان کا وجود ہوتا ہے۔“ اولیس نے آخر بات کا آغاز ہی دیا۔

”ہاں..... ہوتا ہے۔ جن کا وجود ہے۔“ چچا جان نے اثبات میں سر ہلایا۔ ان کا پسندیدہ موضوع چھڑ گیا تھا۔ ان کے چہرے پر جوش دکھائی دینے لگا تھا۔

”جن سے کسی انسان کی دوستی ہو سکتی ہے؟“ اولیس نے اگلا سوال کیا۔

”ہاں ہو سکتی ہے۔ جس طرح سے ہم انسانوں میں اچھے برے انسان ہوتے ہیں، اسی طرح جنوں میں بھی اچھے اور شریر جن ہوتے ہیں لیکن جن کی کسی انسان کے ساتھ دوستی کا ہونا بہت کم ایسا ہوتا ہے۔“ چچا جان نے اپنے پسندیدہ موضوع پر دلچسپی سے بات کرتے ہوئے بتایا۔

اولیس سوچنے لگا کہ مزید چچا جان سے کیا دریافت کروں۔ جو اس کے ساتھ ہو رہا ہے کیا

وہ اُن کے علم میں لے آئے؟ لیکن پھر اولیس نے سوچا کہ اُسے ابھی اس بات پر خاموشی ہی رکھنی چاہئے۔ جب تک وہ اُس کے بارے میں پوری طرح سے معلومات حاصل نہیں کر لیتا، قبل از وقت اُسے اس کے بارے میں چچا جان سے بات کرنے سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔ اولیس جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

”کہاں جا رہے ہو..... بیٹھو میں تمہیں ایک بہت مزے کا واقعہ سناتا ہوں۔ سنو گے تو مزہ آجائے گا۔“ چچا جان نے اولیس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پاس بٹھالیا۔ وہ مجبوراً چچا جان کے پاس بیٹھ گیا۔

چچا جان، اولیس کو اپنی جوانی کا واقعہ سنانے لگے۔ جب اچانک اُن کی ایک جن کے ساتھ سر راہ ملاقات ہو گئی تھی..... وہ ایک ایک باریکی کے ساتھ اپنا واقعہ سنارہے تھے اور اُن باریکیوں کی وجہ سے اُن کا واقعہ طویل ہوتا جا رہا تھا۔ اولیس کی سعادت مندی ایسی کہ وہ وہاں سے اُٹھ بھی نہ سکا اور رات ساڑھے بارہ بجے جب اُن کا وہ واقعہ اپنے اختتام کو پہنچا تو اُسے اُٹھنے کا موقع ملا اور وہ سیدھا اپنے کمرے میں جا کر بستر میں گھستے ہی سو گیا۔

☆=====☆=====☆

ناشتے کے بعد اولیس اپنے آفس چلا گیا۔

دو پہر کو پراپرٹی ڈیپارٹمنٹ کا اولیس کو فون آ گیا۔ اولیس نے اُسے بتایا کہ وہ ٹھیک سات بجے اُسی فلیٹ میں ایڈوانس کی رقم لے کر پہنچ جائے گا۔ آپ ایگری منٹ کا کاغذ لیتے آئیے گا۔ دراصل اولیس ایڈوانس کی رقم دینے سے قبل ایک بار پھر فلیٹ کو اچھی طرح سے دیکھنا چاہتا تھا۔ پراپرٹی ڈیپارٹمنٹ نے اُسے تاکید کی کہ وہ ٹھیک سات بجے تک آجائے۔ اُسے کہیں اور بھی جانا تھا۔

یعنی کا بھی اولیس کو دو بار فون آچکا تھا کہ وہ وقت پر فلیٹ کا ایڈوانس وغیرہ دینے کے لئے چلا جائے۔ یعنی کو اولیس سے بھی زیادہ فکر تھی۔

آفس نام ختم ہوتے ہی اولیس تیزی سے اپنی موٹر سائیکل کی طرف چل پڑا۔ ساڑھے چھ بجے کا وقت تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اپنی موٹر سائیکل پر بیٹھا اُس فلیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ ایڈوانس کی رقم اس کے کوٹ کے اندر والی جیب میں تھی۔ اچانک وہ اپنی موٹر سائیکل کو بریک لگانے پر مجبور ہو گیا۔ کیونکہ وہ پُراسرار شخص سڑک کے کنارے اُسی حلقے میں ہاتھ کے اشارے سے اُسے روک رہا تھا۔ اولیس نے اُس کے پاس ہی بریک لگا دی۔

”میں نے کہا تھا کہ وہ فلیٹ مت لو۔“ وہ یک دم بولا۔

”تم میرے سوا کسی اور کو بھی دکھائی دیتے ہو کیا؟“ اولیس نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... میں صرف تمہیں دکھائی دیتا ہوں۔“ اولیس کے اس سوال کا جواب اُس نے جھٹ سے دے دیا۔ اُس کا جواب سنتے ہی وہ ایک بار پھر چونکا اور دائیں بائیں دیکھا۔ اس سڑک پر ٹریفک دوڑ رہی تھی۔ کوئی آس پاس نہیں کھڑا تھا۔ جو اسے دیکھ رہا ہو۔

”کیا تم کوئی جن ہو؟“ اولیس نے کہہ کر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

”تم اُس فلیٹ کی طرف مت جاؤ۔“ اس بار اولیس کی بات کو نظر انداز کرنے کی اس کی باری تھی۔

”میں جاؤں گا۔“ اولیس نے ضد سے کہا۔

”پھنس جاؤ گے۔“ وہ بولا۔

”کیسے؟“ اولیس نے پوچھا۔

”کیونکہ وہاں فلیٹ میں ایک لاش تمہارے لئے مصیبت کھڑی کر سکتی ہے۔“ اُس کا لہجہ پُر اسرار ہو گیا۔

اولیس اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لاش کا سن کروہ اندر سے ڈر گیا تھا۔ ایک سنسنی اس کے جسم میں دوڑ گئی لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ خالی فلیٹ ہے۔ وہاں کوئی رہتا ہی نہیں ہے۔ اس لئے یہ جھوٹ بول رہا ہے اور پھر پراپرٹی ڈیلر اس سے پہلے وہاں موجود ہو گا۔ اس لئے اسے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اولیس نے موٹر سائیکل کا گنبر لگایا اور چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ ”میں جا رہا ہوں۔ مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں ہے۔“

”افسوس کہ تم نے ابھی تک مجھے اپنا دوست نہیں مانا۔ ٹھیک ہے بعد میں ملاقات ہوگی۔“ اُس کا چہرہ اولیس کی بات سنتے ہی متانت میں نہا گیا۔

اولیس آگے بڑھ گیا۔ وہ اس کی بات پر یقین اس لئے کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ وہ اُسے اپنی حقیقت نہیں بتا رہا تھا اور اُسے آزمانے کا مزید موقع بھی مل رہا تھا۔ اولیس کی دانست میں یہ بات بھی تھی کہ اس بار اس کا انکار سن کروہ اُسے اپنے بارے میں بتانے پر مجبور ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

جب اولیس اُس بلڈنگ میں پہنچا تو رات کے سوا سات بج چکے تھے۔

اولیس سیڑھیوں کے ذریعے سے دوسری منزل پر پہنچا کیونکہ لفٹ کے دروازے پر ایک پرچی چسپاں تھی جس پر لکھا تھا کہ ”لفٹ خراب ہے۔“

جوفلیٹ وہ کرائے پر لینا چاہتا تھا اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر اُس نے جونہی ہینڈل پر ہاتھ رکھا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ پراپرٹی ڈیلر اندر موجود ہے۔ اولیس کو اندر جانے کے لئے دروازے پر دستک دینے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ خالی فلیٹ تھا وہ بنا تردد اندر جاسکتا تھا۔

جونہی اولیس نے اندر قدم رکھا اُسے ایک رعب دار آواز سنائی دی اور وہ چونک کر رکھ گیا۔ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ”تیرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے ہیں۔ ہماری کسی بات پر تم دھیان ہی نہیں دے رہے ہو۔ تجھے کتنی بار فون کئے، پیغام بھیجے اور تم ہو کہ کوئی لفٹ ہی نہیں۔“

”میں تم لوگوں کی اب مزید ضرورت پوری نہیں کر سکتا۔“ یہ پراپرٹی ڈیلر کی آواز تھی۔

”اس کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے جانتے ہو۔“ ایک تو اس کی آواز گرج دار تھی اور دوسرا فلیٹ خالی ہونے کی وجہ سے آواز اور بھی گونج رہی تھی۔

اولیس یہ جاننے کے لئے کہ یہ کون لوگ ہیں آگے بڑھا اور ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ وہاں ایک کھڑکی تھی جو کہ ٹی وی لائونج کی طرف کھلتی تھی۔ اُسے لگ رہا تھا کہ وہ ٹی وی لائونج میں تھے۔ اولیس نے کھڑکی کا تھوڑا سا پٹ کھول کر باہر دیکھا۔ ٹی وی لائونج میں خطرناک شکل و صورت والے تین افراد کھڑے تھے اور اُن کے سامنے پراپرٹی ڈیلر کھڑا تھا۔ گھبراہٹ اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

”اب میں تم لوگوں کو ایک بھی پیسہ نہیں دوں گا۔“ پراپرٹی ڈیلر نے دو ٹوک کہا۔ ”میں بہت پیسہ دے چکا ہوں۔“

”نہیں دو گے تو تم پھر کس کام کے۔“ وہ غصے سے بولا۔ ”ہم تو اُسے رکھتے ہیں جو ہمارے کام کا ہو۔“

”بہتر ہے کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ۔“ پراپرٹی ڈیلر نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ”اور کوشش کرنا کہ آئندہ تم مجھ سے کوئی رابطہ نہ کرو۔“

اُس آدمی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ”چلو بھی صاحب چلنے کے لئے کہہ

رہے ہیں۔“

وہ تینوں جانے کے لئے جونہی دروازے کی طرف بڑھے، ایک دم برق رفتاری سے وہ آدمی گھوما اور ہاتھ میں پکڑے لمبے پھل والے چاقو کو پراپرٹی ڈیلر کے سینے میں اتار دیا۔ ایک دم خون کا فوارہ چل پڑا۔ یہ دیکھتے ہی اولیس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ پراپرٹی ڈیلر گر گیا اور تڑپنے لگا۔ خون سے سارا فرش بھر گیا تھا۔ وہ کچھ دیر اُسے دیکھتے رہے اور جیسے ہی پراپرٹی ڈیلر ساکت ہوا وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئے۔

اولیس کمرے میں ڈرا اور سہما ہوا کھڑا تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں وہ اس کمرے میں نہ آجائیں ورنہ وہ پکڑا جاسکتا تھا اور وہ اُسے کسی بھی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ کیونکہ وہ اس قتل کا چشم دید گواہ تھا، لیکن وہ فلیٹ سے باہر نکل گئے۔

جب اولیس کو تسلی ہو گئی کہ وہ فلیٹ سے چلے گئے ہیں تو وہ کمرے سے باہر نکلا اور پہلے پراپرٹی ڈیلر کو دیکھا، اس کی خون میں لت پت لاش فرش پر پڑی تھی۔ وہ دہشت ناک نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا اور اولیس کو اُس پراسرار شخص کی بات یاد آ رہی تھی جب اس نے اس فلیٹ کو لینے کے لئے منع کیا تھا اور اُس نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہاں ایک لاش ملے گی اور تمہارے لئے مصیبت کھڑی ہوسکتی ہے۔

جب اس کی مصیبت کھڑی ہو جانے کی بات اولیس کو یاد آئی اس نے اس جگہ سے فوراً نکل جانے کے بارے میں سوچا اور تیزی سے باہر جانے کے لئے بھاگا۔ جونہی اُس نے دروازہ کھولنے کے لئے ہینڈل گھمایا دروازہ مقفل تھا۔ وہ باہر سے دروازہ اک کر گئے۔

اولیس نے دو، تین بار ہینڈل گھما کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ لاک تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بھی پراپرٹی ڈیلر کی لاش کے ساتھ ہی فلیٹ میں بند ہو گیا تھا۔ اولیس پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ وہ پھنس سکتا ہے اور اولیس واقعی پھنس گیا تھا۔ اس فلیٹ میں لاش بھی تھی اور وہ بھی پھنسا ہوا تھا۔ اس پراسرار شخص کی یہ بات بھی سچ ثابت ہوئی تھی۔

فلیٹ سے باہر نکلنے کے لئے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ آنے جانے کے لئے جو دروازہ تھا وہ باہر سے لاک کر گئے تھے۔ ایسے لوگ گم نام کال کے ذریعے سے پولیس کو بھی مطلع کر دیا کرتے ہیں کہ فلاں جگہ لاش پڑی ہوئی ہے اور اولیس کو یہ خوف بھی کھا۔ نہ تھا کہ اگر انہوں نے ایسا کر دیا ہوگا تو لاش کے پاس اس وقت وہ ہی ہے۔ جس سے اُسے قتل کیا گیا ہے وہ

تھیا رہی اس کے سینے میں بیوست تھا۔ پراپرٹی ڈیلر کے قتل کے الزام میں اُسے گرفتار کر لیا جائے گا اور پھر اس کا بچنا محال ہوگا۔

اولیس کسی کو اپنی مدد کے لئے پکار بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کروں اور یہاں سے کیسے چپ چاپ نکلوں کہ کسی کو کانوں کا خبر بھی نہ ہو۔

اولیس مضطرب ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور پھر وہ بیڈروم میں چلا گیا۔ ایک چھوٹا دروازہ بالکونی کی طرف کھلتا تھا۔ اس نے دروازہ تھوڑا سا کھول کر باہر جھانکا۔

وہ اس بلڈنگ کا عقب والا حصہ تھا۔ سامنے سڑک اور اس کے ساتھ آٹو مارکیٹ تھی۔ موٹر سائیکل، وغیرہ کے سپر پارٹس کی دکانوں کی وہ بڑی مارکیٹ تھی۔ جہاں موٹر سائیکل وغیرہ ٹھیک کرنے کا کام بھی رات گئے تک ہوتا رہتا تھا۔ اس مارکیٹ کے پیچھے مین سڑک کھائی دے رہی تھی جہاں کاریں اور ہیوی ٹریفک کا گزر ہوتا تھا۔ وہ ایک مصروف شاہراہ تھی۔ اولیس بالکونی میں چلا گیا۔ بالکونی میں کیونکہ اندھیرا تھا اس لئے اُسے کوئی بھی ایک ہیولے کی شکل میں ہی دور سے دیکھ سکتا تھا۔

اس بالکونی کے نیچے بارہ فٹ کے فاصلے پر ایک اور ایسی بالکونی تھی۔ بلکہ ہر فلیٹ کا نقشہ یہ جیسا ہی تھا، ہر فلیٹ کے اس طرف ایسی ہی بالکونی دکھائی دے رہی تھی۔ اولیس کو اس جگہ سے فرار ہونا تھا۔ اس جگہ رکنا اس کے لئے خطرہ تھا۔ اس نے جائزہ لیا۔ بالکونی کے ساتھ نیچے کی طرف ہاتھ روم کا پائپ جا رہا تھا۔ اولیس نے سوچا کہ اس پائپ کے ذریعے سے وہ نیچے والی بالکونی میں جاسکتا ہے۔ اس فلیٹ سے ہی وہ باہر نکل سکتا تھا۔ بے شک یہ ایک بہت بڑا خطرہ تھا لیکن اُسے چستی کا مظاہرہ کر کے یہاں سے فرار ہونا تھا اور کچھ بھی تھا اُسے ہر قیمت پر ہمت کرنی تھی۔

اولیس نے ایک بار پھر ارد گرد اور پائپ کا جائزہ لیا اور خدا کا نام لے کر پائپ کے ذریعے سے اس بالکونی سے نیچے اُس بالکونی تک جانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی ذرا سی غلطی یا پائپ کا اپنی جگہ سے اکھڑ جانا اس کی جان لے سکتا تھا۔ کیونکہ وہ اس بلڈنگ کی دوسری منزل پر یہ کارنامہ اپنی جان بچانے کے لئے سرانجام دے رہا تھا۔

اولیس احتیاط سے نیچے کی طرف جاتا رہا۔ وہ بہت سنبھل کر اتر رہا تھا اور اس کے پیر نیچے والے فلیٹ کی بالکونی کی گرل کو جا لگے۔ وہ جونہی اس بالکونی میں اترا، ایک دم چونک پڑا۔ وہاں ایک سات سال کا بچہ اسے اس بالکونی میں آتا، حیرت سے منہ کھولے اس کی جانب

یاتی کی وجہ سے پراپرٹی ڈیلر کی طرف جانیں سکا، اس لئے آج کوئی بات نہیں ہو سکی۔ یعنی اس کی بات سن کر پہلے اس کے آفس میں کام کے انبار کو کوسا اور پھر اُسے تاکید کی کہ کل سب سے پہلی کرنی پڑے کل فلیٹ کا کام ختم کر کے ہی چھوڑنا۔ اولیس نے اُسے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہوگا۔ وہ یعنی کو اصل بات نہیں بتانا چاہتا تھا ورنہ وہ پریشان ہو جاتی۔

اس کے بعد اولیس کو بار بار قتل کا وہ واقعہ اور اُس پر اسرار شخص کی کہی ہوئی بات یاد آتی رہی۔ زندگی میں پہلی بار اس نے کسی انسانی جان کو اپنی نگاہوں کے سامنے قتل ہوتا ہوا دیکھا تھا۔ وہ خوفزدہ بھی تھا کہ اُسے کسی نے دیکھ نہ لیا ہو، اور وہ واقعی کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائے۔ ان ہی خیالوں، سوچوں اور کروٹیں بدلتے ہوئے رات گزر گئی۔

☆=====☆=====☆

صبح ابھی اولیس بستر میں ہی تھا اور اٹھنے کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اُسے خیال آیا کہ آج کا اخبار دیکھا جائے۔ شاید اس میں پراپرٹی ڈیلر کے قتل کی خبر شائع ہوئی ہو۔ وہ کمرے سے باہر نکلا تو چچا جان حسب معمول اخبار پڑھنے میں مشغول تھے۔ اولیس کو دیکھتے ہی انہوں نے اخبار کا پہلا صفحہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔  
”لو بھئی پڑھو۔“

”آپ پڑھیں۔“ اولیس بولا اور محسوس کرایا کہ وہ اخبار پڑھنے کی غرض سے یہاں نہیں آیا ہے۔

”تم یہ صفحہ پڑھو تب تک میں ادارتی صفحہ پڑھ لیتا ہوں۔ ویسے بھی کسی بھی اخبار کی ماری جان اُس کے ادارتی صفحے میں ہوتی ہے۔“ چچا جان نے عینک ناک پر ٹھیک کی۔ ”یوں بھلا کہ میرے ہاتھ میں اس وقت اخبار کی جان ہے۔“

اولیس، چچا جان کی بات سن کر مسکرایا۔ اخبار کا پہلا صفحہ لے کر وہ متلاشی نگاہوں سے پراپرٹی ڈیلر کے قتل کے بارے میں خبر دیکھنے لگا۔ اُسے وہ خبر اخبار کے دوسرے صفحے میں نظر آئی۔

اولیس جلدی سے اُس خبر کو پڑھنے لگا۔ شہر کے معروف پراپرٹی ڈیلر کے قتل کے بارے میں خبر زیادہ تفصیل سے نہیں لکھی ہوئی تھی۔ پرانی دشمنی کا شاخسانہ بیان کیا گیا تھا اور قتل کی اطلاع کسی گم نام ٹیلی فون کال نے دی تھی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ایسی بات نہیں لکھی تھی۔ اولیس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا اور اٹھتے ہوئے اُس نے ایک دم رک کر چچا جان سے

دیکھ رہا تھا۔ اولیس نے جلدی سے کمرے کی طرف کھٹنے والے دروازے کو تھوڑا سا کھول کر اندر جھانکا اُسے کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے اس بچے کی حیرت کو نظر انداز کر کے اندر چلا گیا۔ اس فلیٹ کا نقشہ بھی اس فلیٹ جیسا ہی تھا۔ اس لئے اُسے دروازے تک جانے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ کچن میں پریشرنگر کے چلنے کی آواز آرہی تھی، ٹی وی لائونج میں دو چھوٹے بچے کھلونوں سے کھیل رہے تھے جنہوں نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا، ٹیلی وژن چل رہا۔ وہ بھاگتا ہوا جیسے ہی دروازے تک پہنچا اس کے عقب سے بچے کی گھبرائی ہوئی آواز آئی۔

”مما.....“

اولیس نے گھوم کر پیچھے کی طرف دیکھا وہ بچہ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گھبراہٹ اور خوف اس کے چہرے سے مترشح تھا۔ اس کی آواز سنتے ہی اُس کی ماں نے کچن سے آواز دی۔  
”ایک منٹ بیٹا آنا گوندھ کر آرہی ہوں۔“

اولیس نے دروازے کا لاک کھولا اور باہر نکل گیا۔ باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ وہ اطمینان سے چلتا ہوا، سیڑھی کی طرف چلا گیا، اور اپنے چہرے سے ہر طرح کی گھبراہٹ اور خوف کے لبادے کو ایک طرف ہٹاتا ہوا سیڑھیاں اُترنے لگا، اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ آسانی سے نیچے فلیٹ تک بھی آگیا اور اس فلیٹ سے اُسے باہر تک جانے میں بھی کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

موٹر سائیکل پر سوار ہوتے ہی اولیس نے پیچھے دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا اور تیزی سے اس علاقے سے نکل گیا۔ کچھ آگے جا کر اس نے پراپرٹی ڈیلر کے دفتر میں فون کیا۔ کچھ دیر کے بعد اس کے بیٹے نے فون اٹھایا تو اولیس نے پہلے پراپرٹی ڈیلر کے بارے میں پوچھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ اُس فلیٹ میں گئے ہوئے ہیں۔

”آپ انہیں اطلاع کر دیں کہ میں آج نہیں آ سکتا مجھے دفتر میں ہی دیر ہو گئی ہے۔ میں کل رابطہ کروں گا۔ تکلیف کے لئے معذرت۔“ اولیس نے معذرت خواہ لہجے میں کہا اور فون بند کر کے پھر موٹر سائیکل اشارت کر لی۔

☆=====☆=====☆

اُس رات اولیس ٹھیک سے سو نہیں سکا۔

اپنے کمرے میں جا کر پہلے اس نے یعنی کو فون کر کے یہ اطلاع دی کہ آج وہ کام کی

پوچھا۔

”چچا جان ایک بات تو بتائیں۔“

”پوچھو..... پوچھو.....“ چچا جان جلدی سے بتانے کے لئے تیار ہو گئے۔ ”کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ کھل کر پوچھو۔“

”کیا واقعی بھوت اور جن ہوتے ہیں؟“ اولیس نے سوال کیا۔ ”یہ حقیقت ہے یا کہ کوئی کہانی ہے۔“

چچا جان نے جیسے ہی اس کا سوال سنا، اُن کے اندر جیسے ایک طاقت سی آگئی تھی۔ اُن کا پسندیدہ موضوع تھا۔ چنانچہ وہ بولے۔ ”یہ سوال تو تم نے پہلے بھی پوچھا تھا۔“

”میرا مطلب ہے کہ جن انسان کی طرح ہوتے ہیں؟“ اولیس نے جلدی سے سوال گھمایا۔

”ان کے پاس طاقت ہوتی ہے کہ وہ کوئی بھی روپ اختیار کر سکتے ہیں۔“ چچا جان نے بتانے کے بعد اس کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولے۔ ”کیا بات ہے آج کل کسی جن سے تو ملاقات نہیں ہو رہی؟“

”ارے نہیں چچا جان..... میں تو ایسے ہی پوچھ رہا ہوں۔ ویسے چچا جان ہم کیسے یہ جان سکتے ہیں کہ ہمارے سامنے کوئی انسان نہیں بلکہ جن کھڑا ہے۔“ اولیس نے ایک اور سوال کیا۔

”اس بارے میں کوئی عام آدمی نہیں جان سکتا..... یہ عالم لوگ ہی جان سکتے ہیں۔ یہ اُن کا ہی کام ہے۔“ چچا جان نے جواب دیا۔

”ہوں.....“ اولیس نے گردن اثبات میں ہلائی۔ ”ٹھیک ہے چچا جان شام کو بات ہوگی۔ ابھی مجھے جانے کے لئے تیار بھی ہونا ہے۔“

”شام کو جلدی آجانا میں تمہیں پہچانوں گا۔“ چچا جان بولے۔ وہ اس موضوع پر در بھی بات کرنے کے لئے پوری طرح سے پرتو لے ہوئے تھے۔ اولیس اب اس پر مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں چچا جان شام کو بات کرتے ہیں۔“ وہ تیار ہونے کے لئے اپنے کمرے میں چلا گیا

☆=====☆=====☆

اس واقعے کے بعد اولیس چاہتا تھا کہ وہ پُر اسرار شخص اُسے جلد از جلد ملے تاکہ وہ اُس

لی دوستی بھی قبول کر لے اور اُس کے بارے میں جاننے کی کوشش بھی کرے لیکن سارا دن گزر جانے کے باوجود وہ پُر اسرار شخص یا جن، وہ جو کوئی بھی تھا اُسے کہیں نہ تو دکھائی دیا اور نہ ہی اُس نے سامنے آ کر پہلے کی طرح اس کا راستہ روکا۔

وہ جو کچھ بھی کہتا تھا وہ ٹھیک ہی ہوتا تھا۔ اس کی کبھی ہوئی ایک بات بھی غلط ثابت نہیں ہوئی تھی۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتا تھا، یہ بات تو طے تھی کہ وہ کوئی انسان نہیں تھا اور نہ ہی کوئی بہرہ و پیا تھا۔ وہ کوئی اور ہی مخلوق تھی۔ اولیس اس سے ملنے کے لئے مضطرب ہو گیا تھا۔

یعنی کا فون آیا تو اُس نے سب سے پہلا سوال یہ ہی کیا کہ وہ فلیٹ لے لیا ہے کہ نہیں؟

”نہیں..... بات طے نہیں ہوئی۔“ اولیس نے اصلیت بتانے کی بجائے جھوٹ کا سہارا لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یحییٰ قتل کے اس واقعے کو سننے کے بعد پریشان ہو جائے۔

”کیوں کیا ہوا۔“ یعنی نے متحیر ہو کر پوچھا۔

”کچھ شرطیں سخت ہو گئی تھیں۔ یہ نہیں ہوگا وہ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔“ اولیس نے بات ٹال دی۔

”تو پھر اب.....؟“ یعنی کی اداسی سے بھری ہوئی آواز اس کی سماعت سے سُرائی۔

”میں ایک اور فلیٹ دیکھنے کے لئے جارہا ہوں۔ جیسے ہی کوئی بات بنی تمہیں فون کرتا ہوں۔“ اولیس نے اُسے اُمید کی ڈور سے الگ نہیں ہونے دیا۔ وہ جانتا تھا کہ یعنی اب اداس ہوئی ہے۔ دو ہفتوں سے وہ بھی ویک اینڈ پر گھر نہیں جاسکا تھا۔

یعنی سے بات ہونے کے بعد دیر تک وہ یعنی اور کبھی اُس پُر اسرار شخص کے بارے میں سوچتا رہا۔

☆=====☆=====☆

جو کہ بلب کی مدھم روشنی میں اُسے صاف دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”اس وقت کیا ہے۔ اندھیرا ضرور ہے لیکن ایک نئے دن کا آغاز ہو چکا ہے، چہل پہل شروع ہو چکی ہے۔ باہر نکل کر تو دیکھو۔ تم ایسا کرو موبائل کو کان سے لگائے لگائے میری باتیں سنتے ہوئے اس عمارت سے باہر نکل آؤ اور دیکھو۔“ وہ بولا۔

اولیس نے جلدی سے گھڑی کے پاس جا کر وقت دیکھا، اور ایک ہاتھ میں جیکٹ پکڑی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ بھی اُس پُر اسرار آدمی سے ملنا چاہتا تھا، بہت کچھ جاننا چاہتا تھا، اس لئے اس کی بات پر عمل کرنے میں اُس نے کسی تغافل سے کام لینے کی کوشش نہیں کی۔

لفٹ میں کھڑے کھڑے اولیس نے جیکٹ پہنی اور وہ اُسے موبائل فون پر صبح سویرے کی ٹھنڈی اور ہلکی ہلکی ہوا اور اُس کے احساس کے بارے میں بتانے لگا۔ جب وہ عمارت کے گیٹ کی طرف بھاگنے کے انداز میں جا رہا تھا تو وہاں پر موجود سیکورٹی گارڈ نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور اندھیرے کی چادر ہولے ہولے سرک رہی تھی۔

اولیس جو نہی عمارت کے گیٹ سے باہر نکلا، اُس پُر اسرار شخص کا موضوع بدل گیا۔ جو صبح کے وقت کی منظر کشی کر رہا تھا وہ اچانک بولا۔

”مسٹر اولیس..... تمہارے بلاک میں ایک پارک ہے۔ میں وہاں ہوں۔ فون بند کر رہا ہوں۔ تم بھاگ کر میرے پاس پہنچو، تمہارے پاس سٹائیس سینڈ ہیں۔ لیٹ ہو گئے تو ملاقات نہیں ہوگی۔ بھاگو۔“ اس کے ساتھ ہی موبائل فون میں خاموشی چھا گئی اور اولیس نے سر پٹ بھاگنا شروع کر دیا۔

پارک زیادہ دور نہیں تھا۔ جب وہ پارک کے مین گیٹ پر پہنچا تو وہ سامنے سینٹ کے بنے بیچ پر براجمان تھا۔ اُس کا رخ پارک کے مین گیٹ کی طرف تھا۔ اُس نے وہی اپنا مخصوص لباس پہنا ہوا تھا، تنکوں کا بنا ہیٹ اس کے سر پر جما ہوا تھا، ہونٹوں پر وہی مخصوص مسکراہٹ میاں تھی۔ وہ تیزی سے جا کر اُس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ایک طویل عرصے کے بعد اولیس اس طرح سے بھاگا تھا، اس لئے اس کی سانس پھول گئی تھی۔

”پچیس سینڈ کے بعد تم آئے ہو۔ دو سینڈ پہلے۔“ اُس نے اولیس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ یہ بتاتے ہوئے اُس نے گھڑی کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ وہ بولا۔ ”میزے برابر میں بیٹھ جاؤ۔“

موبائل کی مسلسل بیلن نے اولیس کو نیند سے جگا دیا۔ اولیس نے خمار میں ڈوبی آنکھوں سے تپائی پر رکھے موبائل کی طرف دیکھا، جو اُسے کمرے کے زیر و پاؤر کے روشن بلب میں دھندلا سا دکھائی دے رہا تھا، اور اپنا ہاتھ بڑھا کر اس نے موبائل اٹھالیا۔ موبائل کو آن کرنے کے لئے اس نے بٹن دبایا لیکن بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ گہری خاموشی میں ہونے والی بیل کی آواز تیز تلوار کی مانند تھی، جیسے خاموشی کو وہ دور تک چیر رہی ہو۔ اس نے اٹھ کر اپنے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو غور سے دیکھا، اس موبائل پر بیل نہیں ہو رہی تھی۔ اُسے حیرت ہوئی کہ پھر بیل کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟

اولیس کی نگاہ دیوار میں نصب لکڑی کے ریک پر گئی، وہاں اس کا ایک اور موبائل پڑا ہوا تھا۔ بیل اُس موبائل کی، ہو رہی تھی۔ وہ تیزی سے اُس موبائل کی طرف بڑھا اور اُسے اٹھاتے ہی آن کیا اور کان سے لگا کر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”فون اٹھانے میں اتنی دیر.....“

اولیس چونک پڑا۔ وہ اُسی پُر اسرار آدمی کی آواز تھی۔ جس کا وہی مخصوص لہجہ تھا۔ اُس نے کہا۔ ”تم.....؟“

”میں نے سوچا اس بار سامنے جانے کی بجائے فون پر بات کرتے ہیں۔“ دوسری طرف سے اُس کی آواز آئی۔

”کہاں ہو تم؟“ اولیس نے متلاشی نگاہوں سے نادانستہ طور پر کمرے میں دیکھا۔

”یہیں پاس ہوں..... تم ابھی آ جاؤ۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ کتنی دیر میں آ سکتے ہو؟“ اُس کی اطمینان سے بھری آواز آئی۔

”تم کہاں ہو اور اس وقت؟“ اولیس نے دیوار پر لگی گھڑی پر وقت دیکھنے کی کوشش کی



اولیس نے اس کی اس بات پر بھی عمل کیا اور سینٹ کے بنے بچ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گیا۔ اُن دونوں کے درمیان باقی بچ کی جگہ خالی تھی۔ اولیس نے پارک میں نظر دوڑائی اکا دکائی کوئی نظیر آ رہا تھا۔ اس جگہ سردی کا بھی کچھ زیادہ ہی احساس تھا لیکن وہ بڑے اطمینان سے بیٹھا ہوا تھا۔

”کیسا لگا صبح آنا“ اُس نے پوچھا۔

”اچھا لگا“ اولیس نے مختصر جواب دیا۔ ”مجھے کیوں بلا یا ہے؟“

”کوئی بھی بات جاننے کی جلدی کیوں ہوتی ہے تمہیں؟“ اُس کے لہجے میں اطمینان تھا۔

”اُس سے بھی کہیں زیادہ جلدی مجھے یہ جاننے کی ہے کہ تم کون ہو، اور تمہاری اصلیت کیا ہے؟“ اولیس متانت سے بولا۔

وہ چپ ہو کر سامنے دیکھنے لگا۔ دن کا اُجالا پھیل رہا تھا، دور سورج کی جگہ لالی پھوٹ رہی تھی۔ پارک میں آنے والوں کا رش بڑھ گیا تھا۔ اولیس کو پہلی بار اس بات کا اندازہ ہوا کہ صبح سویرے سردی کی پروا کتنے بغیر کتنے لوگ سیر کے لئے آتے ہیں۔ جو لوگ صبح سویرے سیر کرنے کے عادی ہوتے ہیں ان کے لئے سرد گرم موسم مانع نہیں ہوتا۔

وہ بولا۔ ”ایک وعدہ کرو۔“

”کیا وعدہ کروں.....؟“ اولیس نے پوچھا۔

”میرے بارے میں تم جو بھی جانو گے اپنے تک ہی رکھو گے اور کسی کو بھی اس کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔ میرا راز تم کسی کو نہیں بتاؤ گے۔“ اُس نے تاکید کی۔

”لیکن میں اپنی بیوی سے کوئی بات نہیں چھپاتا۔“ اولیس نے صاف لفظوں میں بتایا۔

”وقت آئے گا تو تم اسے بتا دینا لیکن تم اس سے بھی میرے بارے میں چھپا کر رکھو گے۔“ کچھ دیر کی خاموشی حاکم رہنے کے بعد اس نے اُٹھتے ہوئے سورج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا تعلق تمہاری دنیا سے نہیں ہے۔ میں انسان نہیں ہوں۔ بہت کچھ میرے اختیار میں ہے اور بہت سے کاموں میں بے اختیار ہوں۔ مجھے ایک دوست کی ضرورت تھی، تم مجھے مل گئے۔“

”تم انسان نہیں ہو؟“ اولیس کو حیرت کا شدید جھکا لگا۔ وہ اس کے عقب میں بیٹھا تھا اور اُس سے بات کرتے ہوئے دائیں بائیں بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کسی کو دکھائی

نہیں دے رہا ہوگا اور پارک میں موجود لوگ اُسے اکیلے کو باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر وہ لوگ اس کی ذہنی کیفیت پر شک بھی کر سکتے ہیں۔ اس لئے وہ بات کرتے ہوئے بڑی احتیاط سے کام لے رہا تھا۔

”نہیں میں انسان نہیں ہوں۔“ وہ اس کی طرف گھوما۔

”جن ہو..... بھوت ہو.....؟“ اولیس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے منہ سے

یہ حقیقت جان کر اس کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ خوف کا ایک جھکا اُسے لگا تھا۔

”تم مجھے کوئی بھی نام دے دو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ وہ مزید بولا۔ ”میں کچھ

بھی ہوں، تمہیں مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

اس سے قبل اولیس نے اس کے لہجے میں اتنی گہری متانت نہیں دیکھی تھی۔

اس کی اس بات سے اولیس کو کچھ تسلی ہوئی اور جو خوف اس کے جسم میں سرایت کر گیا تھا،

وہ کم ہو گیا۔ ”تمہارا نام کیا ہے؟“

”تم مجھے جو بھی کہہ کر پکارنا چاہو پکار لو۔ وہی میرا نام ہوگا۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ وہ بولا۔

”دوست ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور باتیں بھی چھپاتے ہو۔“ اولیس نے شکوہ کیا۔

”جتنا میں بتا سکتا تھا وہ میں نے بتا دیا اور جو میں نہیں بتا سکتا وہ میں نہیں بتاتا۔“ شاید

اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ تم کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ اب کچھ ہونے والا ہے۔“ اولیس نے پوچھ

کر ایک بار پھر دائیں بائیں نگاہیں گھمائیں۔

وہ پھر سینٹ کے بنے بچ کے دوسرے کونے پر براجمان ہو گیا۔ اولیس اس کی طرف

دیکھنے کی بجائے سامنے دیکھ رہا تھا اور اس کے کان اس کا جواب سننے کے منتظر تھے۔

”میری طاقت کا بہت سا حصہ سلب ہو چکا ہے اور طاقت کا کچھ حصہ میرے پاس ہے۔

ایک خاص وقت کی حد میں میں جان سکتا ہوں کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ کیا ہوگا۔ جو کہ تمہیں

میں بتا دیتا ہوں۔“ اُس نے بتایا۔

”تمہاری طاقت کس نے سلب کی ہے۔“ اولیس نے دریافت کیا۔

”بہت سی باتیں میں تمہیں اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں بتا سکتا۔ بہت کچھ تمہیں

وقت کے ساتھ ساتھ پتہ چلتا رہے گا۔ بس یہ بات ذہن میں رکھو کہ میں تمہیں جو بھی بتاؤں گا

وہ سچ ہوگا۔ تم بہت کچھ روک سکتے ہو، بس ہمت کی ضرورت ہے تمہیں اور تم ایک باہمت نوجوان ہو۔ اسی لئے میں نے تم سے دوستی کی ہے۔ ورنہ اس شہر میں اور بھی ہیں جن سے میں دوستی کر سکتا تھا۔“ اُس نے کہا۔

”اب کیا ہونے والا ہے؟“ اولیس نے اچانک سوال کیا۔

”میں یہ نہیں بتا سکتا۔ میں اتنا با اختیار نہیں ہوں۔ جس چیز کا مجھے پتہ چلے گا اُس سے میں تمہیں آگاہ کر دیا کروں گا۔ تم میرا ذکر اپنی بیوی سے بھی نہیں کرو گے۔“ وہ بولا۔ ”تمہاری ترقی ہو رہی ہے۔ کمپنی کی طرف سے تمہیں رہائش کے لئے ایک فلیٹ مل رہا ہے۔“

”میری ترقی ہو رہی ہے؟“ اولیس ایک بار پھر چونکا۔

”ہاں.....“ اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”تمہاری ترقی ہو رہی ہے۔“

”یہ ناقابل یقین ہے۔“ اولیس خوشگوار حیرت سے بولا۔

”تم ایسا کہہ سکتے ہو لیکن یہ سچ ہے۔“ اُس کا لہجہ پر یقین تھا۔

”تم مذاق کر رہے ہو۔“ اولیس کی حیرت دو چند ہو گئی۔

”کمپنی کی طرف سے جو تمہیں فلیٹ ملے گا وہ جس بلڈنگ میں ہے اس پلاٹ کا نمبر ستائیس ہے۔ دوسری منزل کا ساتوں فلیٹ اور اس فلیٹ کا نمبر ہے..... ستائیس۔“ اس نے اس کی حیرت نظر انداز کرتے ہوئے بتایا۔

اس بار اولیس کو حیرت دوسری بات پر ہو رہی تھی اور حیرت کی وجہ تھی وہ ستائیس کا ہندسہ جو بار بار آ رہا تھا۔ ”پلاٹ نمبر ستائیس..... دوسری منزل کا ساتوں فلیٹ یعنی کہ دو اور سات اور جو فلیٹ اُسے مل رہا ہے اس کا نمبر ہے ستائیس.....“

”تمہاری زندگی میں ستائیس کے ہندسے کی بہت اہمیت ہے۔“ اس نے یہ کہہ کر اولیس کو مزید حیران ہونے پر مجبور کر دیا۔

”ستائیس کا ہندسہ۔“ اولیس نے حیرت میں غوطہ زن دہرایا۔

”ہاں..... جیسے تم نے کمپنی میں ستائیس تاریخ کو انٹرویو دیا تھا، ستائیس تاریخ کو تمہیں نوکری ملنے کا لیٹر ملا، تمہاری شادی ستائیس تاریخ کو ہوئی، تمہاری تاریخ پیدائش ستائیس ہے۔“ وہ ایک کے بعد ایک بتانے لگا۔

اس کے بتانے پر اولیس کو پہلی بار احساس ہوا کہ ستائیس تاریخ کس قدر اُس کے ساتھ منسلک ہے اور اس کی اہمیت بھی اُجاگر ہو کر اُس کے سامنے آئی۔ اولیس نے کبھی اس طرف

توجہ نہیں دی تھی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

”جاؤ اور اپنی ترقی کا مزہ لو۔“ وہ کہہ کر اُٹھا اور ایک طرف چل پڑا۔ اولیس تیزی سے اس کے پیچھے چل پڑا لیکن وہ اُسے کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے آس پاس وہاں لوگ موجود تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کے سامنے وہ اکیلا باتیں کرتا ہوا پاگل دکھائی دے۔ اولیس اس کے ساتھ پارک سے باہر نکل گیا۔ وہ اُس کے آگے آگے چل رہا تھا۔ باہر آتے ہی پارک کے جنگلے کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس جگہ وہ اُس سے بات کر سکتا تھا۔

”ہاں کیا بات ہے۔“ اس نے اولیس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

”کیا میں تمہیں جب چاہوں بلا سکتا ہوں؟“ اولیس نے پوچھا۔

”نہیں..... جب میں چاہوں گا تب ہی تمہارے پاس آؤں گا۔“ اُس نے بلاتامل

جواب دیا۔

”اور تمہارا نام کیا ہے.....“ اولیس نے ایک بار پھر پوچھا۔

”جو تم چاہو، کہہ کر بلا لیا کرو۔“ اُس نے پھر وہی جواب دیا۔

”مثلاً.....؟“ اولیس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

”جو بھی۔“ اس نے خوش دلی سے کہا اور ہنسا۔

”تم اپنی مرضی کے مالک ہو۔ اچانک آتے ہو اور اچانک چلے جاتے ہو۔ اچانک کچھ بھی کہہ دیتے ہو۔ تم اپنی مرضی کے راجہ ہو میں تمہارا نام کیا تجویز کر سکتا ہوں۔؟“ اولیس نے کہا۔

وہ مسکرایا اور بولا۔ ”میرا نام شمشک ہے۔“

”شمشک.....؟ یہ کیا نام ہوا۔“ اولیس نے اس کا نام لیتے ہوئے عجیب سا منہ بنایا۔

”اس لئے تو کہا تھا کہ تم مجھے جو بھی نام دینا چاہو دے دو۔“ وہ بولا۔ ”تم مجھے اس نام

سے پکار سکتے ہو۔“

”پھر ہاتھ ملاؤ۔ آج سے میں تمہارے ساتھ دوستی پکی کرتا ہوں۔“ اولیس نے اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ وہ اُس سے کئی بار مل چکا تھا۔ آج اس نے اپنی حقیقت اُس پر منکشف کر دی تھی۔ اولیس کو خوف بھی محسوس ہوا تھا لیکن وہ جلد ہی اس کی باتوں سے معدوم ہو گیا تھا۔

”وقت آیا تو تم سے گلے ملوں گا۔“ شمشک مسکرایا اور اس نے اولیس سے مصافحہ نہیں کیا۔

اولیس نے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ ہٹالیا۔ وہ بولا۔

”ایک بات یاد رکھنا۔ جس موبائل پر میں نے تم سے رابطہ کیا تھا اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا۔ میرا تم سے اسی فون پر رابطہ ہوگا۔“ چند ثانیے کی خاموشی کے بعد اس نے پھر کہا۔ ”وہ دیکھو۔“ اُس نے دائیں طرف اشارہ کیا اور اولیس کی گردن اس جانب گھوم گئی۔ وہاں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ جونہی اُس نے دوبارہ اس کی طرف دیکھا، وہ اس جگہ موجود نہیں تھا۔ وہ اُس کی نگاہوں سے بھی غائب ہو چکا تھا۔

آج اس نے اولیس کو جو کچھ اپنے بارے میں بتایا تھا اس سے اُسے کم از کم یہ تسلی تو ہوئی تھی کہ وہ کون ہے۔ عام حالات میں اگر کوئی ایسی مخلوق اُسے کہتی کہ میں انسان نہیں ہوں تو شاید وہ ڈر کر کانپنے لگتا۔ ممکن تھا کہ وہ سنتے ہی بے ہوش ہو جاتا لیکن وہ بڑی ہوشیاری سے اس کی زندگی میں داخل ہوا تھا۔ پہلے اُس نے اپنا اعتماد اس پر بحال کیا اور اس کے بعد اُس نے اپنی حقیقت اس پر منکشف کی۔ جبکہ اس کا ذہن پہلے ہی اس بات کو قبول کر چکا تھا کہ وہ انسان نہیں ہے۔ اس لئے جیسے ہی اس نے اپنی زبان سے کہا کہ وہ انسان نہیں ہے تو جو خوف یک دم اس پر غالب ہوا تھا وہ جلدی معدوم بھی ہو گیا تھا۔

اپنے کمرے میں جا کر جب اولیس نے وہ موبائل فون الماری میں اُسی جگہ رکھا تو وہ چونک سا گیا۔

اولیس نے مڑ کر دوبارہ فون اُٹھالیا۔ اُس کی خیرہ نگاہیں موبائل سے پہلے اس کے پاس پڑی بیٹری پر گئی اور پھر اُس نے موبائل کو دیکھا۔ وہ موبائل اُس کے استعمال میں نہیں ہوتا تھا۔ اس کی بیٹری اور سم کارڈ نکال کر اُس نے رکھا ہوا تھا اور موبائل کے آن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور اس موبائل فون پر اُسے مسٹر شکم بنے کال کی تھی اور جاتے ہوئے یہ بھی تاکید کی تھی کہ وہ اس فون کو ہمیشہ اپنے پاس رکھا کرے اسی فون پر وہ اُس سے رابطہ کیا کرے گا۔ بہت دیر تک وہ اس پر حیراں ہوتا رہا اور اس موبائل فون کو اُٹھا کر اپنے دوسرے موبائل کے پاس رکھ دیا جو اُس کے استعمال میں رہتا تھا۔

☆=====☆

اولیس آفس پہنچا تو نوٹس بورڈ پر ایک نوٹس چسپاں تھا۔

جس میں لکھا ہوا تھا کہ آج دن گیارہ بجے ایک چھوٹی سی تقریب ہے جس میں ترقی پانے والوں کے نام اناؤنس کئے جائیں گے۔ یہ نوٹس پڑھ کر وہ ہرجوش ہو گیا۔ اس کے ذہن

میں کوئی ابہام نہیں تھا۔ اپنی ترقی کے بارے میں وہ اب اپنے افسران کے منہ سے سننا چاہتا تھا۔ یہ تو اس کے علم میں ہی تھا کہ اس کی ترقی ہو رہی ہے اور اُسے رہائش کے لئے ایک فلیٹ بھی مل جائے گا۔

ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ سب میٹنگ ہال میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ پھر افسران آئے اور رسمی باتوں اور کام کرنے والوں کی کاردرگاہی کو سراہتے ہوئے مختصر تقریر ہوئی اور اس کے بعد ترقی پانے والے پہلے شخص کا نام لیا گیا۔ پھر دوسرے کا اور تیسرا نام جب اولیس کا پکارا گیا تو سب کے چہرے حیرت سے دنگ رہ گئے۔ شاید کسی کو یہ شک بھی نہیں تھا کہ اولیس کی ترقی ہو جائے گی۔

جہاں اُسے کچھ اور مراعات سے نوازا گیا وہاں اُسے فلیٹ کی چابی بھی دی گئی جہاں وہ رہائش اختیار کر سکتا تھا۔

پلاٹ نمبر ستائیس کی دوسری منزل میں واقع وہ ساتواں فلیٹ تھا جس کا نمبر ستائیس تھا۔ تالیوں کی گونج میں جب اولیس فلیٹ کی چابی لے رہا تھا تو اس کی چور متلاشی نگاہیں مسٹر شکم کو دیکھ رہی تھیں کہ شاید وہ یہاں کہیں ہو لیکن وہ اُسے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ ترقی پانے پر اولیس کو سب نے مبارک باد دی۔ کسی نے دل سے تو کسی نے محض رسم ادا کی تھی۔ ایک مبارک باد ایسی تھی جس کے بارے میں وہ جانتا تھا کہ وہ خلوس سے بھرپور ہے۔ وہ مبارک باد مس عطیہ کی تھی۔

مس عطیہ اس کی کولیگ تھی۔ وہ ایک اچھی اور دل کی صاف لڑکی تھی۔ وہ سب کے بارے میں اچھا سوچتی تھی۔ اس کے دل میں کسی کے لئے بھی کوئی میل نہیں تھی۔

”اب آپ کی طرف ایک اچھا سا ڈنر بنتا ہے۔“ مس عطیہ نے اولیس کی جانب مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں..... میری بیوی آجائے پھر تمہیں گھر بلاؤں گا۔ تم میری بیوی سے بھی ملنا اور اچھا سا ڈنر بھی ہوگا۔“ اولیس خوش دلی سے بولا

”زبردست..... کب آرہی ہیں وہ۔“ مس عطیہ خوش ہو گئی۔

”شاید چند دنوں میں۔“ اولیس نے اپنے کندھے اچکائے۔

”میں آپ کی بیوی سے ضرور ملنا چاہوں گی۔“ مس عطیہ مسکرا رہی تھی۔

”ضرور ملنا چاہوں گی۔“ اولیس نے سر ہلایا۔

”وش یوگڈ لک۔“ اس نے کہا۔

”تھینکس۔“ اولیس ترقی پانے پر بہت مسرور تھا۔

عطیہ کے جاتے ہی اولیس نے سب سے پہلے اپنے والدین کو اپنی ترقی کی خوشخبری سنائی، اُن سے ڈھیروں دعائیں لینے کے بعد جب اُس نے عینی کو بتایا کہ ترقی کے ساتھ اُنہیں رہائش کے لئے ایک فلیٹ بھی مل گیا ہے تو سنتے ہی وہ پھولے نہیں سارہی تھی۔ اس خوشخبری کو سن کر اس سے بات ہونا مشکل ہو رہی تھی۔

اولیس نے عینی کو بتایا کہ اس اتوار کو وہ گھر آ رہا ہے اور پھر وہ بھی اس کے ساتھ ہی آجائے گی۔ ان دونوں کے لئے یہ تصور ہی بہت پُرسرت تھا کہ اب وہ ایک ساتھ ایک شہر میں رہیں گے۔

☆=====☆=====☆

پلاٹ نمبر ستائیس کی دوسری منزل کا ساتواں فلیٹ جس کا نمبر ستائیس تھا، اس کے دروازے کے سامنے اولیس کھڑا تھا۔

دروازے کے لاک میں چابی لگانے سے پہلے اولیس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ دل ہی دل میں خدا سے خیر و عافیت کی دعا مانگی اور اس سے فارغ ہوا تو اُس نے چابی گھمائی اور دروازے کو کھول کر پہلے اندر نگاہ ڈالی اور دائیں قدم اندر رکھتے ہوئے اس نے پھر خدا کا نام لیا اور اُسی کے نام سے ابتدا کی۔

وہ فلیٹ بہت ہی خوبصورت تھا۔ بیڈ روم میں ایک ڈبل بیڈ تھا، ڈرائنگ روم میں فرنیچر قرینے سے رکھا ہوا تھا، ایک فرج تھی۔ دراصل یہ فلیٹ کمپنی کے جی ایم نے چند ماہ کے لئے اپنی رہائش کے لئے رکھا ہوا تھا۔ اُن کی ذاتی رہائش تیار ہو رہی تھی۔

یہ تمام سہولتیں اُنہیں کمپنی نے دی تھیں اور جب وہ اپنی ذاتی رہائش میں چلے گئے تو یہ سامان جوں کا توں ہی پڑا رہا۔ جسے استعمال کرنے کی کمپنی نے اولیس کو اجازت دے دی تھی۔ اولیس اور عینی کے لئے اس فلیٹ میں رہائش اختیار کرنا کچھ مشکل نہیں تھا۔ تین دن کے بعد سُنڈے تھا اور اولیس کو اس دن کا شدت سے انتظار تھا۔

فلیٹ کو دیکھنے کے بعد جب اولیس باہر نکلا تو اس کے اسی موبائل فون کی گھنٹی بجنے لگی جس کے اندر بیٹری ہی نہیں تھی۔ بیل ہوتے وقت اس کی روشنی بھی نہیں جل رہی تھی اور اسکرین بھی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بس بیل ہو رہی تھی۔

”ہاں مسٹر شک۔“ اولیس نے موبائل فون کان کو لگاتے ہی کہا۔

”کیا حال ہے“ وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔

”ہاں ٹھیک ہوں۔“ اولیس نے جواب دیا۔

”کیسا لگا فلیٹ۔“ اُس کی مخصوص آواز ابھری۔

”خوبصورت ہے۔ مجھے تو بہت ہی اچھا لگا ہے۔ میں نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ مجھے ایسا

فلیٹ مل جائے گا۔“ اولیس کی آواز خوشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”خوش قسمت ہو کہ ایسی اچھی کامیابی اتنی جلدی مل گئی ہے۔ اب ایک کام کرو۔“ وہ

بولا۔

”وہ کیا؟“ اولیس نے فوراً دریافت کیا۔

”جب اپنی بیوی کو اس فلیٹ میں لے آؤ تو اگلے ہفتے آفس سے ایک ماہ کے لئے

چھٹیاں لے لینا۔“ مسٹر شک نے کہا۔

”وہ کیوں؟“ اولیس نے حیرت سے پوچھا۔

”تم نے کبھی چھٹی نہیں کی آسانی سے چھٹیاں مل جائیں گی۔ بس تھوڑی سی رد و بدل کے

ساتھ۔“ اُس کی آواز آئی۔

”رد و بدل..... وہ کیا؟“ اولیس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”اگلے ہفتے تمہاری سالگرہ بھی ہے نا؟“ وہ یک دم بولا۔ ”دونوں کو موج مستی میں

گزارنا۔ خوب مزے کرنا۔“

”تمہیں میری سالگرہ کا پتہ ہے کیا۔“ اولیس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے یوں کہا

جیسے وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”پتہ ہے تو کہہ رہا ہوں۔ مجھے تمہاری سالگرہ کی تاریخ یاد ہے..... گڈ لک۔“ وہ بولا۔

”سنو..... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“ اولیس نے کہا۔

”ابھی نہیں۔“ اس نے فوراً جواب دیا۔

”مسٹر شک..... میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔“ اولیس نے زور دے دیا۔

دوسری طرف سے آواز آئی بند ہو گئی اور اولیس نے دو، تین بار ہیلو..... ہیلو کہہ کر موبائل

اپنی جیب میں رکھ لیا۔ عجیب تھا۔ اُس کا آنا جانا، بولنا کچھ کہنا، چپ ہونا سب کچھ اچانک ہی

ہوتا تھا۔

☆=====☆=====☆

☆ = = = = ☆ = = = = ☆

اولیس ان کی بات سن کر کچھ تذبذب کا شکار ہوا۔ ”ہا..... ہاں آپ نے دیکھا تھا کیا؟“  
 ”کب سے ملاقات ہے ان کے ساتھ؟“ انہوں نے سوال کیا۔

مسکراہٹ عیاں تھی۔

”تم یہاں؟“ اولیس نے رک کر پوچھا۔

”چلتے رہو۔“ وہ بھی اُس کے ساتھ چلتے لگا وہ دونوں ایک دوسرے کے برابر چل رہے تھے۔ اُن دونوں میں کم از کم ایک فٹ کا فاصلہ تھا۔

”جب میں کہتا ہوں کہ ملو تب تم ملتے نہیں ہو اور جب تمہاری مرضی ہوتی ہے تو تم اچانک آ جاتے ہو۔“ یہ کہتے ہوئے اولیس کو اندیشہ تھا کہ وہ آج حافظ صاحب سے ہونے والی ملاقات کا تذکرہ کرے گا۔

”اچانک اور میں لازم و ملزوم ہیں۔“ وہ مسکرایا۔ ”اور پھر تم ہی نے تو کہا تھا کہ میں اپنی مرضی کا راجہ ہوں۔“

”میں تم سے ہاتھ ملانا چاہتا ہوں۔“ اولیس نے اچانک کہا۔

”کیوں؟“ وہ چلتے ہوئے بولا۔

”مجھے ترقی ملی ہے اور میں اپنے دوست سے اس خوشی میں ہاتھ ملانا چاہتا ہوں۔“

اولیس نے جواب دیا۔

”اس سے کیا ہوگا۔“ وہ مسکرایا۔

”مجھے خوشی ہوگی۔“ اولیس نے کہا۔

”خوشی تو میں تمہارے چہرے پر دیکھ رہا ہوں۔“ اُس نے ایک نظر اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”یہ قسمت اور نصیب کی بات ہوتی ہے کچھ لوگوں کو بہت جلد بہت کچھ مل جاتا ہے اور بہت سے اُسی جگہ کھڑے رہتے ہیں جہاں سے انہوں نے چلنے کا آغاز کیا تھا۔“

”لیکن.....“ اولیس نے کہنا چاہا۔ اُس نے اُس کی بات کاٹ دی۔

”اپنی سالگرہ پر کیا تحفہ لینا چاہتے ہو۔“ شاید اس نے یہ بات موضوع بدلنے کے لئے کی تھی۔

”کس سے تحفہ لینے کی بات کر رہے ہو تم؟“ اولیس نے پوچھا۔

”مجھ سے۔“ میں تمہیں تمہاری سالگرہ پر ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں۔ جو تمہیں پسند ہو جو تمہیں اچھا لگے۔“ اُس نے کہا۔

”تحفے میں دیا ہوا تو ایک پھول، ایک دعا ہی بہت ہوتی ہے۔ تم جو چاہو مجھے دے دینا۔“ اولیس برملا بولا۔

اُس نے اولیس کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ ”یہاں رک جاؤ۔ یہ جگہ رکنے کے لئے مناسب ہے اور پھر یہاں میں نے تم سے ضروری بات بھی کرنی ہے۔ میری بات غور سے سننا۔“

اولیس رک گیا۔ وہ اس علاقے کا بڑا چور ہا تھا اور وہ دونوں ایک طرف چور ہے کی ایک کنڈ میں کھڑے تھے۔ اس جگہ ٹریفک کا رش رہتا تھا اور رات نو بجے کے بعد اس رش میں کمی آ جاتی تھی۔ اس چور ہے میں مختلف دکانیں تھیں۔ رات نو بجے کے بعد دکانیں بند ہونا شروع ہو جاتی تھیں اور جیسے ہی تقریباً دس بجے تک تمام دکانیں بند ہو جاتی تھیں تو یہاں کسی آتی جاتی کار کا گزر رہ جاتا تھا۔

وہ بولا۔ ”جہاں تم کھڑے ہو اس جگہ تمہاری کوئی مس عطیہ کھڑی ہوگی۔ بالکل اسی جگہ۔“

اس کے اچانک کہنے پر اولیس نے چونک کر پہلے اس جگہ کو دیکھا جہاں وہ کھڑا تھا اور پھر متحیر نگاہوں سے اس کی طرف دکھا۔ اُسے حیرت تھی کہ یہ مس عطیہ کا ذکر کیوں کر رہا ہے۔ کیا یہ اُسے جانتا ہے؟

”جیسے ہی وہ سڑک عبور کرنے کے لئے اس فٹ پاتھ سے ایک قدم نیچے رکھے گی اُس طرف سے ایک کار آئے گی۔“ مسٹر شکم ہاتھ کے اشارے سے اولیس کو بتا رہا تھا اور وہ ششدر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر وہ چپ رہ کر دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اولیس اس کا منہ تک رہا تھا۔

وہ پھر بولا۔ ”کار بے قابو ہوگی اور رفتار میں ہوگی۔“ اس کا لہجہ پُر اسرار ہو گیا تھا۔ جیسے سنان علاقے میں سانپ کی پھنکار ہو۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ اولیس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ وہ کم سے کم بات کرے، کیونکہ لوگ آ جا رہے تھے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اُسے مشکوک نگاہوں سے دیکھے۔

وہ پھر بولا۔ ”وہ کار مس عطیہ کو ٹکڑا کر مار دے گی۔“

”نہیں۔“ اولیس کے منہ سے یک دم نکلا اور اس کے پاس سے گزرتی ہوئی ایک خاتون رک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اولیس نے یک دم اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور کان سے لگا لیا۔ وہ خاتون سر مار کر آگے چلی گئی۔ دراصل اس کے منہ سے ”نہیں، یک دم اور خوفزدہ سی آوازیں نکلا تھا کہ اس خاتون کا سن کر رکنا حیرت کی بات نہیں تھی۔“

”وہ بے قابو کار مس عطیہ کو نکر مار دے گی۔“ اُس نے پھر دہرایا۔ ”اور مس عطیہ اُس جگہ جا گرے گی۔“

”ایسا نہیں ہوگا۔“ اولیس نے تڑپ کر کہا۔ موبائل فون اس کے کان کو لگا ہوا تھا اور وہ ظاہر کر رہا تھا کہ وہ کسی سے فون پر بات کر رہا ہے۔ اس کا لہجہ ان حیرت انگیز لمحات میں بھی آہستہ ہی تھی۔ اس کی نگاہیں مسٹر شکم پر مرکوز تھیں۔

”ایسا ہوگا۔“ مسٹر شکم نے اولیس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

”یہ کب ہوگا؟“ اولیس نے بے تابی سے پوچھا۔

وہ چپ ہو گیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اس کی خاموشی اولیس کو زہر لگ رہی تھی۔ اولیس نے پھر پوچھا۔ ”یہ کب ہوگا۔“ اولیس نے موبائل فون اپنے کان سے لگایا ہوا تھا اور اس سے لگتا تھا کہ وہ کسی سے فون پر باتیں کر رہا ہے۔ اس لئے کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہا تھا۔

اولیس کا لہجہ مضطرب تھا۔ ”یہ کب ہوگا؟“

”یہ نہیں جانا چاہو گے کہ کار میں کون ہوگا۔“ اُس نے اولیس کی بات کا جواب دینے کی بجائے یہ سوال کیا۔

”کون ہوگا کار میں؟“ اولیس کی بے چینی میں اضافہ ہو گیا۔

”سرخ رنگ کی بے قابو کار ہوگی۔ تیزی سے نکلے گی یہاں سے۔“ وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔

”کار کون چلا رہا ہوگا؟“ اولیس نے ایک دم تیز لہجے میں پوچھا۔ اس کا تیز لہجہ سن کر ارد گرد کے لوگ چونکے لیکن اس کے کان کو لگا موبائل فون اس کی ڈھال بنا ہوا تھا۔ اولیس یہ سب سنتے ہی شدید حیرت سے دوچار ہو گیا تھا۔

اُس کی نگاہوں میں عجیب سی سرخی اُتر آئی تھی۔ اس کا لہجہ خوفناک ہو گیا۔ ”سرخ کار میں تم ہو گے..... وہ کار تم چلا رہے ہو گے۔“

”مم..... میں؟“ اولیس گھبرا گیا۔ یہ انکشاف اس کے لئے انتہائی حیران کن تھا۔ کہ جو کار مس عطیہ کو نکر مارے گی اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر اولیس ہوگا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”ہاں تم۔“ اس نے کہا۔ ”تم چلا رہے ہو گے وہ کار۔“

”لیکن میرے پاس کوئی کار نہیں ہے۔ بلکہ میرے کزن کے پاس بھی جو کار ہے وہ سفید رنگ کی ہے۔“ اولیس نے جلدی سے کہا۔ اس کے دل کی دھڑکن اور تیز ہو گئی تھی اور بولتے ہوئے اُس کے ہونٹ تھر تھرانے لگے تھے۔

”وہ کار سرخ ہی ہوگی۔“ اُس نے جیسے اولیس کو یقین دلانے کے انداز میں کہا۔ ”اور تمہارے پاس کار آ جائے گی۔“

”لیکن وہ سرخ کار میرے پاس کہاں سے آئے گی؟“ اولیس نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”آئے گی اور ضرور آئے گی۔“ اس کے لہجے میں لاپرواہی تھی اور کہتے ہوئے اس میں بے یقینی کی خفیف جھلک بھی عیاں نہیں تھی۔

”یہ واقعہ کب ہوگا۔“ اولیس نے اس خیال سے پوچھا تا کہ وہ وقت سے پہلے اس کا سدباب کر سکے۔

وہ چپ تھا اور اولیس اس سے وقت معلوم کرنے کے لئے بے قراری سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ یوں دائیں بائیں دیکھ رہا تھا جیسے وہ کسی کو متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہا ہو۔ پھر وہ دو قدم آگے چلا گیا۔ وہ اُسے دیکھ رہا تھا اور اس بات کا متنی تھا کہ وہ اُسے اس کے سوال کا جواب دے تا کہ وہ مس عطیہ کو وقت سے پہلے ہی پہچانے کے لئے کوئی کوشش کرے۔

”تم مجھے میری بات کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو۔“ اولیس اپنی بے چینی پر قابو نہیں رکھ پا رہا تھا۔ مسٹر شکم چلتا ہوا اس چوک سے آگے چلا گیا تھا اور اولیس اس کے ساتھ چل رہا تھا۔

”مجھے وہ دکھائی نہیں دے رہا ہے۔“ اُس نے دور تک دیکھا اور وہ متفکر تھا۔

”تم کیا دیکھنے کی کوشش کر رہے ہو۔“ اولیس نے پوچھا۔

”مجھے دیکھنے دو۔“ اس نے اولیس کے سوال کی کوئی پروا نہیں کی۔

”تم میری بات کا جواب دو کہ یہ سب کب ہوگا۔ کیا وقت ہوگا۔ آج، کل، کب۔“

اولیس پوچھنے لگا۔

اچانک چلتے ہوئے کوئی اولیس سے ٹکرایا اور اس کی توجہ مسٹر شکم سے ہٹ گئی اور جیسے ہی سنسبھل کر اس نے پھر مسٹر شکم کی طرف دیکھا وہ ہمیں بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اولیس نے دائیں بائیں دیکھا لیکن وہ اس کی نظروں سے بھی اوجھل ہو گیا تھا۔ جیسے اچانک وہ اس

کے سامنے آیا تھا اسی طرح اچانک وہ چلا بھی گیا تھا۔

اولیس پندرہ بیس منٹ تک اس جگہ کھڑا رہا۔ اس کی عجیب بے چین اور بے قراری حالت ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اولیس کے پوچھنے پر بھی اُس نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ عطیہ کے ساتھ حادثہ کب رونما ہونے والا ہے۔ اولیس اس جگہ کھڑا ہو کر عطیہ کا انتظار بھی نہیں کر سکتا تھا۔

اولیس یہ بات عطیہ سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اس چوراہے کی طرف مت جانا، ورنہ تمہیں ایک سرخ کار پکچل دے گی جس کی ڈرائیونگ سیٹ پر وہ براجمان ہوگا۔ کیا وہ اس کی بات سن کر یقین کرے گی یا کہ اسے مذاق سمجھ کر خوب ہنسے گی؟ اور پھر کیا وہ یہ سب کچھ اُس سے کہہ سکتا تھا؟ مگر کیسے کہتا؟ کس بنیاد پر؟ اس حقیقت کو کھول کر وہ کیا کہتا کہ اُسے یہ سب بتانے والا کون ہے؟ اُسے کیسے پہلے ہی علم ہو گیا؟

عطیہ کو کچھ بھی بتانا فضول تھا۔ اولیس نے یک دم سوچا، کیونکہ جس سرخ کار کے ساتھ عطیہ کو حادثہ پیش آنا تھا اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر اُسے ہونا تھا۔ اس کے پاس سرخ کار نہیں تھی اور عطیہ کو اس حادثے سے بچانے کا دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ واپس فلیٹ میں جا کر اپنے کمرے میں بند ہو جائے۔ اُسے کچھ بتانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اولیس ان سوچوں میں دیر تک غوطے لگاتا رہا۔ سچ بات یہ تھی کہ اُسے بھی مسٹر شک کی یہ بات مذاق ہی لگی تھی۔ وہ خواہ مخواہ سوچوں میں سرگرداں اپنا دماغ خود ہی چاٹ رہا تھا۔ اُس نے اُسے محض اُلجھایا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کی ترقی کی خوشی میں اس نے اس کے ساتھ مذاق کیا ہو۔ اولیس سوچتے ہوئے واپس اپنے فلیٹ کی طرف چل پڑا۔

☆=====☆=====☆

اولیس ابھی بلڈنگ کے مین گیٹ سے داخل ہی ہوا تھا کہ چوکیدار نے اُسے آواز دے دی۔

”سر.....“

اولیس فوراً اس کی طرف متوجہ ہوا۔ جس کرسی پر وہ بیٹھتا تھا اس پر اس عمارت کے ایک رہائشی اپنے سینے پر ہاتھ رکھے بیٹھے تھے۔ ان کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی۔ اولیس اکثر انہیں آتا جاتا دیکھتا تھا۔ وہ پیشے کے لحاظ سے وکیل تھے۔

”کیا بات ہے۔“ اولیس نے پاس جا کر پوچھا۔

”یہ ابھی ابھی آئے ہیں۔ ان کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ یہ دل کے مریض ہیں۔ سینے میں شدید درد ہے۔ ان کی فیملی بھی کہیں گئی ہوئی ہے۔“ چوکیدار نے بتایا۔

اولیس نے ان کی نبض دیکھی اور پوچھا۔ ”انکل..... اس موقع پر آپ کوئی دوائی کھاتے ہیں تو مجھے بتائیں کیا وہ آپ کی جیب میں ہے، آپ کے فلیٹ میں ہے۔ سرپلیز مجھے اس بارے میں بتائیں۔“

”م..... مجھے ڈاکٹر سبحانی کے پاس لے چلو..... ساحل ہسپتال میں۔“ وہ بہ مشکل بولے۔ تکلیف کی شدت سے انہوں نے اپنا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا تھا۔ ان کی طبیعت کافی خراب تھی۔

”ان کی کار وہ کھڑی ہے۔ پارک بھی نہیں کر سکے۔“ چوکیدار نے فوراً ایک طرف اشارہ کیا۔ اولیس نے جلدی سے اس جانب دیکھا اور جنوبی اس کی نگاہ کار پر پڑی اس کا دل کانپ گیا۔ کیونکہ اس کار کا رنگ سرخ تھا۔

”اوہ خدایا۔“ اولیس کے منہ سے نکلا۔

”جلدی پلیز۔“ ان کی درد سے بھری آواز نکلی۔ ”میری مدد کرو مجھے فوری ہسپتال لے جاؤ۔ میں سر رہا ہوں۔“ ان کی زبان سے بہ مشکل جملہ نکلا۔

اولیس نے دائیں بائیں دیکھا کہ شاید اُسے کوئی اور نظر آجائے تاکہ اس گاڑی میں وہ انہیں لے جائے۔ وہ ڈر گیا تھا لیکن پاس کوئی بھی نہیں تھا۔

”جلدی کیجئے سر..... انہیں شدید درد ہے۔“ چوکیدار نے تشویش سے کہا۔ ”آپ کیا سوچ رہے ہیں؟“

وہ درد اور تکلیف سے نڈھال ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی زندگی بچانے کا سوال تھا اور مسٹر شک کی وہ بات بھی اولیس کو گھیرے ہوئے تھی کہ سرخ کار کی ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ مس عطیہ کو پکچل دے گا اور ساحل ہسپتال جانے کے لئے راستہ بھی وہی تھا۔ اس چوراہے سے آگے جا کر دائیں طرف وہ ہسپتال تھا۔ اولیس عجیب شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ اس صورت حال میں نہ تو وہ راہ فرار حاصل کر سکتا تھا اور نہ ہی لے جانے سے انکار کے الفاظ اپنے منہ سے نکال سکتا تھا اور انہیں اس سرخ کار میں لے جاتے ہوئے اُسے ڈر بھی لگ رہا تھا۔

وکیل کی طبیعت مزید خراب ہو رہی تھی۔ وقت ضائع کرنا اس کی زندگی کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ لاچار اولیس نے اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ ڈرتے اور گھبراتے



اچانک وکیل صاحب شدید درد سے ایسے کراہے کہ اویس کو فوراً ان کی طرف دیکھنا پڑا۔ اس نے موبائل فون اپنی گود میں رکھا اور وہ ہاتھ ان کے سینے پر رکھ کر ملنے لگا۔ اسی اثنا میں سامنے ایک سائیکل سوار کار کے اتنا قریب آگیا کہ اگر وہ ایک دم اسٹیرنگ نہ گھماتا تو وہ پیچھے سے اسے ٹکرا دیتا۔ جونہی اویس نے اسٹیرنگ گھمایا اس کی نگاہ اسی جگہ پر چلی گئی جہاں مس عطیہ کندھے سے ہینڈ بیگ لٹکائے فٹ پاتھ سے نیچے اتر رہی تھی۔

”اوہ..... شٹ۔“ اویس نے دانت پیسے۔ اُسے دیکھتے ہوئے اس کا خوف اور بھی بڑھ گیا۔ اس کا موبائل فون گود سے کھسک کر نیچے اس کے پیروں میں گر گیا تھا۔

اس گھبراہٹ اور خوف میں کار بھی بے قابو ہو گئی تھی۔ اویس، مس عطیہ کو ہر ممکن بچانا چاہتا تھا۔ دائیں طرف ٹریفک تھی۔ اس طرف وہ کار نہیں گھما سکتا تھا۔ اس کی سائیڈ پر فٹ پاتھ تھا۔ اویس نے عطیہ سے دس فٹ کے فاصلے پر کار کی بریک لگا دی۔

بریک لگنے سے کار کے ٹائروں کی چیخ بلند ہوئی، اس آواز کو سنتے ہی مس عطیہ نے گھبرا کر اس کی کار کی طرف دیکھا، اتنے میں اویس کے عقب سے آنے والی کار نے اس کی کار کی اچانک بریک لگنے سے کار کو ٹکرائے سے بچاتے ہوئے تیزی سے بائیں موڑا اور کسی تیر کی طرح وہ اس کی کار کے برابر سے گزر کر پھر اپنی سائیڈ کی طرف آنے کے لئے جونہی اسی رفتار میں اس کار کا اسٹیرنگ گھوما وہ کار بے قابو ہو گئی اور کار مس عطیہ سے ٹکرائی اور مس عطیہ اڑتی ہوئی دور جا گری۔

اویس فوراً کار سے باہر نکلا اور مس عطیہ کی طرف بھاگا۔ وہ سڑک پر خون میں لت پت پڑی تھی۔ اویس حیرت اور خوف سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لوگ جمع ہو رہے تھے، ایک ٹھہلیلی مچ گئی تھی۔ اُسے ہسپتال پہنچانے کے لئے فوراً شور برپا ہو گیا تھا۔ دوسری طرف وکیل صاحب بھی کار میں نڈھال پڑے تھے۔ اویس کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ وہ مس عطیہ کی مدد کے لئے بھاگے یا کہ وکیل صاحب کو ہسپتال پہنچائے۔ وہ ایک بار پھر اپنی کار کی طرف بڑھا۔ کیونکہ مس عطیہ کو لوگ ہسپتال پہنچانے کے لئے ایک کار میں ڈال رہے تھے۔

جونہی اویس، مس عطیہ کو ٹکرائے والی کار کے پاس سے گزرا وہ ٹھٹک کر رک گیا کیونکہ جس کار نے مس عطیہ کو ٹکرایا تھا، وہ بھی سرخ رنگ کی کار تھی۔ اویس اس کار کو حیرت سے دیکھے جا رہا تھا۔

ہوئے سنبھال لی۔ وہ کار موڑ کر ان کے پاس لایا، اس کی نگاہیں یہ بھی دیکھ رہی تھیں کہ کوئی اور مل جائے تو وہ انہیں سرخ کار میں لے جانے کی ڈیوٹی اس کے سپرد کر کے وہ اپنے فلیٹ میں چلا جائے۔ وکیل صاحب کو اویس اور چوکیدار نے سہارا دے کر کار میں آگے بٹھایا۔ ایک بار پھر اس نے دائیں بائیں دیکھا کہ شاید کوئی آجائے لیکن جانے سب لوگ کہاں چلے گئے تھے، کہ کوئی دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ اویس کی آنکھوں کے سامنے مس عطیہ کا چہرہ بار بار آ رہا تھا۔

مجبوراً اویس کار ڈرائیو کرتا ہوا اسے بلڈنگ سے باہر لے گیا۔ اس ہسپتال تک جانے کے لئے ایک دوسرا راستہ بھی تھا، لیکن وہ گھوم کر اُس طرف جاتا تھا۔ جبکہ وکیل صاحب کی حالت ایسی ہوئی جارہی تھی کہ انہیں جلد از جلد ہسپتال پہنچانا بہت ضروری تھا۔ ان کی زندگی بچاتے ہوئے وہ کسی کوتاہی کا مرتکب بھی نہیں ہونا چاہتا تھا۔

عجیب صورت حال تھی کہ ایک کی جان بچانے کے لئے اویس جا رہا تھا جبکہ دوسرے کی جان اس کے ہاتھوں جانے کا خطرہ تھا۔ اس کا دماغ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ وہ کیا کرے..... کیسے اس چوراہے تک نہ جائے۔ کچھ ایسا ہو جائے کہ وکیل صاحب کی طبیعت سنبھل جائے، اور اُسے اس جگہ سے کار واپس لے جانے کا موقع مل جائے۔

”مجھے شدید..... درد..... ہو رہا..... ہے..... پلیز..... تیز چلو۔“ وکیل صاحب نے بہ مشکل کہا۔

ان کی آنکھیں بند تھیں اور شاید وہ اس عمر میں بھی مضبوط قوت ارادی کے مالک تھے کہ انہوں نے اپنے آپ کو سنبھال لے ہوئے تھا۔ اویس نے کار کی رفتار اور بڑھا دی۔ سامنے وہ چوراہا نظر آنے لگا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ اس لئے اُسے دور سے اس طرف مس عطیہ کھڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ بے چین تھا کہ کسی طرح سے مس عطیہ کے ساتھ رابطہ ہو جائے اور وہ اسے مطلع کر سکے کہ وہ اس جگہ پر آگے تو یہاں سے ہٹ جائے۔

گاڑی چلاتے ہوئے اویس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور مس عطیہ کا نمبر ملانے لگا، جونہی اس سے رابطہ ہوا وہ بولا۔

”مس عطیہ..... تم کہاں ہو؟“

”آپ اویس بول رہے ہیں؟“ مس عطیہ نے اویس کی گھبراہٹ کو پوچھا۔  
”ہاں میں اویس بول رہا ہوں آپ اس وقت کہاں ہیں؟“ اویس نے عجلت سے پوچھا۔ لہجہ اس کے چہرے سے مترشح تھی۔

سول ہسپتال کے شعبہ حادثات وارڈ میں مس عطیہ ہسپتال کے کمرے میں بیڈ پر چٹ لیٹی ہوئی تھی۔

اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ ایک ٹانگ فریکچر ہو گئی تھی وہاں پلستر چڑھا ہوا تھا۔ کمر کی ہڈی کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی جسم پر چوٹیں آئی تھیں۔ ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ مس عطیہ کی حالت خطرے سے باہر ہے لیکن علاج معالجے کے لئے اُسے ہسپتال میں ڈاکٹر کے زیر علاج رہنا پڑے گا۔

اولیس نے وکیل صاحب کو ہسپتال پہنچا دیا تھا۔ ان کا علاج شروع ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کیونکہ ان کے فیملی ڈاکٹر تھے ان سے وکیل صاحب کے بیٹے کا فون نمبر لے کر اولیس نے اُسے فون کر کے اطلاع کر دی تھی۔

وکیل صاحب کے بیٹے نے ہسپتال پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ جونہی وکیل صاحب کی فیملی آگئی اولیس کو اس جگہ سے جانے کا موقع مل گیا۔ وہ سیدھا اس ہسپتال میں پہنچ گیا جہاں مس عطیہ زیر علاج تھی۔

اولیس بہت دیر تک اُس کمرے کے باہر کھڑا رہا جہاں مس عطیہ زخمی حالت میں لیٹی ہوئی تھی۔ اُس نے متعدد بار اٹھ کر دروازے میں لگے گھٹسے سے مس عطیہ کو دیکھا، لیکن اس کی اندر جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ حالانکہ وہ اس وقت ہوش میں تھی۔ اس کی فیملی کے افراد وہاں موجود تھے۔ مس عطیہ کے والد صاحب سے جب اولیس نے مصافحہ کیا تھا تو اُس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا تھا کہ جس وقت یہ حادثہ پیش آیا تھا وہ اس وقت وہاں ہی موجود تھا لیکن وہ خود دل کی تکلیف میں مبتلا ایک مریض کو ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بروقت مس عطیہ کی مدد نہیں کر سکا تھا۔ وہ اور مس عطیہ ایک ہی کمپنی میں کام کرتے ہیں۔

”آپ مل لیں..... عطیہ ہوش میں ہے۔“ اچانک مس عطیہ کے والد صاحب اولیس کے پاس جا کر بولے۔ اس وقت کمرے میں صرف مس عطیہ کی والدہ ہی تھیں۔

اولیس نے چونک کر اُن کی طرف دیکھا اور کمرے میں چلا گیا۔ مس عطیہ کو اس حالت میں دیکھ کر اولیس کو شدید دکھ ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ اُسے مسٹر شمک پر بھی غصہ آ رہا تھا کہ جس نے وقت نہ بتا کر ایک معصوم اور اچھی لڑکی کو اس حال میں پہنچا دیا تھا۔ اگر وہ مزید بتا دیتا تو وہ اس حادثے کے قبل ہی مس عطیہ کی مدد کر سکتا تھا۔

”کیسی ہیں آپ؟“ اولیس نے پاس جا کر مس عطیہ سے پوچھا۔

مس عطیہ نے اولیس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا اور اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے خود سوال کر دیا۔ ”آپ کو کیسے پتہ چلا؟“ اس کی آواز خیف تھی۔

”یہ حادثہ میری نگاہوں کے سامنے ہی پیش آیا تھا۔ میں بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔“ اولیس نے جواب دیا۔

”ہاں آپ نے مجھے اس وقت فون بھی کیا تھا لیکن بات پوری نہیں ہوئی تھی۔ ہسپتال میں مجھے آپ لے کر آئے تھے؟“ مس عطیہ نے یاد کرتے ہوئے دریافت کیا۔

”نہیں میں کیونکہ خود ایک مریض لے کر جا رہا تھا اس لئے میں تمہاری عین وقت پر کوئی مدد نہیں کر سکا۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ وہ صاحب دل کی تکلیف میں مبتلا تھے اور میں انہیں ہسپتال لے کر جا رہا تھا۔“ اولیس نے بتایا۔

”اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔ آپ اس وقت خود مشکل میں تھے۔ وہ کون تھے۔“ مس عطیہ کی آواز میں غنودگی تھی۔

”خیر یہ باتیں تو بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ تم بتاؤ تمہاری طبیعت کیسی ہے۔“ اولیس کی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ ایسا لگتا تھا جیسے مس عطیہ پھر نیند کی وادی میں جا رہی تھی۔

”آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ میری ڈاکٹر صاحب سے بات ہوئی ہے۔ فکر اور گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔“ اولیس نے مس عطیہ کو حوصلہ دیا۔

”ڈاکٹر صاحب نے اور کیا میرے بارے میں بتایا ہے آپ کو؟“ مس عطیہ کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور ایسا لگتا تھا جیسے وہ نیند میں سوال کر رہی ہے۔ غنودگی اس پر غالب آرہی تھی۔

”اور یہ کہ آپ جلد گھر چلی جائیں گی۔ آپ آرام کریں میں پھر آؤں گا۔“ اولیس نے ہولے سے کہا اور اس جگہ سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ افسردہ تھا۔

جونہی وہ کمرے سے باہر نکلا وہ چونک پڑا۔ راہداری میں دیوار کے ساتھ جہاں بیٹھنے کے لئے لکڑی کے بچ رکھے ہوئے تھے، وہاں ایک بچہ کچھ لوگوں کے ساتھ مسٹر شمک بھی بیٹھا ہوا تھا۔

پہلے دن سے لے کر اب تک اس کا وہی حلیہ تھا۔ وہ اپنی جگہ یوں براجمان تھا جیسے وہ اپنے خیالوں میں مستغرق اس بات سے بے نیاز ہے کہ اس سے کچھ فاصلے پر اولیس کھڑا اُسے

دیکھ رہا ہے۔

اولیس چلتا ہوا اس کے پاس چلا گیا۔ وہ مسٹر شکم کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بچ پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے پہلے اولیس کی طرف دیکھا اور پھر اس جگہ کی طرف نظر ڈالی جو اس کی دانت میں خالی تھی۔

اولیس اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے برعکس مسٹر شکم نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا تھا بلکہ وہ اپنی ہی سوچوں میں مستغرق تھا۔ اس بچ پر بیٹھا ہوا وہ آدمی حیرت سے کبھی اولیس کی طرف دیکھ رہا تھا اور کبھی اس کی نگاہ بچ کی اس خالی جگہ پر چلی جاتی تھی۔ وہ اس شخص میں تھا کہ یہ شخص اس جگہ کھڑا کیا دیکھ رہا ہے؟

”کچھ مت کہنا۔ کچھ کہو گے تو یہ سب لوگ سمجھیں گے تم پاگل ہو گئے ہو جو دیوار کے ساتھ باتیں کر رہے ہو۔“ مسٹر شکم اپنے مخصوص لہجے میں بولا۔ اولیس کو غصہ آ رہا تھا۔ ”میں تم سے کوئی بات کرنے کے لئے نہیں آیا ہوں۔“

کچھ توقف کے بعد وہ پھر بولا۔ ”میں نے کہا تھا کہ مس عطیہ کو حادثہ پیش آنے والا ہے۔ سرخ کار بھی تمہارے پاس آگئی تھی۔ اسے تم چلا بھی رہے تھے۔ میری بات میں کوئی مغالطہ تو نہیں تھا مسٹر اولیس۔“ وہ کہہ کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

اولیس کا دل چاہا کہ وہ ابھی چیخ کر اپنے دل و دماغ میں سوالوں کے انبار کی بارش اس پر کر دے لیکن اس جگہ بولنا اس کے لئے مناسب نہیں تھا۔ وہ برداشت کر کے چپ رہا اور اس کی طرف دیکھتا رہا۔

”تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو؟“ مسٹر شکم نے اس کی طرف دیکھ کر جیسے اس کے جواب کا انتظار کیا ہو۔ پھر وہ بولا۔ ”یقیناً تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو گے۔ آؤ میرے ساتھ باہر جا کر بات کرتے ہیں۔“

شکم باہر جانے کی طرف چل پڑا۔ اولیس نے بھی اس کے پیچھے قدم اٹھا دیئے۔ ایک دم وہ رک گیا اور اولیس کو بھی رکتا پڑا۔ شکم نے اولیس کی طرف دیکھا۔ ایک نظر دوسری طرف دیکھ کر شکم بولا۔

”میں باہر لان میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ تم اس کمرے کے دروازے کے سامنے جا کر رک جاؤ جہاں مس عطیہ زخمی حالت میں پڑی ہوئی ہے۔ کیونکہ ایک شخص ہاتھ میں اسلحہ لئے بھاگتا ہوا آئے گا اور وہ اس کمرے میں جا کر مس عطیہ کے سر پر ریوالور رکھ سکتا ہے۔ تاکہ

وہ اس کی آڑ میں اس ہسپتال سے باہر جاسکے۔“

”یہ کیا بکواس کر رہے ہو۔“ اولیس نے دھیمے لہجے میں دانت پیسے۔ وہ اس کی بات سن کر چونک پڑا۔

”میری باتوں کو بکواس مت کہو۔ جب وہ بھاگتا ہوا آئے گا تو اس کے پاس کوئی چارہ نہیں ہوگا کہ وہ مس عطیہ کے کمرے میں جا کر اسے ریغال بنالے۔“ شکم کہہ کر اس کی کسی بات کا انتظار کئے بغیر اس جگہ سے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر کی طرف چل پڑا۔

اولیس اس جگہ کھڑا حیرت سے کبھی شکم کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا اور کبھی اس کی نگاہ عطیہ کے کمرے کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ اسے لگا کہ اس ہسپتال میں ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ شکم نے اس سے جان چھڑانے کے لئے یہ بہانہ کیا ہے۔ کون ہو سکتا ہے کہ کوئی اسلحہ تان کر اس طرف بھاگتا ہوا آجائے۔

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مس عطیہ کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ وہ اس کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ عجیب شخصے میں تھا۔

”عطیہ سو رہی ہے۔“ عطیہ کا باپ ایک دم اولیس کو دروازے کے پاس دیکھ کر بچ سے اٹھ کر اس کی طرف بڑھا۔

”میں یونہی ایسے ہی ادھر آ گیا تھا۔ آپ بیٹھیں۔“ اولیس کی نگاہیں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔

”آپ بھی ادھر آ جائیں۔“ عطیہ کے باپ نے کہا۔ ”وہاں بیٹھنے کے لئے جگہ ہے۔“

”ہاں میں بھی آتا ہوں ایک فون کر لوں، میں ہسپتال سے جانے ہی والا تھا۔“ اولیس نے اپنی جیب سے فون نکال کر ایسے ہی نمبر ملانے شروع کر دیئے۔

اولیس اس کمرے کے پاس ٹہلتے ہوئے دائیں بائیں نظر گھما رہا تھا۔ اسے کچھ بھی غیر معمولی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس ہسپتال میں کیسے کوئی ہنگامہ ہو سکتا ہے؟ یہ کوئی بینک تو نہیں ہے کہ کوئی اسلحہ لہراتا ہوا اس طرف آجائے اور ایک ہلچل برپا ہو جائے؟ اولیس اپنے آپ سے سوال کرنے لگا۔

اولیس نے اپنا موبائل فون جیب میں ڈالا اور اس جگہ بے جانے کے لئے جونہی اس نے ایک قدم اٹھایا، ٹھیک اس وقت اس کی نگاہ سامنے داخلی دروازے پر پڑی اور اس کی تھیر نگاہیں اسی جگہ جم گئیں۔

ایک درجن پولیس والوں کی حفاظت میں ایک وہیل چیئر اس طرف آرہی تھی۔ اس وہیل چیئر پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ جس نے قیدیوں والا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بے ہوش ہو۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی لگی ہوئی تھی۔ جس کی زنجیر ساتھ چلتے ہوئے ایک سپاہی کے ہاتھوں میں تھی۔ پولیس اس کے ارد گرد چل رہی تھی۔

اولیس غیر ارادی طور پر کمرے کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ اس کی نگاہیں بدستور اس قیدی کی طرف تھیں۔ جو شاید میڈیکل چیک اپ یا ڈاکٹری سہولت کے لئے یہاں لایا گیا تھا۔

معاویس نے دیکھا کہ ساتھ چلتے ہوئے ایک سپاہی نے اپنی کمر کے ساتھ لٹکے ہوئے ریوالور کے کور کا بٹن کھول دیا۔ اولیس یہ دیکھ کر چونکا۔ اسے لگا جیسے اس قیدی کو سوچی سمجھی اسکیم کے تحت یہاں سے فرار کرانے کی ایک کوشش ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ اس قیدی کو بھگانے کے لئے یہاں کسی بیمار کا بہانہ کر کے لایا گیا ہو۔

اچانک وہ قیدی جو سر جھکا کر بے ہوشی کے عالم میں وہیل چیئر پر بیٹھا ہوا تھا، اپنی جگہ سے اٹھا، اس سپاہی کے ریوالور پر ہاتھ رکھا اور آنا فانا سے نکال کر اپنے ہاتھوں میں لے کر اس سپاہی کی کینٹن پر رکھتے ہوئے دھاڑا۔

”پیچھے ہٹ جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔ ہٹ جاؤ پیچھے۔ ورنہ کوئی نہیں بچے گا۔“ اس کی آواز میں ایسی دہشت تھی کہ اس جگہ خوف سرایت کر گیا۔

ایک دم ایک ہلچل برپا ہو گئی۔ پولیس کے چلتے قدم رک گئے۔ وہ الرٹ ہو کر اسی جگہ کھڑے ہو گئے۔ اس ہسپتال میں موجود لوگ بھی یہ سب دیکھ کر جو جہاں تھا وہ اسی جگہ رک گیا اور جسے وہاں سے دائیں بائیں نکلنے کا موقع مل گیا، اس نے برق رفتاری سے وہ موقع ضائع نہیں کیا۔

”ہٹ جاؤ ایک طرف ہٹ جاؤ۔“ وہ قیدی چیخا۔ وہ اس سپاہی کو دبوچے پیچھے بھی ہٹ رہا تھا۔ اولیس سے وہ کچھ ہی فاصلے پر تھا۔

”تم یہ بے وقوفی مت کرو۔“ جس سپاہی کو اس قیدی نے دبوچا ہوا تھا وہ بولا۔ اولیس نے اس کی مدد کرتے ہوئے اُسے خود دیکھا تھا، اس لئے اس کی یہ بات اسے محض ایک ڈرامہ لگی۔

”بکواس نہیں کرو ورنہ گولی مار دوں گا۔“ قیدی نے درشت لہجے میں اسے کہا۔ ”کھوپڑی اڑا دوں گا۔“

اچانک ایک گولی چلی اور وہ گولی قیدی کے کان سے گزرتی ہوئی پیچھے دیوار میں جا لگی۔ وہ گولی موقع دیکھتے ہوئے ایک سپاہی نے چلائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی وہ سب سپاہی اپنی جگہ چھوڑ کر دائیں بائیں ہو گئے۔ جس کو جو ڈھال ملی وہ اس کے پیچھے ہو گیا اور پوزیشن لے لی۔ ایک گولی اور چلی جو قیدی کی پنڈلی کے گوشت کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ خون اس جگہ پھیلنے لگا، قیدی کے لئے کسی محفوظ جگہ چھپنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس نے سپاہی کو ایک طرف دھکا دیا اور خود پناہ کے لئے اس کمرے کی طرف بڑھا جہاں مس عطیہ زخمی حالت میں دراز تھی۔ اولیس سب کچھ دیکھ رہا تھا۔

قیدی نے دائیں بائیں دیکھا۔ بھاگنے اور چھپنے کے لئے اس نے متلاشی نگاہوں کو گھمایا۔ اس کی نگاہ عطیہ کے کمرے کی طرف گئی۔ اس کمرے میں جا کر پناہ لینے کا سوچتے ہی اس نے اندر جانے کے لئے دروازہ کھولنا چاہا اسی اثنا میں اولیس نے ہمت دکھائی اور اسے قابو کرنے کے لئے اس پر جست لگا دی۔ دونوں ایک ساتھ فرش پر جا گرے۔ قیدی کے ہاتھ سے ریوالور چھوٹ گیا تھا۔ قیدی نے اپنے جسم کو جھکا دیا اور اولیس اس کے جسم سے الگ ہو کر ایک طرف جا گرا۔ اس سے پہلے کہ قیدی اپنی جگہ سے اٹھتا، پولیس بھاگتی ہوئی اس کے سر پر پہنچ گئی اور وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔ قیدی ان کی گرفت میں آچکا تھا۔ جس سپاہی نے اس قیدی کی مدد کرنا چاہی تھی وہ بھی شور مچاتا ہوا اپنے ساتھیوں کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ بلکہ اس کا شور سب سے زیادہ تھا۔

پولیس اس قیدی کو اٹھا کر ڈرینک روم میں لے گئی۔ شاید کسی نے اس واقعے کی اطلاع کر دی تھی۔ پولیس کی نفری اور آگئی۔ سب ڈرینک روم کی طرف بڑھ گئے تھے۔ دائیں بائیں پولیس کے آدمی پھیل گئے تھے۔

اولیس نے کچھ دیر جائزہ لیا اور پھر تیزی سے وہ باہر کی طرف بھاگا۔ ہسپتال کے وسیع لان میں بنے ایک سینٹ کے بچ پر شمشک بیٹھا ہوا تھا۔ وہ دور سے ہی اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

اولیس تیز تیز قدم اٹھا، ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت لان میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ کچھ لیٹے، کچھ کھاپی رہے تھے اور ایسے بھی تھے جو ٹولیوں کی صورت

میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

سب سے پہلے اولیس نے لوگوں کی طرف دیکھا اور ہشک کے ساتھ بچ پر بیٹھ گیا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ تھا۔

”اب کیا کہتے ہو؟“ ہشک نے پوچھا۔

”پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کہا تھا کہ مس عطیہ کو جو کارنکر مارے گی وہ میں چلا رہا ہوں گا۔ پھر اسے دوسری کار نے کیسے نکر ماری؟“ اولیس نے دائیں بائیں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ اس کا لہجہ دھیما تھا اور اس کی کوشش تھی کہ کوئی اسے اکیلا باتیں کرتا ہوا دیکھ نہ لے۔

”عطیہ کے ساتھ حادثہ ہونا تھا اور وہ ہو گیا۔ تم نے کار روک دی ایک دوسری سرخ کار نے اسے نکر ماری۔“ ہشک نے اطمینان سے جواب دیا۔

”لیکن تم نے یہ نہیں بتایا تھا۔“ اولیس بولا۔ ”تم نے مجھے ساری بات کیوں نہیں بتائی تھی۔“

”اب میں نے جو بات بتائی تھی اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟“ ہشک نے سوال کیا۔

”مجھے اس وقت اپنی اس بات کا جواب چاہئے۔“ اولیس نے کہا۔

”چھوڑو ان باتوں کو۔ تم تو اپنی بیوی کو لے کر آنے والے تھے۔ تم جاؤ گے نہیں۔“ ہشک نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”تم نے مجھے پوری بات کیوں نہیں بتائی تھی۔ مجھ سے یہ کیوں چھپایا تھا کہ اسے دوسری کار نکر مارے گی۔“ اولیس کا لہجہ خود بخود تیز ہو گیا۔ اس کا احساس ہوتا ہے ہی اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

”میں نے تمہیں کہا تھا کہ بہت سی باتیں مجھے پتہ چل جاتی ہے لیکن کچھ باتوں کو جاننا میرے لئے ممکن نہیں ہوتا ہے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ میں تمہاری کسی بھی بات پر پوری طرح سے اعتبار نہ کیا کروں۔“ اولیس نے کہا۔

”ابھی جو کچھ میں نے بتایا تھا اس میں تو کوئی ابہام نہیں تھا۔“ ہشک بولا۔ ”اسلحہ تانے ایک آدمی آیا، وہ مس عطیہ کے کمرے کی طرف بڑھا؟ کیا یہ سب ٹھیک ثابت نہیں ہوا۔ اس بارے میں بھی تم کوئی سوال کرنا چاہتے ہو۔“

”تمہاری کون سی بات پوری طرح سے ٹھیک ہوتی ہے اور کون سی نہیں میں کیسے جان سکتا ہوں۔“ اولیس نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔

”مسٹر اولیس ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جاؤ اور اپنی بیوی کو اس شہر میں لے آؤ۔ اپنی زندگی کو خوبصورت بناؤ۔“ ہشک کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ”تم فضول کی باتوں میں زیادہ الجھتے ہو۔“

”تم میری زندگی میں کیا آئے ہو، میرے لئے کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر دیتے ہو۔ تم میرا پیچھا نہیں چھوڑ سکتے۔“ اولیس کے چہرے پر اکتاہٹ عیاں تھی۔

ہشک مسکرایا۔ ”تمہیں تو میرا شکر یہ ادا کرنا چاہئے۔ جو حادثہ تمہاری طرف بڑھ رہا ہوتا ہے وہ میں پہلے بتا دیتا ہوں۔ تجھے ہوشیار کر دیتا ہوں۔ تم میری دوستی کو آفت سمجھ رہے ہو۔“

”تم مجھے پوری بات نہیں بتاتے۔ مجھے اس پر اعتراض ہے۔“ اولیس نے بلاتامل کہا۔

”جتنا پتہ ہوتا ہے وہ میں بتا دیتا ہوں۔ رہی بات پیچھا چھوڑنے کی تو یاد رکھو ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ دوستی کی ہے اور تم سے دوستی نبھاؤں گا۔“ ہشک متانت سے بولا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ایک طرف جانے لگا۔

اولیس بھی اس کے پیچھے چل پڑا لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہشک کی رفتار تیز ہونے لگی اور وہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے اوجھل ہو گیا۔ اچانک وہ اسے کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ اولیس نے متلاشی نگاہوں کو دور تک دوڑایا لیکن وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

”مجھے تمہاری دوستی نہیں چاہئے مسٹر ہشک۔“ اولیس نے کہہ کر اپنے سر کے بالوں میں اپنے ہاتھ کی انگلیاں داخل کیں اور سوچتے ہوئے اسی انداز میں کھڑا ہو گیا۔

☆=====☆

اولیس نے سوچا کہ وہ ہشک سے چھٹکارہ پالے۔ اس کی باتیں اس کے لئے الجھن پیدا کر رہی تھیں۔ جو وہ کہہ دیتا تھا پتہ نہیں وہ کیسے ہو جاتا تھا۔ یہ اس کی اپنی طاقت کا شاخسانہ تھا یا کچھ اور تھا؟ وہ اسے اپنے اشاروں پر بچا رہا تھا کہ واقعی یہ سب کچھ اس کی زندگی کا ایک حصہ تھا؟ اولیس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

اولیس ہسپتال سے نکل کر سیدھا حافظ عبدالقدوس کی طرف چلا گیا۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ وہ ڈیڑھ ماہ کے لئے مختلف ممالک میں اپنے تبلیغی دورے پر چلے گئے ہیں۔ اولیس کو یہ بھی بتایا گیا کہ وہ اس سے ملاقات کرنا چاہتے تھے لیکن اپنی مصروفیات میں وہ اس قدر کھو گئے

تھے کہ انہیں وقت ہی نہیں ملا۔

ایک حافظ عبدالقدوس ہی تھے جو اس کی مدد کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے ہی شکم کو اس کے ساتھ دیکھا تھا۔ ان کے سوا وہ کسی اور سے بات نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی اور سے اس کا اتنا گہرا تعلق تھا۔ لاچار اولیس اس جگہ سے لوٹ گیا۔

☆ ===== ☆ ===== ☆

عام تعطیل تھی۔

اولیس اپنے آبائی شہر، گھروالوں سے ملنے اور عینی کو اپنے ساتھ لانے کے لئے چلا گیا۔ سب گھروالے اس کی ترقی پر بہت خوش تھے۔ عینی کی خوشی ناقابل بیان تھی۔ یہ بات اور بھی پُر مسرت تھی کہ وہ اولیس کے ساتھ چلی جائے گی۔ دونوں کے درمیان حائل دوری ختم ہو جائے گی۔

”ضرورت کا سامان پیک کر لو ہم نے آج شام ہی کو نکلنا ہے۔“ اولیس نے عینی سے

کہا۔

”آج شام ہی کو واپسی ہے؟“ عینی کی آنکھوں میں حیرت تھی۔ ”کل جانے کا پروگرام نہیں تھا کیا؟“

”ہاں آج شام کو ہی واپسی ہے، کیوں کہ کل آفس بھی جانا ہے۔“ اولیس بولا۔

”میں تو یہ سمجھتی تھی کہ تم آفس سے ایک دو دن کی چھٹی لے کر آئے ہو گے۔“ عینی نے

کہا۔

”تم جانتی ہو کہ میں آفس سے چھٹی نہیں لیتا۔ اس لئے آج ہی واپس جانا ہے۔ تم صرف ضروری سامان کپڑے وغیرہ لے لو۔ باقی سامان آہستہ آہستہ آتا رہے گا۔ ویسے بھی فلیٹ میں ہماری ضرورت کی چیزیں موجود ہیں۔“ اولیس نے بتایا۔

”کیا کمپنی تم سے اتنی ہی خوش ہوگئی تھی کہ اس نے فلیٹ کے ساتھ استعمال کی چیزیں بھی دے دیں؟“ عینی نے پوچھا۔

”وہ فلیٹ ہمارے جی ایم صاحب کے زیر استعمال رہا تھا۔ ان کو وہ چیزیں ملی تھیں جو ابھی جوں کی توں ہی موجود ہیں۔“ اولیس نے جواب دیا۔ ”اس سامان کو ہم استعمال کر سکتے ہیں۔“

عینی سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ ”اولیس ایک بات بتاؤ۔“

”پوچھو کیا پوچھنا چاہتی ہو۔“ اولیس نے اس کی طرف دیکھا۔

”کیا میرا دل وہاں لگ جائے گا۔“ عینی نے سوال کیا۔

”دل نہ لگنے والی کون سی بات ہے۔ وہ ایک بڑا شہر ہے۔ گھومنے پھیرنے کے لئے بہت سے مقامات ہیں۔“ اولیس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”تم وہاں بہت خوش ہوگی۔“

”میرا مطلب ان چیزوں سے نہیں ہے۔“ عینی بولی۔

”تو تمہارا مطلب کن چیزوں سے ہے جس کی وجہ سے تمہیں کوئی خدشہ ہے کہ تمہارا دل اس جگہ نہیں لگے گا۔“ اولیس نے سوال کیا۔

”یہاں سب ایک ساتھ رہتے ہیں۔ آنا جانا لگا رہتا ہے۔ ہنسی مذاق ہوتا ہے۔ وہاں فلیٹ میں تو میں اکیلی ہی رہا کروں گی۔ تم آفس چلے جایا کرو گے اور میں کیا کروں گی۔“ عینی نے بتایا۔

”تم میرا انتظار کیا کرو گی۔“ اولیس جلدی سے بولا۔

”اس انتظار کا کیا فائدہ جب کہ مجھے پتہ ہوگا کہ تم آؤ گے شام کو ہی۔“ عینی نے منہ

بنایا۔

”تو پھر تم بھی میرے ساتھ آفس چلی جایا کرنا۔ میں کام کیا کروں گا تم مجھے دیکھتی رہا کرنا۔“ اولیس مسکرایا۔

”یہ کیا بات ہوئی۔“ عینی نے اپنی پیشانی پر آئے بالوں کو جھٹکا دے کر پیچھے کی طرف کیا۔ ”میں تمہیں کام کرتے ہوئے دیکھتی رہوں اور دوسرے مجھے دیکھتے رہیں۔“

”تم فکر نہ کرو۔ میں تمہیں وہاں بور نہیں ہونے دوں گا اور اگر تم نہیں جانا چاہتی ہو تو پھر تم یہیں رک جاؤ۔“ اولیس نے آخری جملہ اداسی سے کہا۔

”کیوں رک جاؤں؟ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ تمہارے بغیر رات اور دن گزار کر مجھے لگتا ہے جیسے میں تنہا کہیں دور صحرا میں رہتی ہوں۔“ عینی اچانک اولیس کو گھورتے ہوئے بولی۔

”لیکن ابھی تو تم کہہ رہی تھی کہ تمہارا وہاں دل کیسے لگے گا۔“ اولیس نے کہا۔ ”اسی لئے میں نے کہا تھا۔“

”وہ تو میں ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔ اب بند کوئی بات پوچھنے بھی نہ۔“ عینی بولی۔

”مجھے کیا پتہ کہ تم بات پوچھ رہی ہو۔ ٹھیک ہے تم اٹھو اور سامان پیک کرو۔ اچھا کیا کہ تم

”فلیٹ کا دروازہ تم کھولو۔“  
”تم سے نہیں کھلتا کیا؟“ یعنی نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ اولیس کی طرف دیکھا۔

”تمہارے مبارک ہاتھوں سے کھلے گا تو برکت رہے گی۔“ اولیس بولا۔ ”آخر تم اس فلیٹ کی مالکین ہو۔ اس سلطنت کی ملکہ ہو۔“

”بادشاہ تو آپ ہونا۔“ یعنی جھٹ سے بولی۔  
”لیکن حکمرانی کا جھنڈا ہم نے آپ کے ہاتھ میں ہی دے رکھا ہے۔ ہم آپ کے سامنے حقیر خادم ہیں۔“ اولیس نے بڑے احترام سے اپنے سر کو کچھ خم کیا۔  
”ڈرامے باز ہو گئے ہو۔“ یعنی مسکرائی۔

”ڈرامے بازی کا سہرا بھی ہم آپ کے ہی سر باندھتے ہیں۔“ اولیس بلا تامل بولا اور  
یعنی نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا تو اولیس نے جلدی سے دروازہ کھولنے کا اشارہ کیا۔  
اللہ کا نام لے کر یعنی نے فلیٹ کے دروازے کا قفل کھولا اور جونہی وہ دروازہ کھول کر  
اندر گئی، وہ حیرت سے فلیٹ کو دیکھنے لگی۔ وہ دیکھتی ہوئی بیڈ روم تک چلی گئی۔ جتنا بھی سامان  
اس فلیٹ میں موجود تھا وہ ان کی ضرورت اور استعمال کے لئے بہت تھا۔ اولیس نے دونوں  
بڑے سوٹ کیس اٹھا کر اندر لے آیا تھا۔  
”یہ تو بہت خوبصورت فلیٹ ہے۔ میرے تصور سے بھی کہیں اچھا ہے۔“ یعنی پُر مسرت  
الجے میں بولی۔

”یہ جگہ تو اب خوبصورت ہوئی ہے۔ پہلے خوبصورت نہیں تھی۔“ اولیس نے کہا۔  
یعنی نے پوچھا۔ ”کیا مطلب۔“ مجھے لانے سے پہلے اس فلیٹ کی صفائی کی ہے۔ بہت  
گند افلیٹ تھا کیا؟“  
”تم آگئی ہونا اس لئے یہ جگہ خوبصورت ہو گئی ہے۔“ اولیس نے ایک بار پھر اس کی  
طرف مسکرا کر وضاحت کی۔

”تم کچھ زیادہ ہی رومانٹک نہیں ہو گئے؟“ یعنی نے سوال کیا۔  
”میں تو پہلے بھی رومان سے بھرا ہوا تھا۔ میرا دل نہیں ہے ایک گلاب کا پھول ہے  
اس کی ہر پنکھڑی میں پیار کا رس بھرا ہوا ہے۔“ اولیس نے اس کے سامنے اپنا سینہ پھیلا کر کسی  
رومانوی ہیرو کی طرح کہا۔

نے مجھ سے پوچھ لیا۔“ اولیس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔  
”سامان کیا کیا بیک کرنا ہے۔“ یعنی نے پوچھا۔  
”مجھے ہی پیک کرلو۔“ اولیس ایک بار پھر مسکرایا۔

”تم کو میں نے بہت پہلے پیک کر لیا ہوا ہے، اپنے دل میں۔“ یعنی نے پیار بھری  
نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”پھر ایسا کرو کہ اپنے اور میرے کپڑے، اور جو دوسرا ضرورت کا سامان ہے وہ سوٹ  
کیس میں رکھ لو۔“ اولیس مسکرایا۔

”کم از کم دو سوٹ کیس ہو جائیں گے۔“ یعنی بولی۔  
”تین بھی ہو جائیں تو کیا ہوگا۔ میں نے کوئی اپنے سر پر لا کر تو نہیں لے کر جانے۔“  
اولیس نے جوابا کہا۔

”سب سے پہلے میں تمہارے کپڑے رکھتی ہوں۔ اس کے بعد اپنا سامان پیک کروں  
گی۔“ یعنی نے کہتے ہوئے اولیس کی طرف دیکھا جو اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ”تم کیا دیکھ  
رہے ہو۔“

”تمہیں دیکھ رہا ہوں۔“ اولیس کی نگاہیں اس کے چہرے جمی ہوئی تھیں۔  
”پہلی بار دیکھ رہے ہو؟“ یعنی نے پوچھا۔  
”نظر بھر کر دیکھ رہا ہوں۔“ اولیس کے لہجے میں پیار تھا۔  
”میں کہیں جا رہی ہوں کیا، جو مجھے نظر بھر کر دیکھ رہے ہو؟“ یعنی کہہ کر شرارت سے  
مسکرائی۔

”تم میرے ساتھ جا رہی ہو۔ تمہارے بغیر گزرے پل کس قدر تنہا تھے۔ اب ہم ایک  
ساتھ رہیں گے۔ پاس پاس۔“ اولیس کی آنکھوں میں یعنی کے لئے پیار تھا۔  
”رومانٹک ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔“ یعنی نے  
کہہ کر مسکرائی اور اسٹور روم کی طرف چل گئی۔

☆=====☆=====☆

شام سے پہلے اولیس اور یعنی اپنے فلیٹ کے دروازے پر کھڑے تھے۔ ان کے پیروں  
میں دو بڑے سوٹ کیس پڑے ہوئے تھے۔ اولیس نے فلیٹ کی چابی نکال کر یعنی کی طرف  
بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میرے بغیر فلمیں زیادہ دیکھتے رہے ہو۔ یادہ ڈرامے دیکھتے رہے ہو جن میں ایک جملہ چار قسطوں میں ادا ہوتا ہے۔“ یعنی نے اس کا جائزہ لیا۔

”دماغ خراب ہے میرا جو میں ایسے ڈرامے دیکھوں۔ جن میں اداکاری کم اور چہرے ہی چہرے زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔“ اولیس نے اپنے کانوں کا ہاتھ لگایا۔

”کچن کہاں ہے؟“ یعنی نے اچانک پوچھا۔

”کسی دراز میں پڑا ہوگا۔“ اولیس نے جلدی سے جواب دیا۔

”کچن کا پوچھ رہی ہوں ماحس کی ڈبہ کا نہیں۔“ یعنی نے وضاحت کی۔

”محترمہ آپ سب سے پہلے کچن ہی دیکھتی ہوئی اس بیڈروم میں آئی تھیں۔“ اولیس نے

کہا۔

”میں نے موضوع بدلنے کے لئے تم سے پوچھا تھا۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے اور میں

کچھ بنانے جا رہی ہوں۔“ یعنی بیڈروم سے جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھی۔

”تم کیا بناؤ گی؟“ اولیس نے پوچھا۔

”جو بھی کچن میں موجود ہوگا، وہ بنالوں گی۔“ یعنی نے کچن کی طرف جاتے ہوئے

جواب دیا۔

”لیکن کچن میں کچھ نہیں ہے۔“ اولیس بولا۔ ”فرتج بھی خالی ہے۔“

”فرتج میں پانی ہے؟“ یعنی نے رک کر سوال کیا۔

”وہ تو بہت ہے۔“ اولیس نے ہاتھ پھیلا کر جواب دیا۔

”وہی دو، چار بوتلیں پی لیتے ہیں۔ بھوک ہی مٹانی ہے۔“ یعنی نے بلا تامل کہا اور پھر

کچن میں چلی گئی۔

”چھوڑو ہم کچھ کھانے کے لئے کہیں باہر جاتے ہیں۔ اس بہانے تم شہر کی سیر بھی کر لو

گی۔“ اولیس نے پیشکش کی۔

”اب کہاں جاؤ گے۔ ابھی تو تم ڈرائیو کرتے ہوئے آئے ہو۔“ یعنی نے کہا۔ ”تھک

گئے ہو گے رہنے دو۔“

”فکر مت کرو۔ میں منہ ہاتھ دھو لوں کھانا کہیں باہر کھاتے ہیں۔“ اولیس کہہ کر ہاتھ روم

کی طرف چلا گیا۔

اولیس شہر کے بہترین غیر ملکی ریستورنٹ میں یعنی کو لے کر چلا گیا۔

اس وقت ریستورنٹ لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی بھی میز خالی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

سامنے کاؤنٹر پر بھی کھانے کا سامان لینے والوں کا رش تھا۔ اولیس نے چاروں طرف دیکھا اور

دونہی ایک میز سے ایک فیملی جانے کے لئے کھڑی ہوئی اولیس جلدی سے یعنی کو لے کر وہاں

چلا گیا۔

یعنی کو اس جگہ بٹھا کر اولیس نے پوچھا۔ ”کیا کھاؤ گی؟“

”جو مرضی لے آؤ۔“ یعنی نے جواب دیا۔

”تم بیٹھو میں لے کر آتا ہوں۔“ اولیس بولا۔

اولیس کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ وہاں رش تھا۔ جونہی اسے کاؤنٹر میں کھڑے ہونے کے

لئے جگہ ملی وہ اس جگہ کھڑا ہو گیا اور آرڈر دینے لگا۔

یعنی کرسی پر بیٹھی آتے جاتے لوگوں اور خواتین کا جائزہ لے رہی تھی اچانک وہ چونک

پڑی۔ ایک شخص اس کی جانب ہاتھ میں گلاب کا پھول لئے اس کی طرف بڑھائے ہوئے تھا۔

یعنی نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کے سر پر نیکنوں کا بنا ہوا بیٹ جما ہوا تھا، وہی بڑھی

ہوئی داڑھی، سانولا رنگ، بلیک ٹی شرٹ، اور اوپر سے اوور کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ شرمک

تھا۔ جس نے اپنے ہاتھ میں پھول پکڑا ہوا تھا۔ یعنی نے اس کا جائزہ لیتے ہی یہ اندازہ لگانے

میں دیر نہیں لگائی کہ وہ بھکاری ہے۔

یعنی نے اس کی طرف دیکھ کر دائیں بائیں دیکھا۔ اولیس کاؤنٹر میں دوسری طرف منہ

کئے کھڑا تھا۔ یعنی کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس بھکاری کو اس ریستورنٹ میں گھسنے کیسے دے دیا۔

بکہ داخلی اور خارجی دروازے پر چوکیدار مستعد کھڑا تھا۔

”معاف کرو۔“ یعنی نے کہا۔

”آپ کو صرف پھول دینے کے لئے آیا ہوں۔ میں بھکاری نہیں ہوں۔“ شرمک اپنی

منصوص آواز میں بولا۔ وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

یعنی نے اُلجھن بھری نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کا دل چاہا کہ وہ ابھی

چوکیدار کو آواز دے کر اس سے یہ سوال کرے کہ یہ بھکاری اندر کیسے آ گیا۔ اولیس ابھی تک اسی

ہلکے کھڑا تھا۔

”تم اندر کیسے آ گئے؟“ یعنی نے ناگوار لہجے میں پوچھا۔



”دروازے سے اندر آیا ہوں۔“ وہ کہہ کر پھر مسکرایا۔

”جاؤ معاف کرو۔“ عینی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

شمک نے وہ پھول اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ ”یہ پھول قبول کریں۔ مجھے اچھا لگے گا۔“

”تم جاتے ہو کہ نہیں۔“ عینی غصے سے بولی۔ میوزک اور لوگوں کے بولنے کی آواز میں

عینی کی آواز کسی کی سماعت تک نہیں گئی۔

شمک نے اپنی نگاہیں اٹھا کر اوئیس کی طرف دیکھا جو کھانے پینے کے سامان کی ٹرے

اٹھا کر اس طرف آنے کے لئے گھوما ہی تھا۔ یک دم اس کی نگاہ شمشک پر پڑی جو کہ عینی کے

پاس کھڑا تھا۔ عینی اس کی طرف دیکھتے ہوئے عجیب الجھن کا شکار تھی۔ اوئیس نے دونوں کی

طرف باری باری دیکھا اور اسے حیرت ہونے لگی کہ عینی کے چہرے سے لگتا ہے کہ جیسے وہ بھی

شمک کو دیکھ رہی ہے۔

اوئیس تیزی سے عینی کی طرف بڑھا۔ اسی اثنا میں شمشک خارجی دروازے کی طرف چل

پڑا۔ اوئیس نے میز پر ٹرے رکھی اور شمشک کو جاتا ہوا دیکھنے لگا۔ جیسے ہی داخلی دروازہ ایک آدمی

کے اندر آنے کے لئے کھلا، اسی دوران شمشک باہر نکل گیا۔

اوئیس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عینی سے اس کے بارے میں سوال کرے کہ چپ

رہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید عینی کو وہ دکھائی نہ دیا ہو۔ اوئیس نے عینی کے سامنے پڑا ہوا پھول

بھی دیکھ لیا تھا۔

”یہ بھکاری اندر کیسے آ گیا؟“ عینی نے اوئیس سے پوچھا تو وہ چونکا۔ اس کا مطلب ہے

کہ وہ عینی کو دکھائی دیا تھا۔ ”یہ پھول یہاں رکھ گیا ہے۔“

”میں تو خود دیکھ کر حیران ہوا ہوں۔“ اوئیس نے کہہ کر پھول اٹھا کر غور سے دیکھا اور

پھر اسے اٹھا کر اپنے کوٹ کی جیب میں رکھ لیا۔

”پتہ نہیں اس ریسٹورنٹ کا تنخواہ پر رکھا ہوا بھکاری ہے۔ تب ہی وہ اندر آ سکا ہوگا۔“

عینی نے اندازہ لگایا۔

”کیا کہہ رہا تھا تم سے۔“ اوئیس نے پوچھا۔

”یہ پھول دے کر کہنے لگا کہ مجھے اچھا لگے گا۔ مجھے کتنا برا لگ رہا تھا اس کا اندازہ نہیں

تھا اسے۔“ عینی برا سامنہ بنا کر بولی۔

”تم نے کیا کہا۔“ اوئیس نے پوچھا

”میں نے کہا کہ معاف کرو اور کیا کہتی کہ میرے میاں کھانے کا سامان لینے لئے گئے

ہیں کھا کر ہی جانا۔“ عینی نے کہا۔

”خیر چھوڑو اور کھاؤ۔“ اوئیس نے اس بات کو ختم کرنا چاہا۔

”اس کی شکایت ہونی چاہئے۔ پتہ تو چلے کہ یہ بھکاری آیا کیسے۔“ عینی بضد ہو گئی

”چھوڑو شکایت سے کیا ہوگا۔“ اوئیس اس معاملے کو اسی جگہ ختم کرنا چاہتا تھا۔ وہ جانتا

تھا کہ شمشک کوئی بھکاری نہیں ہے لیکن اسے غصہ بھی آ رہا تھا کہ وہ عینی کے پاس کیوں آیا تھا اور

اس نے اسے پھول کیوں دیا تھا۔

”میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں کھاؤں بعد میں پہلے اس کی شکایت کروں۔“ عینی کو غصہ سا

آ رہا تھا۔

”چھوڑو اس بات کو اور کھاؤ۔“ اوئیس نے ٹرے اپنے اور عینی کے درمیان میں کر لی۔

اوئیس کھاتے ہوئے بھی شمشک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کی متلاشی نگاہیں کئی بار پورے

ہال کا طواف کر چکی تھیں۔

☆=====☆=====☆

اپنے فلیٹ میں پہنچ کر اوئیس باتھ روم میں ہاتھ دھو رہا تھا کہ اچانک اسے خیال آیا کہ جو

پھول شمشک میز پر چھوڑ گیا تھا، اسے نکال کر تو وہ دیکھے کہ اس میں کوئی غیر معمولی بات تو نہیں

ہے۔

اوئیس نے اپنے کوٹ کی جیب سے وہ پھول نکالا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ وہ تروتازہ

گلاب کا پھول تھا۔ اس کی ایک ایک پنکھڑی کھلی ہوئی تھی۔ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھے وہ اس کا

جائزہ لے رہا تھا کہ اچانک وہ پھول پھٹنے لگا اور اوئیس کی ہتھیلی سرخ خون سے بھر گئی۔ اوئیس

متوحش نگاہوں سے پھول کو خون میں تبدیل ہوتا ہوا دیکھنے لگا اور پھر اس کی ہتھیلی سے خون ٹپک

کر باتھ روم کے فرش پر گرنے لگا۔

اوئیس یہ سب دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا۔ اس نے جلدی سے سینک کی ٹونٹی چلا کر اپنا ہاتھ پانی

کے نیچے کر دیا۔ اس کا ہاتھ خون سے صاف ہونے لگا۔ جو پانی اس کی ہتھیلی پر پڑنے کے بعد

نیچے گر رہا تھا اس کی رنگت سرخ ہو جاتی تھی۔ سرخ پانی سینک کے پائپ میں داخل ہو رہا تھا۔

جب اوئیس کی ہتھیلی صاف ہو گئی تو اس نے پہلے سینک کو اچھی طرح سے دھویا اور پھر

گے۔“ یعنی بولی۔

”ایک دو ماہ کے بعد۔ موسم بھی اچھا ہو جائے گا۔“ اولیس اٹھ کر خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگا جیسے وہ سوچ رہا ہو کہ وہ کس کام کے لئے اپنی جگہ سے اٹھا ہے۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ ذہنی طور پر یعنی کے سامنے موجود نہیں تھا۔ اس کی سوچ شکم کے دیئے ہوئے پھول اور اس خون کی طرف تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ شکم نے کوئی اشارہ تو نہیں دیا۔

”لوگ آفس سے چھٹی کرنے کے بہانے تلاش کرتے رہتے ہیں ایک تم ہو کہ کام سے دلچسپی ہے، تفریح سے کوئی نہیں ہے۔“ یعنی نے شکوہ کیا۔

”اچھا میں سوچتا ہوں۔“ اولیس نے کہہ کر الماری میں رکھے ہوئے اس موبائل فون کو اٹھا لیا جس پر شکم اس سے رابطہ کیا کرتا تھا۔ وہ موبائل بند تھا۔ اولیس کی نگاہیں اس موبائل فون کی اندھیرے میں ڈوبی ہوئی اسکرین پر تھیں۔

”میں دیکھ رہی ہوں کہ تم یہاں حاضر نہیں ہو۔ کسی کے فون کا انتظار تو نہیں ہے؟“ یعنی نے مشکوک نگاہیں اس پر مرکوز کیں۔

”مجھے کون فون کرے گا۔ تم سے فون پر بات ہو جاتی تھی۔ اب تم یہاں آگئی ہو۔“ اولیس نے کہا۔

”اسی لئے کمرے میں غائب دماغ کی طرح پھر رہے ہو۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے بھی تم حاضر نہیں ہو۔“ یعنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم کہاں جا رہی ہو؟“ اولیس نے پوچھا۔

”اس کمرے سے باہر جا رہی ہوں۔“ یعنی نے بتایا۔

”کمرے سے باہر کیوں جا رہی ہو؟“ اولیس نے سوال کیا۔

”اتنے پریشان ہو کر پوچھ رہے ہو تم اولیس۔ مجھے تمہارے سوال سے لگ رہا ہے جیسے اس کمرے سے باہر جنگل شروع ہو جاتا ہے۔“ یعنی بلاتل بولی۔

اولیس اس کی بات سن کر ہنسا۔ شاید وہ اس لئے ہنسا تھا تاکہ جو پریشانی اس وقت اسے ہے وہ اس پر اپنی ہنسی سے پردہ ڈال سکے۔ اولیس نے یعنی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”بیٹھ جاؤ۔ ہم باتیں کرتے ہیں۔ میں ایسے ہی اپنے دفتر کے ایک کام کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔“ اولیس نے بہانہ کیا۔

”اسی لئے کہتی ہوں کہ آفس سے ایک ماہ کے لئے چھٹیاں لے لو کہیں گھومنے کے لئے

فرش کو خون سے صاف کرنے کے لئے جونہی اس نے دیکھا، فرش بالکل صاف تھا اور خون کا ایک قطرہ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ متحیر نگاہوں سے ہاتھ روم کا فرش دیکھ رہا تھا۔ جہاں ابھی کچھ دیر ہی قبل خون گرا تھا۔

اپنے ہاتھ تو لئے سے خشک کرنے کے بعد اولیس نے ایک بار پھر اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا، جیب بالکل خالی تھی اور خون کا کوئی قطرہ جیب کے اندر نہیں تھا۔ اس کی نگاہیں ہاتھ روم میں گھوم رہی تھیں۔

اولیس استعجاب کی کیفیت میں ہاتھ روم سے باہر نکلا تو یعنی نے اس کا لٹکا ہوا چہرہ اور سوچوں کے گرداب میں ڈوبی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا ہوا؟“

”ہوں؟“ اولیس نے چونک کر سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

”میں نے پوچھا ہے کیا ہوا۔ منہ کیوں لٹکا ہوا ہے؟“ یعنی نے استفسار کیا۔ ”ہاتھ روم میں جاتے ہی کیا پریشانی ہو گئی؟“

”کچھ نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا۔“ اولیس ابھی تک پھول اور اس کا خون میں تبدیل ہو جانے میں الجھا ہوا تھا۔

”تم کہہ رہے ہو کہ کچھ نہیں ہوا لیکن تمہارا چہرہ تو کچھ اور ہی بتا رہا ہے۔“ یعنی کو تشویش ہونے لگی۔

”نہیں تمہیں ایسا لگ رہا ہے۔“ اولیس نے اپنے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ عیاں کی۔

”اولیس ایک بات کہوں۔“ یعنی نے کہا۔

”بات کہنی ہوتی ہے تو تمہیں پوچھنے کی کیا ضرورت ہوتی ہے کہہ دیا کرو۔“ اولیس بولا۔

”تم اپنے آفس سے ایک ماہ کی چھٹیاں لے لو۔“ یعنی نے کہا۔

”کیوں.....؟ ایک ماہ کی چھٹیاں کیوں لے لوں؟“ اولیس نے سوال کیا۔

”مجھے لگتا ہے کہ تم کام کر کے تھک گئے ہو۔ ہم کہیں گھومنے چلیں گے۔ ہمارا ہنسی مون بھی ہو جائے گا۔“ یعنی مسکرائی۔

”ابھی تو نہیں لیکن میرا ارادہ ہے کہ میں آفس سے چھٹیاں لوں۔“ اولیس نے جواب دیا۔

”کب تک ارادہ ہے آفس سے چھٹیاں لینے کا، جب ہم دونوں بوڑھے ہو جائیں

چلتے ہیں۔“ یعنی نے ایک بار پھر کہا۔

”ٹھیک ہے اس بارے میں بھی سوچ لیتا ہوں۔“ اولیس نے فی الحال اس کی اس بات کو ماننا چاہا۔

”اس بات پر سوچنے کے لئے کتنے ماہ درکار ہیں تمہیں؟“ یعنی نے خشک نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔

”جلد ہی سوچ لوں گا۔ تم فکر مت کرو۔“ اولیس کہہ کر ایک بار پھر بناوٹی انداز میں مسکرایا۔

☆=====☆=====☆

اولیس کے اندر کی بے چینی معدوم نہیں ہوئی تھی۔ رات بھی ان ہی خیالوں میں گزر گئی تھی۔ آفس میں کام کرتے ہوئے بھی وہ اس بارے میں سوچتا رہتا تھا کہ خون آلود پھول دینے کا اس کا کوئی مقصد ضرور ہے۔ اس نے کوئی نہ کوئی اشارہ کیا ہے لیکن وہ تب تک اس بات کی تہہ تک نہیں جاسکتا تھا جب تک کہ شمشک اس سے نہ ملتا اور شمشک، یعنی کو پھول دینے کے بعد ایسا غائب ہوا تھا کہ وہ نہ تو اس کے سامنے آیا تھا اور نہ ہی اس کے موبائل پر اس نے مداخلت کیا تھا۔ بیٹری اور سم کارڈ کے بغیر مکمل بند کیا ہوا موبائل اس کی جیب میں رہتا تھا۔

آفس میں کام کرتے ہوئے بھی اس کا دھیان شمشک اور یعنی کی طرف ہی رہا۔ دوپہر کے بعد اچانک اولیس کا ارادہ بن گیا کہ وہ آفس سے ایک ماہ کے لئے چھٹیاں لے لے اور یعنی کو لے کر کسی پُر فضا مقام پر چلا جائے۔ اس کا ذہن بھی تبدیل ہو جائے گا اور ان الجھنوں سے چھٹکارہ بھی مل جائے گا۔

اولیس نے کمپیوٹر پر درخواست لکھی اور جونہی اس نے اپنا سر اٹھایا، شمشک اس کے کیمبن کے باہر کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی اولیس کی نظر اس کے چہرے پر پری، شمشک باہر جانے کے لئے چل پڑا۔

اولیس جلدی سے اپنے کیمبن سے باہر نکل کر تیزی سے شمشک کی طرف لپکا۔ شمشک باہر نکل چکا تھا۔ اولیس اس کے پیچھے ہی باہر نکل آیا۔ شمشک تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اوپر کی منزل کی طرف چل پڑا۔ اوپر والی منزل ابھی زیر تعمیر تھی اور کام رکا ہوا تھا۔ اوپر تہائی تھی۔ شمشک بڑھیاں پھلانگ رہا تھا۔

شمشک اوپر جاتے ہی ایک جگہ رک گیا۔ اولیس اس کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑا تھا۔ شمشک

نے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

”ایک ماہ کی چھٹیاں لے رہے ہو۔ اچھی بات ہے۔ میں خود چاہتا تھا کہ تم آفس سے چھٹیاں لے لو۔“

”تم نے وہ پھول یعنی کو کیوں دیا تھا۔“ اولیس اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

”تمہیں ایک ماہ کی چھٹیاں نہیں ملیں گی۔“ شمشک لا پرواہی سے بولا۔ اولیس اس کی طرف متحیر دیکھنے لگا۔ وہ پھر بولا۔ ”تمہیں ستائیس چھٹیاں ملیں گی۔“

”ستائیس.....؟“ اولیس کے منہ سے نکلا۔

”ہاں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلا کر ایک مسکراہٹ نچھاور کی۔ ”ستائیس دن کی چھٹیاں ہوں گی۔“

”اس پر بعد میں بات کرتے ہیں پہلے تم میرے سوال کا جواب دو.....“ اولیس پھر اپنے سوال کی طرف پلٹا۔

”میں نے اس شہر میں تمہاری بیوی کو پھول پیش کر کے خوش آمدید کہا تھا۔“ شمشک نے اس کی بات کا ٹ دی۔

”وہ پھول خون میں تبدیل ہو گیا تھا۔“ اولیس نے جلدی سے کہا۔

”اچھا؟“ شمشک نے حیرت کا اظہار کیا۔

”تم حیران ایسے ہو رہے ہو جیسے تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے۔“ اولیس نے متانت سے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جمائیں۔

”مجھے تم سے پتہ چل رہا ہے۔ کیونکہ میں تمہارے فلیٹ کے اندر نہیں جاتا ہوں اور نہ ہی کبھی جاؤں گا۔“ شمشک نے جواب دیا۔

”وہ پھول خون میں کیسے بدل گیا، مجھے یہ سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے۔“ اولیس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”مجھے حیرت ہے کہ وہ نازک پھول خون کیسے ہو گیا؟“ شمشک کا چہرہ معنی خیز ہو گیا تھا۔

”ایک نازک پھول خون میں کیسے نہا سکتا ہے۔ اس کی ایک ایک پنکھڑی میں خون کیسے آ جاتا ہے..... مجھے حیرت ہے مسٹر اولیس۔“

”تمہیں سب پتہ ہے تم جان بوجھ کر مجھے نہیں بتا رہے ہو۔“ اولیس کا لہجہ تیز ہو گیا تھا اور الجھن بڑھ گئی تھی۔

☆=====☆=====☆

اپنے کیمین میں آکر اولیس کا دل چاہا کہ وہ چھٹیوں کے لئے لکھی ہوئی درخواست کمپیوٹر میں سے ڈیلیٹ کر دے۔ پھر ناچاہتے ہوئے بھی اُس نے اس کا پرنٹ نکالا اور وہ اٹھ کر اپنے سینئر کے پاس چلا گیا اور درخواست اس کے آگے رکھ دی۔

اس وقت اولیس کا سینئر خوشگوار موڈ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پہلے تو وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا اور ساتھ ہی اس نے چائے بھی منگوائی۔ اس کے بعد اس نے درخواست پر نوٹ لکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہم آپ کو پورے تیس دن کی چھٹیاں نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ہم آپ کی صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ اپنے استعمال میں لانا چاہتے ہیں اور کوشش ہے کہ جودن بھی ہمیں مل جائیں وہ ہمارے لئے بہتر ہیں۔“

”سر آپ تو شرمندہ کر رہے ہیں۔“ اولیس ہولے سے مسکرایا۔  
”میں مسکرا ضرور رہا ہوں لیکن میں بہت سنجیدگی سے بات کر رہا ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”تو کتنی چھٹیاں سر آپ منظور کر رہے ہیں؟“ اولیس نے دریافت کیا۔  
”ستائیس۔“ اس نے یک دم کہا۔

”ستائیس؟“ اولیس کے منہ سے حیرت کے ساتھ نکلا۔  
”ہاں اس سے زیادہ کے ہم متحمل نہیں ہیں۔“ یہ بات بھلے اس کے سنیر نے مذاق میں کہی تھی لیکن ستائیس چھٹیوں کا سن کر اولیس کو شرم کی بات یاد آگئی۔ جس نے کہا تھا کہ اسے پورے ماہ کی چھٹیاں نہیں ملیں گی اور پھر ستائیس کا ہندسہ تو اس کی زندگی کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔  
”کیا پوری تیس چھٹیاں نہیں ہو سکتی ہیں۔“ اولیس نے جیسے استدعا کی ہو اور وہ اس کا چہرہ تیکنے لگا۔

”اب کہیں تو مجھے اپنی افسری دکھانے دیں مسٹر اولیس۔“ وہ کہہ کر زور سے ہنسا۔ اس کا ساتھ اولیس نے بھی دیا۔

کچھ دیر کے بعد اولیس اس کے کمرے سے باہر نکل آیا اور اپنے کیمین میں جا کر سوچنے لگا کہ شرم نے کہا تھا کہ اسے پوری تیس چھٹیاں نہیں ملیں گی۔ اس نے چھٹیاں لے تولی تھیں لیکن ابھی تک یہ نہیں سوچا تھا کہ اس نے کہاں جانا ہے اور ان چھٹیوں میں کیا کرنا ہے۔

”مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھے دوست مانا ہی نہیں ہے۔ تمہارا شک میری ہر بات کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔“

”یہ سچ ہے کہ تمہاری ہر بات کے ساتھ میرا شک جڑ جاتا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ اس لئے کہ تم نے مس عطیہ کے بارے میں مجھے پوری بات نہیں بتائی تھی۔“ اولیس کا بدستور لہجہ تیز تھا۔

شمک اطمینان سے بولا۔ ”اس میں میرا قصور نہیں ہے۔ جتنا میرے علم میں تھا وہ میں نے بتا دیا تھا۔“

”تم میرا پیچھا چھوڑ نہیں سکتے۔“ اولیس نے درشت انداز میں کہا۔  
”اس سے کیا ہوگا مسٹر اولیس؟“ شرم نے اس کی طرف دیکھا۔  
”میری زندگی میں جو ہونا ہوگا وہ ہو جائے گا۔ کم از کم میں پہلے سے ہی ذہنی کوفت سے تو بچا رہوں گا۔“ اولیس بولا۔

”کیا یہ اچھا نہیں ہے میرے پہلے بتا دینے سے تم ہوشیار ہو جاتے ہو اور اپنی طرف بڑھتے ہو۔ نئے حادثے کو روک سکتے ہو۔“ شرم نے نگاہیں دوسری طرف کر لیں۔  
”مس عطیہ کی طرف بڑھتے ہوئے حادثے کو تو میں نہیں روک سکا۔“ اولیس نے بلا تامل کہا۔

”جب تم کرائے پر وہ فلیٹ لے رہے تھے تو میرے بتانے پر تم اگر رک جاتے تو تمہیں وہاں سے فرار کے لئے پائپ کا سہارا نہ لینا پڑتا۔“ شرم نے یاد دلایا۔

”میں تو یہ جانتا ہوں کہ اب تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔“ اولیس اس سے نجات چاہتا تھا۔ ”تم مصیبت کا بتاتے ہو اور اس سے بچنے کا راستہ مجھے نہیں دکھاتے۔“  
”اب یہ ممکن نہیں ہے۔ تم آفس سے چھٹیاں لو۔ جو کہ تمہیں ایک ماہ کی نہیں ملیں گی۔ پھر ملاقات ہوگی۔“ شرم کا لہجہ پہلی بار اتنا سنجیدہ ہوا کہ اولیس بھی اس کی جانب دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔

شمک اسے حیرت میں غوطہ زن چھوڑ کر سامنے کی طرف چلا گیا۔ سامنے کھڑکی کے لئے جگہ چھوڑی ہوئی تھی۔ شرم چلتا ہوا اس میں سے گزرا اور نیچے ایسے گرا جیسے کوئی نیچے کود رہا ہو۔ اولیس یک دم چونکا اور بھاگتا ہوا اس جگہ تک گیا۔ نیچے سڑک پر کہیں بھی شرم دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

دانستہ، نادانستہ اس نے یہ قدم اٹھالیا تھا۔

☆=====☆=====☆

ایکلی یعنی بوریت محسوس کر رہی تھی۔

وہ فلیٹ اس کے اکیلے وجود کے ساتھ بہت ہی بڑا محسوس ہونے لگا تھا۔ ایک کمرے سے نکل کر وہ دوسرے کمرے میں چلی جاتی، وہاں سے نکل کر وہ تیسرے کمرے میں چلی جاتی تھی اور، کبھی وہ ٹیلی وژن آن کر لیتی اور اس کے چینل تیزی سے بدلنے لگتی۔ پھر وہ ٹی وی بند کر کے ٹی وی کا ریموٹ ایک طرف اچھال دیتی، اور سوچنے لگتی کہ وہ کیا کرے۔

یعنی پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اس نے اپنا جائزہ لیا اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے کمرے سے ملحق باتھ روم میں چلی گئی۔

اچانک یعنی کی نگاہ سینک پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ وہی پھول جو اسے ریستورنٹ میں اس بھکاری نے دیا تھا وہ تروتازہ حالت میں پڑا ہوا ہے۔ یعنی کو حیرت ہوئی کہ یہ پھول اس جگہ کیسے آگیا، غالباً وہ تو پھول اسی جگہ چھوڑ آئے تھے۔ پھر اس نے سوچا کہ شاید اولیس ساتھ ہی لے آیا تھا اور اس نے یہاں رکھ دیا ہوگا۔

ایک دم یعنی کو یاد آیا وہ باتھ روم میں اس سے پہلے بھی گئی تھی لیکن اسے تب پھول دکھائی نہیں دیا تھا۔ پھر اچانک یہ پھول اب کہاں سے آگیا؟ وہ پھول کو حیرت اور غور سے دیکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔

یعنی نے جیسے ہی پھول پکڑنا چاہا اس کی انگلی میں کانٹا ایسے لگا جیسے اسے کسی چیز نے کاٹ لیا ہو۔ اس نے منہ سے ”سی“ کی آواز نکالتے ہوئے اپنا ہاتھ تیزی سے پیچھے کھینچ لیا۔ اس کی انگلی سے خون بہنے لگا۔ جس کے چند قطرے باتھ روم کے فرش پر بھی جا پڑے۔ تکلیف کا احساس اسے ہو رہا تھا۔

یعنی نے دیوار کے ساتھ لگے ٹشورول سے ٹشو کھینچا اور اپنی انگلی کے گرد لپیٹ کر باتھ روم سے باہر نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی وہ پھول اپنی جگہ پڑا ہوا موم کی طرح پکھلنے لگا، اور خون کی ایک لے کر سینک میں جانے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ پھول خون میں تبدیل ہو گیا اور سینک کے پائپ میں بہتا گیا اور کچھ دیر کے بعد سینک میں ایک خفیف خون کا نشان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

کمرے میں جا کر یعنی نے ڈریننگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر اپنی انگلی کے گرد سے

ٹشو پیپر اتار ا اور وہ چونک پڑی۔ اس کی انگلی پر کوئی زخم کا نشان نہیں تھا۔ ٹشو پیپر پر بھی خون کا کوئی قطرہ اور نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے یعنی نے ایسے ہی اپنی انگلی کے گرد ٹشو پیپر لپیٹ لیا ہو۔

یعنی متحیر نگاہوں سے اپنی انگلی اور ٹشو کو دیکھے جا رہی تھی جو کہ بالکل صاف تھا۔ یعنی بھاگ کر باتھ روم میں گئی۔ سینک سے وہ پھول بھی غائب تھا۔ جہاں اس کے خون کے قطرے گرے تھے وہ بھی موجود نہیں تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے جو کچھ یعنی نے ابھی دیکھا تھا وہ ایک خواب تھا اور حقیقت اس کے برعکس اس کے سامنے تھی۔

وہ حیرت اور خوف کی تصویر بنی دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ سچ تھا جو ابھی اس کے ساتھ ہوا تھا، یا پھر یہ حقیقت ہے جو وہ دیکھ رہی ہے؟ وہ عجیب محضے میں مبتلا ہو گئی تھی۔

☆=====☆=====☆

واپسی پر جب اس کے ساتھ رونا ہونے والا واقعہ یعنی نے تفصیل سے اولیس کو سنایا تو وہ غور سے سنتا رہا۔ پھول کا خون میں تبدیل ہو جانے کا عمل اس کے ساتھ بھی پیش آچکا تھا۔ جس کا تذکرہ اس نے شک سے بھی کیا تھا اور شک نے اس کا کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا تھا۔ اولیس کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ کھل کر اس کے سامنے کوئی اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔

جب یعنی چپ ہوئی تو اولیس نے اس واقعے کو اس کے ذہن سے محو کرنے کے لئے کہا۔ ”مجھے تو یہ تمہارا وہم لگتا ہے کیونکہ وہ پھول تو میں اسی جگہ چھوڑ آیا تھا۔ وہ ہمارے فلیٹ میں کیسے آ سکتا ہے۔“

”اولیس میں نے تمہیں کوئی خواب نہیں سنایا ہے۔ وہ حقیقت تھی۔“ یعنی نے اپنی بات پر زور دیا۔

”ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہاری انگلی پر کانٹا لگے پھر خون نکلے اور ایک دم خون غائب ہو جائے۔ ایسا نہیں ہو سکتا یعنی۔“ اولیس بولا۔

”تو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں؟“ یعنی نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہیں میری بات پر یقین نہیں ہے؟“

”میری بات کا یہ بھی مطلب نہیں ہے۔ تم میری بات کو سمجھو۔ خیر چھوڑو اس بات کو۔“

میں نے آنس سے چھٹیاں لے لی ہیں۔ کہیں چلتے ہیں۔“ اولیس نے اچانک بات کا رخ گھمایا۔

یعنی گم سم بیٹھی رہی۔ اولیس نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور پوچھا۔ ”کیا ہوا ہے۔ تم چپ کیوں ہو گئی ہو؟“

”جب تمہیں میری بات پر یقین ہی نہیں ہے تو پھر چپ ہی بہتر ہوں۔“ یعنی نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

”مجھے تمہاری بات کا یقین ہے لیکن.....“ اولیس کہتے ہوئے خود ہی چپ ہو گیا۔

”لیکن.....؟“ یعنی نے اس پر اپنی سوالیہ نگاہیں جمائیں۔

”لیکن یہ کہ مجھے بات کا یقین نہیں بھی ہے۔ ممکن ہے کہ ایسا ہو گیا ہو لیکن یہ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ کیسے ہو گیا۔“ اولیس مخمخے میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا لیکن اس کا ذہن اس بات میں الجھا ہوا تھا۔ یہ محض وہ یعنی کو ایسا کہہ رہا تھا ورنہ تو وہ دل ہی دل میں پریشان تھا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

”مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے اس فلیٹ میں کوئی سایہ ہے۔“ یعنی نے چاروں طرف متوحش نگاہوں سے دیکھا۔

”میرے جی ایم رہتے رہے ہیں وہ تو کہیں بھوت کی شکل میں تنگ نہیں کر رہے ہمیں۔“ اولیس مسکرایا۔

”مذاق میں بات مت اڑاؤ۔ تم میری بات کو سیریس نہیں لے رہے ہو اولیس۔“ یعنی نے متانت سے کہا۔

”میں سیریس ہوں۔“ یک دم اولیس سنجیدگی سے بولا۔

”مجھے نہیں لگتا ہے۔“ یعنی نے نفی میں سر ہلایا۔

”چلو تم بتاؤ کہ کیا کریں۔ اس کا کیا حل ہے تمہارے پاس۔“ اولیس نے یعنی کی رائے

جاننا چاہی۔

”مجھے یہ جگہ بھاری لگتی ہے۔ یہاں کوئی ہے۔“ یعنی نے مشکوک نگاہوں کو کمرے میں

دوڑایا۔

”تمہیں ایسا محسوس ہوا ہے کہ یہاں کوئی ہے۔ کوئی تمہارے آس پاس چلتا ہوا تمہیں

محسوس ہوا ہو۔“ اولیس نے پوچھا۔

”ایسا تو نہیں ہوا لیکن اس پھول کے واقعے نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ یہاں ایسا ہے۔“ یعنی بولی۔

”مجھے ستائیس چھٹیاں ملی ہیں.....“ ایک بار پھر اولیس نے موضوع بدلنے کے لئے ایسوں کا تذکرہ کر دیا۔

”ستائیس چھٹیاں؟“ یعنی نے اس کی بات کاٹ کر چونک کر سوال کیا۔ ”یہ کیا بات“

”ہاں..... ستائیس اور یہی بات ہے۔“ اولیس نے معصومیت سے جواب دیا۔

”پورے ایک ماہ کی چھٹیاں کیوں نہیں ملیں۔ تین دن کی چھٹیاں اور دے دیتے تو کیا

اپنی کو نقصان ہو جاتا۔“ یعنی نے اعتراض کیا۔

”بس کچھ ان کا حساب کتاب ہو گا۔“ اولیس نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔ ”خیر یہ بھی

بات ہیں۔ خوب انجوائے کریں گے۔“

یعنی چپ ہو گئی۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ

حیرت سے اپنی جگہ سے اٹھی اور ڈرائیونگ روم میں چلی گئی۔ سامنے سیلف پر لکڑی کا ایک

ٹوپس رکھا ہوا تھا۔ وہ ڈیڑھ فٹ لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا تھا۔ بڑی مہارت سے کسی کاریگر

نے لکڑی تراش کر ستائیس کا ہندسہ لکھا ہوا تھا جس پر سرخ رنگ کیا ہوا تھا۔ وہ سامنے پڑا ہوا

تھا۔

اس سے قبل جب یعنی ڈرائیونگ روم میں آئی تھی تو اس کی نگاہ اس طرف گئی تھی لیکن اس

نے غور نہیں کیا تھا۔ اس کی دانست میں تھا کہ یہ اولیس لایا ہو گا۔ اب جب ستائیس چھٹیوں کا

اس نے ذکر کیا تو اسے یک دم یاد آنے لگا کہ اس نے یہ ہندسہ لکھا ہوا کہاں دیکھا تھا اور پھر

وہ بھاگ کر ڈرائیونگ روم میں چلی گئی۔ اس کے عقب میں اولیس کھڑا تھا۔ اس کی نگاہ بھی اس

ہند سے پڑھی۔

”یہ تم لے کر آئے تھے؟“ یعنی نے پوچھا۔

”نہیں.....“ اولیس کے منہ سے نکلا۔ وہ خود حیرانی سے اس ہند سے کو دیکھ رہا تھا۔

”تو پھر یہ کون لے کر آیا۔ میں نے آج جب دیکھا تھا تو غور نہیں کیا تھا۔“ یعنی کی حیرت

اپنی جگہ موجود تھی۔

اولیس اس ہند سے کے پاس چلا گیا۔ اولیس نے دیکھا کہ ایک طرف پٹی برتھ ڈے،

لکھا ہوا ہے اور دوسری طرف اولیس کا نام بھی موجود ہے۔

”یہ تم نے مجھے وش کیا ہے۔ مجھے سر پر اندر دے رہی ہو؟“ اولیس نے عینی سے پوچھا۔  
”میں نے نہیں لیا یہ اور میں تو یہ بھول ہی گئی تھی کہ آج تمہاری سالگرہ ہے۔“ عینی چونکی۔

”پھر یہ کس نے رکھا ہے یہاں۔“ اولیس بڑبڑایا اور ایک بار پھر اس کا دھیان شکم کی طرف چلا گیا جس نے اس سے پوچھا تھا کہ وہ سالگرہ پر کیا تحفہ لے گا۔ اس نے سوچا کہ یہ اسی نے رکھا ہوگا۔

”اگر تم بھی نہیں لائے تو پھر یہ کون لے کر آیا ہے۔ یہاں کیا ہو رہا ہے اولیس؟“ عینی نے پریشان ہو کر پوچھا۔

اب اولیس ٹالنے کے لئے یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ دراصل وہی یہ لے کر آیا ہے۔ کیونکہ وہ انکار کر چکا تھا۔ شکم ان کی زندگیوں میں پوری طرح سے داخل ہو چکا تھا۔ وہ کیا چاہتا ہے اور اس کے کیا ارادے ہیں، اولیس اس سے بے خبر تھا۔

☆=====☆=====☆

”یہاں شہر میں تم نے کوئی گرل فرینڈ تو نہیں بنائی تھی؟“ عینی نے چائے کا کپ اولیس کی طرف بڑھاتے ہوئے سوال کیا۔

”اس شکم کی وجہ میں پوچھ سکتا ہوں۔“ اولیس نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے کہا۔

”اسی نے یہ تمہاری سالگرہ کے موقع پر رکھ دیا ہو؟“ عینی نے اپنے کپ میں چج گھماتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”فرض کرو میں نے یہاں شہر میں اپنی گرل فرینڈ بنائی ہے اور وہی یہ شوپین لے کر آئی ہے۔ جب وہ لے کر آئی تھی تو میں یہاں نہیں تھا۔ تم تھی۔ تم نے دروازہ کھولا ہوگا۔ اسے چائے پلائی ہوگی۔ اس سے یہ گفت لیا ہوگا۔ اس کا شکریہ ادا کیا ہوگا اور یہ بھی پوچھا ہوگا کہ اگلی ملاقات کب ہوگی کیونکہ تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے مجھے اور کوشش کرنا کہ اگلی ملاقات جلدی ہو، کچھ کرنے کی باتیں رہ گئی ہیں۔“ اولیس بولتا گیا۔

”پھر ایک ہی بات ہے اس فلیٹ میں سایہ ہے اور میں یہاں نہیں رہوں گی۔“ عینی نے فیصلہ سنایا۔

”تمہیں واپس گھر چھوڑ آؤں۔“ اولیس نے پوچھا۔  
”تمہیں بھی یہاں رہنے نہیں دوں گی۔ تم بھی میرے ساتھ ہی چلو گے۔“ عینی نے ”مرا فیصلہ صادر کیا۔“

”نو کری چھوڑ دوں۔“ اولیس نے ایک گھونٹ بھرا۔

”اپنا تبادلہ کرالو۔“ عینی نے منہ بنا کر کہا۔

”اور اگر وہ سایہ ہمارے ساتھ ہی چلا آیا تو؟“ اولیس نے اندیشہ ظاہر کیا۔

”تو دیکھ لیں گے۔“ عینی نے لا پرواہی سے جواب دیا۔

”دیکھنا ہی ہے تو پھر یہاں ہی کیوں نہ اسے دیکھ لیں۔“ اولیس نے کہا۔ ”جو کرنا ہے جو ہونا ہے یہاں سوچتے ہیں۔“

عینی چپ ہو گئی۔ دونوں چائے پینے لگے۔ دونوں کے درمیان خاموشی حائل ہو گئی۔ پھر اس بولا۔

”یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ تم تیاری کرو۔ ہم پہلے اسلام آباد جائیں گے۔ وہاں ہوٹل میں کمرائیں گے۔ وہاں سے ہم کسی طرف بھی گھومنے نکل چلیں گے۔“ اولیس نے اطمینان

کہا۔ ”پہلے ملکہ کو ہسٹری جائیں گے۔ سنا ہے کہ بڑی برف باری ہو رہی ہے وہاں۔“  
”تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں ان باتوں سے نکل کر تفریح کرنی چاہئے۔ کب نکلتا ہے۔“ عینی نے سر جھٹک کر پوچھا۔

”کل میری پہلی چھٹی ہے۔ کل ناشتے کے بعد نکل جاتے ہیں۔“ اولیس نے کہا۔ ”ایک۔“

”میں سامان پیک کرتی ہوں۔“ عینی چائے کے گھونٹ جلدی جلدی لینے لگی۔ اب وہ نہ ہنستا رہی تھی۔

☆=====☆=====☆

اولیس ٹیرس میں چلا گیا تھا۔

عینی اور اولیس نے مل کر سامان پیک کیا تھا۔ پھر عینی کچن میں کچھ پکانے کے لئے چلی گئی۔ اولیس اس طرف آ گیا۔ وہ شکم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ رات ہو چکی تھی۔ اولیس کاٹیں مرکوز کئے خیالوں میں مستغرق تھا۔ اچانک اس کی سماعت میں شکم کی آواز پڑی۔  
”کیا دیکھ رہے ہو؟“

شمک کا لہجہ پُر اسرار ہو گیا تھا۔

”تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ کیا ہوگا۔“ اولیس کی آنکھوں میں خوف کے سائے ڈیرہ جمائے گئے۔

”میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے لیکن میدان میں دوڑتے ہوئے گھوڑے کی طرح یہ دوڑ اپنی ہمت سے تمہیں خود جیتی ہے۔“ شمشک کے چہرے پر متانت تھی۔

”کیا ہوگا۔ مجھے بتاؤ۔“ اولیس مضطرب ہو گیا۔

”میں پہلے کچھ نہیں بتا سکتا۔ یہ تم بھی جانتے ہو۔ جو پتہ تھا وہ بتا دیا۔“ شمشک نے جواب دیا۔

”تم مجھ سے بات کو چھپا جاتے ہو۔ کھل کر نہیں بتاتے۔“ اولیس نے کہا۔ ”مجھے بتاؤ کہ کیا ہونے والا ہے؟“

”اپنا موبائل اپنے پاس رکھنا۔ تمہارا اور میرا رابطہ تیز رفتاری سے رہے گا اور تمہیں اپنے اندر ہمت کو قائم رکھنا ہوگا۔“ شمشک نے ایک بار پھر اس کی بات کو نظر انداز کر کے ہدایت کی۔ ”کیا تم مجھے کچھ بتا نہیں سکتے ہو۔ یہ ستائیس دن میرے لئے کیا لے کر آ رہے ہیں۔“ اولیس کی پریشانی بڑھ رہی تھی۔

”موت یا پھر زندگی۔“ شمشک نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

اولیس کی سانس تیز ہو گئی تھی۔ ”میں کوئی ہنگامہ نہیں چاہتا۔ میں پُر سکون زندگی گزارنا چاہتا ہوں، اور یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”ستائیس دن کے بعد اگر تم بچ گئے تو پھر امن اور سکون ہی سکون ہے۔“ شمشک بولا۔

”کیا ایسا طوفان آنے والا ہے؟ مجھے بتاؤ شمشک تم مجھے کیوں نہیں بتا رہے ہو۔“ اولیس کا بس چلتا تو وہ اس کا سینہ کھول کر اس کے دل پر لکھی عبارت پڑھ لیتا۔

”کیا یہ طوفان کم ہوگا کہ تمہاری بیوی کے ہاتھوں خون ہو جائے گا۔“ شمشک نے یک دم انکشاف کیا۔

”خون.....؟“ یہ سنتے ہی اولیس ڈر گیا۔ وحشت اس کی آنکھوں میں صاف دکھائی دے رہی تھی۔ اس کی سانس اور بھی تیز ہو گئی تھی۔

”وہ قاتلہ بن جائے گی۔ ایک ایسے انسان کا خون کر دے گی کہ جس سے تم دونوں کی

”تم یہاں۔“ اولیس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ شمشک اس سے کچھ فاصلے پیرس کی گرل پر بیٹھا ہوا تھا۔

”میں کہیں بھی جاسکتا ہوں۔“ شمشک نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ”لیکن تم نے کہا تھا کہ تم میرے فلیٹ میں کبھی نہیں داخل ہو سکتے۔“ اولیس نے استیاء دلایا۔

”ہاں لیکن اس وقت جب تم دونوں میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ الگ ہو گے“ میں تمہارے پاس آ سکتا ہوں۔“ شمشک نے جواب دیا۔

”وہ پیس تم نے رکھا تھا؟“ اولیس نے سوال کیا۔

”ہاں۔ تمہاری سالگرہ پر دیا ہے۔“ شمشک نے کہا۔ ”تمہارے فلیٹ میں آیا اور خانہ سے رکھ کر چلا گیا۔“

”اور وہ پھول؟“ اس کے چپ ہوتے ہی اولیس نے پوچھا۔

”وہ بھی میں نے ہی رکھا تھا۔“ شمشک نے اس بار بھی جواب دینے میں تغافل نہیں کیا۔ ”وہ خون آلود کیسے ہو گیا۔“ اولیس نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جمادیں۔

”کیونکہ نازک پھول خون میں نہانے والا ہے۔“ وہ معنی خیز لہجے میں بولا۔

”کون نازک پھول؟“ اولیس چونکا۔

”تم کل سے تفریح کے لئے جا رہے ہو؟“ اس نے اس کی بات کو نظر انداز کر دی۔

”مجھے تمہاری یہ ہی بات اچھی نہیں لگتی کہ تم ایک بات کا جواب نہیں دیتے اور سوال کر دیتے ہو۔“ اولیس کو غصہ آ گیا۔

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا؟“ شمشک کو اس کی بات کو کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

”ہاں جا رہے ہیں۔“ اولیس نے بادل خواستہ جواب دیا۔

”تمہارے لئے یہ ستائیس دن کیا اہمیت کے حامل ہیں تم جانتے ہو۔“ شمشک

متانت سے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔“ اس نے نفی میں سر ہلانے کے بعد بائیں طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

”جان لو کہ یہ ستائیس دن تمہارے زندگی کے کھٹن اور بھاری دن ہیں۔“

تمہارے لئے ایک نئی آزمائش لے کر آئے گا۔ ہر دن کا سورج طلوع ہوگا تب بھی، اور

نہیں۔“



زندگی اجیرن ہو جائے گی۔“ شکم نے مزید بتایا۔

اولیس کی آنکھوں میں خوف مترشح ہو گیا۔ ”وہ ایسا کس طرح سے کرے گی۔ کہاں کرے گی۔ ہم یہ شہر چھوڑ کر نہیں جاتے۔“

”نہیں جاؤ گے تو اور بھی بڑی آفت میں پھنس جاؤ گے۔“ شکم نے بلاتامل جواب دیا۔

”وہ مصیبت کیا ہوگی؟“ اولیس نے دریافت کرنا چاہا۔

”اپنے پاس ایک کیلنڈر رکھ لو مسٹر اولیس اور ہر گز رتا دن کا نٹے جاؤ۔ بس کسی طرح سے آنے والے ستائیس دن گزر جائیں۔“ شکم نے کہا اور اسی گرل پر بیٹھے بیٹھے وہ پیچھے کی طرف الٹ گیا۔ اولیس نے چونک کر اسے نیچے کرتے ہوئے دیکھا لیکن وہ گرتے ہوئے کہیں تحلیل ہو گیا۔ اولیس نئی الجھن اور گھبراہٹ کے ساتھ دل کی دھڑکن تیز کر دینے والے خوف میں مبتلا ہو گیا تھا۔

اسی اثنا میں اس کے سقب میں عینی بھی آگئی تھی۔ حیرت و استعجاب کی کیفیت میں مبتلا اولیس کو نیچے دیکھتے ہوئے عینی نے پوچھا۔

”کچھ گر گیا ہے کیا؟“

”ہیں.....؟“ اولیس نے چونک کر عینی کی طرف دیکھا۔ اولیس کے ماتھے پر پسینہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ عینی کو یہ دیکھ کر تشویش ہوئی۔

”طبیعت ٹھیک ہے اولیس؟“ عینی اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

”ہاں ٹھیک ہوں۔“ اولیس ابھی تک اسی حیرت اور خوف کے عالم میں تھا۔ وہ عینی کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ شکم نے ایک عجیب ہی بات بتا دی تھی۔

”تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے ہو۔ تمہارے ماتھے پر پسینہ بھی آیا ہوا ہے۔ اس سرد موسم میں ماتھے پر یہ پسینہ؟ مجھے پریشانی ہونے لگی ہے۔ کیا بات کیا ہے۔“ عینی نے پوچھا۔

”کھانا تیار ہو گیا ہے کیا؟“ اولیس نے پوچھا۔

”تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟“ عینی نے متانت سے دریافت کیا۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی شاید، مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ یہ اچانک ماتھے پر پسینہ کیوں آ گیا ہے۔“ اولیس کے پاس اس کے کسی سوال کا جواب نہیں تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے اپنا ماتھا صاف کیا اور ٹیرس سے چلا گیا۔ جبکہ عینی اسی جگہ کھڑی سوچتی رہ گئی۔

☆=====☆=====☆

رات کا جانے کون سا پہر تھا اور اولیس اپنے بستر پر لیٹا ہوا جاگ رہا تھا۔ رات کے اس سناٹے میں صرف کلاک کی گھومتی ہوئی سوئی کی آواز آرہی تھی۔ اسے ایک پل کے لئے بھی نیند نہیں آئی تھی۔ وہ یہ ہی سوچے جا رہا تھا کہ عینی کے ہاتھوں کوئی قتل ہو جائے گا اور وہ قاتلہ بن جائے گی۔ وہ نازک پھول جو خون میں تبدیل ہو گیا تھا دراصل شکم نے اس جانب اشارہ کیا تھا۔

اولیس سوچ رہا تھا کہ وہ کون ہوگا جس کا قتل عینی کے ہاتھوں ہوگا اور کیوں ہوگا؟ اگر وہ اس کے ساتھ اس شہر سے نہیں جاتا تو اس سے بھی بڑی آفت اسے اپنے حصار میں لے لے گی۔

ستائیس دن..... ستائیس دنوں میں کیا گل کھلنے والے ہیں، وہ اس بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا تھا۔ اب تک شکم نے اسے جو کچھ بھی بتایا تھا اسے مد نظر رکھتے ہوئے یہ ابہام اولیس اپنے دل میں نہیں پال سکتا تھا کہ شکم کی بات غلط ہوگی۔ یہ سچ ہے کہ شکم کی باتوں میں کچھ تبدیلی ہوتی تھی لیکن اس کی بات غلط نہیں ہوتی تھی۔

کیا میں شکم کے بارے میں عینی کو بھی بتا دوں؟ اچانک اولیس نے سوچا لیکن اس کے لئے شکم نے اسے منع کیا تھا۔ یہ بھی اس نے کہا تھا کہ وقت آنے پر وہ اپنی بیوی کو اس کے بارے میں بتا سکتا ہے۔ اولیس کی دانست میں وہ وقت آ گیا تھا۔ کیونکہ عینی کی طرف ایک بہت بڑی آفت آرہی تھی۔ وہ اس کی بیوی تھی۔ اس کی زندگی کی ہمسفر تھی۔ اب اسے اگر وہ نہیں بتائے گا تو اس کے لئے حالات سے لڑنا مشکل ہو جائے گا۔

اولیس نے فیصلہ کیا کہ وہ ابھی عینی کو سب کچھ بتا دے گا لیکن وہ تو سو رہی ہے۔ اولیس نے سوچا۔ اولیس نے آہستہ سے کروٹ لے کر عینی کی طرف دیکھا تو وہ چونک پڑا کیونکہ عینی کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور وہ پوری طرح سے جاگ رہی تھی۔

”تم جاگ رہی ہو۔“ اولیس نے پوچھا۔

”تم بھی تو جاگ رہے ہو۔“ عینی نے کہا۔

”میرا خیال تھا کہ تم سو رہی ہو۔“ اولیس بولا۔

”لیکن میرا نہیں خیال تھا کہ تمہاری آنکھوں کی پلکوں کو نیند نے چھوا بھی ہو۔“ عینی کے لہجے میں متانت تھی۔

اولیں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ”یعنی میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔“

”یہ میں کئی بار تم سے پوچھ چکی ہوں کہ تم مجھے کچھ بتاؤ۔ جب تم نے بتانے کی بجائے بات گھمانا شروع کر دی تھی تو میں اس انتظار میں چپ ہو گئی کہ شاید تم خود ہی بتا دو۔“ یعنی بھی بیٹھ گئی۔

”جو میں بتانے جا رہا ہوں اس کا یقین کرنا اور اسے فضول بات کہہ کر جھٹلا مت دینا۔“

”تمہاری حالت دیکھ کر لگتا ہے کہ کچھ نہ کچھ بات ضرور ہے۔“ یعنی نے کہا۔

اس کے بعد اولیں نے اپنی اور شمس کی پہلی ملاقات کے بارے میں بتایا اور اس کے بتانے کے بعد جو بھی واقعہ اس کے ساتھ رونما ہوا وہ اس نے عینی پر منکشف کرنے کے بعد اپنی آخری ہونے والی بات چیت سے بھی اسے آگاہ کر دیا۔ یعنی جیسے جیسے اولیں کی باتیں سن رہی تھی اس کی حیرت دو چند ہوتی جا رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی کہانی سن رہی ہے۔ اولیں سب کچھ بتانے کے بعد چپ ہو گیا۔ یعنی اسے ٹکر لکر دیکھے جا رہی تھی۔ پھر اولیں

بولاً۔ ”یہ ساری بات ہے۔“

”مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔“ یعنی کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

”یہ حقیقت ہے۔ ریسٹورنٹ میں تمہیں ملنے والا دراصل کوئی بھکاری نہیں بلکہ وہی شمس

تھا۔“

یہ سن کر یعنی کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ اسے اپنی دھڑکن تیز ہوتی ہوئی محسوس ہونے

لگی۔ ”اولیں مجھے بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ہم ابھی اپنے شہر چلے جائیں۔“

”اس سے کیا ہوگا۔ وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑ دے گا۔“ اولیں نے کہا۔

”ہم کسی عالم صاحب سے رابطہ کرتے ہیں۔“ یعنی فوراً بولی۔

”وہ بات بھی میں تمہیں بتا چکا ہوں۔“ اولیں نے ڈھیلے پن سے کہا۔ ”یعنی ابھی یہ سب

ممکن نہیں ہے۔ ہمارے خاندان میں کبھی کسی کو ایسا واسطہ نہیں پڑا۔ یہ میں ہی ہوں جس سے

شمس ملا لیکن یہ تو وہ واقعات ہیں جو میری زندگی میں رونما ہونے ہی تھے۔ جس کی اطلاع قبل

از وقت مجھے شمس دیتا رہا ہے۔ شمس سے چھٹکارہ پانے کے بارے میں میں نے بھی سوچا تھا

لیکن میری سوچ غلط تھی۔ شمس کے بتانے سے تو میری ایک طرح سے مدد ہو جاتی ہے۔ اب

دیکھو جیسا کہ ہمیں آگے واقعہ پیش آنے والا ہے اور تم کسی کو قتل کرنے والی ہو۔ ہمیں یہ پہلے ہی

پتہ چل گیا ہے۔ ہم اس بارے میں سوچ کر کچھ کر سکتے ہیں۔“

”مجھے تو یہ جان کر ہی الجھن ہو رہی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے جیسے میری رگوں میں خون جم گیا ہے۔“ یعنی نے ایک جھرجھری سی لی۔

”میں نے تمہیں یہ سب اس لئے نہیں بتایا تھا کہ تم ہمت ہار جاؤ یا خوفزدہ ہو جاؤ، بلکہ ہمت قائم رکھو اور مجھے بھی بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے۔“ اولیں بولا۔

”کیا کرنا چاہئے؟“ یعنی نے اُلٹا سوال کر دیا۔ ”کوئی راستہ ہے نہ بچنے کا۔ یہاں اس شہر

میں رہیں گے تو مصیبت اور اگر یہ شہر چھوڑ کر جاتے ہیں تب بھی آفت منہ کھولے کھڑی ہے۔“

اولیں بیڈ سے اٹھ کھڑا ہوا اور مضطربانہ انداز میں ٹہلنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا اور یعنی اپنی

جگہ گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ دونوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

”وہ تمہیں اپنا دوست کہتا ہے۔“ اچانک یعنی نے خاموشی توڑی۔

”ہاں یہ ہی کہتا ہے۔“ اولیں نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

”وہ کیسا دوست ہے کہ جو مصیبت آرہی ہے اس کے بارے میں تو بتا دیتا ہے لیکن اس

کا حل نہیں بتاتا۔“ یعنی نے کہا۔

”ہاں..... میرا یہی شکوہ ہے اس سے کہ وہ اس مصیبت سے بچنے کا کوئی راستہ کیوں نہیں

بتاتا۔“ اولیں نے ہاتھ جھٹکا۔

”مجھے تو لگتا ہے جیسے وہ جان بوجھ کر نہیں بتاتا۔“ یعنی کو غصہ آ گیا۔ اس کے اندر کا

اضطراب اس کے چہرے سے مترشح تھا۔

”میں اس سے کئی بار کہہ چکا ہوں لیکن وہ جو بات کرنا چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ جس کا

جواب دینا نہیں چاہتا وہ اس طرف آتا ہی نہیں ہے۔“ اولیں پھر یعنی کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

”وہ صرف اپنے آپ کو دوست کہتا ہے، لیکن وہ تمہارا دوست نہیں ہے۔“ یعنی نے

دانت پیسے۔

”اب یہ بتاؤ کہ کیا کریں۔ ستائیس دن کیسے گزاریں۔ کہاں جائیں اور کیا کریں۔“

اولیں کی الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

”اگر وہ میرے سامنے آجائے تو میں اس سے پوچھوں کہ تم کیسی دوستی کا دعویٰ کرتے ہو

کہ مصیبت سے نکلنے کا کوئی راستہ ہی نہیں بتاتے۔ کاش وہ میرے سامنے آجائے اور یہ سوال

میں اس سے پوچھوں۔“

ٹھیک اسی وقت جب یعنی نے یہ الفاظ اپنے منہ سے ادا کئے دونوں نے بیک وقت

دہشت زدہ آنکھوں اور خوف میں ڈوبے چہروں کے ساتھ کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا، کیونکہ رات کے اس پہر جب کہ اس فلیٹ میں ان دونوں کے سوا کوئی بھی نہیں تھا۔ ہر دروازہ بند تھا، ان کے بیدروم کے دروازے پر ہلکی دستک ہوئی تھی۔

یعنی سہم کراویس کے ساتھ جاگلی۔ اوایس کی نگاہیں دروازے پر مرکوز تھیں اور وہ خود بھی خوفزدہ تھا۔ اس وقت کون ہے جو دروازے کی دوسری طرف کھڑا دستک دے رہا ہے۔ ایک بار پھر دستک ہوئی۔

اوایس نے ہمت کی اور اپنی جگہ سے اٹھنا چاہا، یعنی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ اوایس نے اشارے سے اسے اسی جگہ بیٹھنے کے لئے کہا اور اٹھ کر دروازے کے پاس چلا گیا۔

”کک..... کون؟“ اوایس نے پوچھا۔

جواب کی بجائے تیسری مرتبہ دستک ہوئی۔ پورے کمرے میں خوف کی ایک لہر سرایت کر گئی تھی۔ یعنی کواپنے دل کی دھڑکن کی آواز ایسے آرہی تھی جیسے اس کے پاس کوئی ڈرم بجا رہا ہو۔ اوایس نے ہمت اور حوصلے سے کام لیا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے نظر پڑتے ہی وہ چونک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے سامنے شمشک کھڑا تھا۔

”کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟“ شمشک نے متانت سے اجازت چاہی۔ اس کا وہی مخصوص لہجہ تھا۔

اوایس نے گردن گھما کر عینی کی طرف دیکھا اور پھر پیچھے ہٹتے ہوئے عینی کے پاس کھڑا ہو گیا۔

”آ جاؤ..... مشر شمشک۔“

اس کی اجازت ملتے ہی شمشک کمرے میں داخل ہو گیا۔ عینی کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ اس کے حملے میں کوئی فرق نہیں تھا۔ سر پر وہی تنکوں کا ہیٹ تھا، بڑھی ہوئی شیو، کالی ٹی شرٹ، اور کوٹ اور پیروں میں پرانے گرد آلود جوتے تھے۔

عینی نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، اس کا خوف کم نہیں ہوا تھا۔ شمشک نے اپنی مخصوص آواز میں کہا۔ ”میں نے سوچا کہ جب میرے بارے میں تم نے اپنی بیوی کو بتایا دیا ہے تو میں تم دونوں سے مل لوں۔“

”تم ہماری باتیں سن رہے تھے؟“ اوایس نے پوچھا۔

”ہاں لیکن اس کمرے سے باہر تھا۔ اپنی بیوی سے کہو کہ وہ مجھ سے خوف نہ کھائے۔ میں

نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ میں تمہیں اور تمہاری بیوی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ میں تمہارا دوست ہوں۔“

اوایس نے عینی کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”یعنی یہ شمشک ہے۔ ڈرنے کی بات نہیں ہے۔“

”مشر اوایس کو مجھ پر شمشک رہا ہے لیکن میں اس کا دوست ہوں۔“ شمشک کہتے ہوئے دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ”اس کی زندگی میں پیش آنے والا واقعہ میں قبل از وقت اسے بتا دیتا ہوں لیکن مشر اوایس اس پر بھی پورا یقین نہیں کرتا ہے۔“

”کیونکہ تم مجھے پوری بات نہیں بتاتے ہو۔ تمہاری بات اُدھوری ہوتی ہے۔ اس لئے میں شمشک میں رہتا ہوں۔“ اوایس نے کہا۔

”ایسا تمہیں لگتا ہے۔ میں یہ پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اتنی ہی بات کرتا ہوں جتنی مجھے پتہ ہوتی ہے۔“ شمشک متانت سے بولا۔

یعنی نے اپنے اندر ہمت پیدا کی۔ وہ بہت حد تک نارمل ہو گئی تھی۔ خوف اس کی نگاہوں سے معدوم ہوتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

”یہ کیسی دوستی ہے..... آ..... آپ آتی ہوئی مصیبت کے بارے میں تو بتا دیتے ہیں لیکن اسے روکنے کا کوئی حل کیوں نہیں بتاتے اور..... اور آپ خود کیوں نہیں کوئی مدد کر سکتے۔“

شمشک کا زرخ عینی کی طرف گھوم گیا اور پھر بولا۔ ”یہ میرے اختیار میں نہیں ہے کہ میں کسی بھی آفت کا کوئی حل بتا سکوں۔ میرے اندر جسمانی طاقت اتنی بھی نہیں ہے کہ میں اس دیوار کو مکہ مار کر گردوں اور میرے پاس کوئی پُر اسرار قوت نہیں ہے کہ اسی جگہ کھڑے کھڑے

میں اپنی آن دیکھی طاقت سے شیشے کا یہ گلاس توڑ سکوں۔ بس میرے پاس کچھ جاننے کی طاقت ہے۔ مشر اوایس کو ستائیں کے ہندسے میں گھومتے ہوئے دیکھا تو اس سے دوستی کرنے کا من چاہا اور میں نے اس کے سامنے دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ کیونکہ ایک مشر اوایس ہی مجھے دکھائی دیا

جو اس عجیب و غریب صورت حال سے دوچار تھا۔“

”تو کسی بھی مصیبت کا سامنا ہمیں اکیلے ہی کرنا ہوگا۔“ عینی نے کہا۔

”ہاں..... میں صرف بتا سکتا ہوں کہ اب کیا ہونے والا ہے۔ یہ مشر اوایس کی ہمت اور تیزی سے استعمال میں لاتے ہوئے دماغ کا کام ہے کہ یہ اس آفت سے بچ نکلنے میں

کامیاب ہو سکے۔“ شمشک بولا۔

”اتنا تو بتا دو کہ عینی کسے قتل کرے گی۔“ اوایس نے سوال کیا۔

”میں نہیں جانتا“ شمس نے صاف نفی میں سر ہلادیا۔

”تم جانتے ہو جان بوجھ کر نہیں بتا رہے ہو“ اولیس بولا۔

”کبھی تو سچ میری بات کا یقین کیا کرو“ شمس نے متانت سے کہا۔

”ہم یہ شہر ہی چھوڑ دیں گے“ اولیس جھلا گیا۔

”قتل تب بھی اس سے ہوگا“ شمس نے بلاتامل کہا۔

”کیا وہی ہوگا جیسے یہ دوسرے شہر میں قتل کرے گی“ اولیس نے چونک کر سوال کیا۔

”وہ نہیں ہوگا کوئی اور ہوگا“ شمس نے نفی میں سر ہلایا۔

”یہاں کون ہوگا؟ کیا یہ تم بتا سکتے ہو؟“ اولیس نے پوچھا۔

”ہاں یہ میں بتا سکتا ہوں کہ وہ کون ہوگا جو اس سے اس شہر میں قتل ہوگا“ شمس نے

اولیس کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے چہرے پر ایسی متانت اس سے قبل اولیس نے نہیں دیکھی تھی۔

”بتاؤ وہ کون ہوگا جو اس شہر میں عینی کے ہاتھوں قتل ہو جائے گا“ اولیس نے پھر

دریافت کیا۔

شمس کی نگاہیں عینی کی طرف چلی گئیں۔ وہ اولیس کی طرف کھوئے ہوئے انداز میں

دیکھ رہی تھی، اور پھر اس کا رخ اولیس کی طرف گھوم گیا اور اس نے پراسرار لہجے میں بتایا۔ ”یہ

ستائیس دن اگر تم نے اپنی بیوی کے ساتھ اس شہر میں گزارے تو عینی کے ہاتھوں قتل ہونے

والے شخص..... تم ہو گے۔“

دونوں نے جونہی یہ سنا پورے کمرے میں ایک سراسیمگی پھیل گئی۔ عینی کی نگاہیں حیرت و

استعجاب سے پھیل گئیں اور اولیس جیسے کچھ بولنا ہی بھول گیا ہو۔ وہ نگاہیں جمائے شمس کی

طرف دیکھے جارہا تھا۔

”یہ کیسے ممکن ہے۔“ عینی کی گھٹی گھٹی آواز نکلی۔

”وقت آنے پر سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے۔ وقت کا رخ موڑنا چاہتے ہو تو یہ شہر کل کا

سورج نکلنے ہی چھوڑ دو۔ یہ تم دونوں کیلئے بہتر ہوگا اور ستائیس دن اس شہر سے دور گزار دو۔

کہیں بھی..... میں ہر پل تم دونوں سے ملتا رہوں گا۔ رابطے میں رہوں گا۔ تمہارے سامنے

میرے آنے کا بھی مقصد یہی تھا، تم دونوں سے میں بہت جلد ملوں گا۔“ شمس کہتا ہوا کمرے

کے دروازے کی طرف جا کر رک گیا۔

”مسٹر..... مسٹر شمس..... تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم بکواس کر رہے ہو۔ میں اپنے

شوہر کو کیسے قتل کر سکتی ہوں۔ مجھے اس سے محبت ہے۔ میں اولیس کے بغیر ایک پل کے لئے

نہیں رہ سکتی۔ اس کے بغیر گزرے ہوئے ایک ایک پل کو میں جانتی ہوں کہ کس قدر اذیت

ناک تھے اور تم کہہ رہے ہو کہ میں اس شہر میں رہتے ہوئے اسے قتل کر دوں گی۔ تم جھوٹے

ہو۔“ عینی پھری ہوئی اس کے سامنے چلی گئی اور تیز لہجے میں بولی۔ ”مجھے تمہاری بات کا یقین

نہیں ہے۔“

شمس نے اطمینان سے اس کی بات سنی اور پھر بولا۔ ”میری بات کا یقین نہیں ہے تو

ٹھیک ہے۔ کل شام کا سورج غروب ہونے تک تم دونوں اس شہر سے مت جاؤ اور پھر جب تم

اپنے شوہر کو مار دو گی تو میری بات یاد کرنا۔“

اس بار اولیس آگے بڑھا۔ ”ہمارے دونوں طرف کھائی ہے۔ عجیب الجھن ہے۔ عجیب

تماشا ہے یہ۔“

”ایک دوست ہونے کے ناطے کہہ رہا ہوں کہ یہ شہر کل جلدی چھوڑ دینا اور وقت کا رخ

بدلنے کی کوشش کرنا۔“ شمس نے کہا اور دونوں کی طرف باری باری دیکھ کر یک دم وہ دروازے

میں تحلیل ہو گیا۔ دونوں دم بخود کھڑے تھے۔

☆=====☆=====☆

سورج نے ابھر کر نئے دن کی نوید دی اور رات کے چھائے ہوئے اندھیرے کو رخصت

کر دیا۔

اولیس اور عینی نے جانے کی تیاری کر لی تھی۔ وہ ناشتہ کر چکے تھے۔ رات ان کی نیند کے

خمار میں اور جاگتے ہوئے گزر گئی تھی۔ عینی پریشان تھی تو اولیس بھی عجیب غمخے میں تھا۔

اولیس نے ایک بیگ میں ضرورت کا سامان لیا، اور چند کپڑوں کے جوڑے لینے کے

بعد باقی پیک کیا ہوا سامان واپس رکھ دیا۔

عینی اُداس اور پریشان تھی۔ اولیس نے اس کے کندھوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے

ہوئے کہا۔ ”پریشان ہونا چھوڑ دو اور ہمت سے کام لو۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ ہم اپنی تقدیر کو

بدلنے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح اُداسی اور لاچارگی کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ جو بھی ہوگا

ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“

”لیکن میں اتنی ہمت کہاں سے لاؤں۔“ عینی نے کہا۔

”تمہارے اندر بہت ہمت ہے۔ تم بہادر ہو۔ اپنے اندر کا خوف باہر نکال دو۔“ اولیس نے حوصلہ دیا۔

یعنی بولی۔ ”میرے لئے شاید یہ ممکن نہیں ہے۔“

”کیا چیز ممکن نہیں ہے یہاں؟ سب کچھ ممکن ہے۔ بس حوصلہ، ہمت اور مضبوط ارادے کی ضرورت ہوتی ہے۔“ اولیس کے لہجے میں اس وقت کوئی پریشانی نہیں تھی۔ اس نے سوچا تھا کہ اس طرح سے پریشان ہونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ جو بھی حالات آئیں گے وہ ان کا مقابلہ کرے گا اور اپنی طرف آتی ہوئی ہر آفت کا رخ موڑ دے گا۔

اولیس نے عینی کو ہر طرح سے حوصلہ دیا۔ اس کے ساتھ ہمت اور بہادری کی ایسی باتیں کیں کہ عینی کے دل و دماغ پر کالے بادلوں کی طرح چھائی ہوئی پریشانی، ڈر اور خوف رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگا۔ وہ اپنے آپ کو پہلے سے بہتر محسوس کرنے لگی۔ دل میں ایسا خیال پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے آپ سے کہنے لگی کہ وہ کسی بھی مصیبت کا مقابلہ کرے گی۔ ایسی آفت اگر اس کی تقدیر میں ہے تو اسے آنا ہی تھا۔ شمع کے قبل از وقت بتانے سے وہ ہوشیاری سے مقابلہ کریں گے۔ اولیس کی باتوں نے اس کا دماغ بہت حد تک خوف اور ڈر سے نکال دیا تھا۔

یعنی بولی۔ ”ٹھیک ہے میں اب پریشان نہیں ہوں گی۔ ہمت سے کام لوں گی اور جو ہوگا دیکھ لوں گی۔ اگر شمع یہ سب نہ بتاتا تو ممکن تھا اس شہر میں.....“ عینی نے اپنی بات مکمل نہیں کی۔

”سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ شمع میرا دوست ہے۔“ اس بار اولیس نے شمع کو دل سے دوست کہا۔

دونوں فلیٹ سے باہر نکلے اور دروازہ لاک کرنے کے بعد اولیس نے فلیٹ کی چابی اپنے پڑوس میں رہنے والے بوڑھے میاں بیوی کو روہ چابی دے دی۔ وہ دونوں اکیلے ہی اس فلیٹ میں رہتے تھے۔ جبکہ ان کے بچے امریکہ میں آباد تھے۔ وہ سال میں چھ ماہ امریکہ میں گزارتے تھے۔ اولیس کی ایک دن اچانک ہی بوڑھے شخص کے ساتھ ملاقات ہو گئی تھی اور دونوں نے ایک جگہ بیٹھ کر ایک گھنٹہ تقریباً ایک دوسرے سے گپ شپ لگائی تھی۔

ٹیکسی کے ذریعے سے دونوں فلائینگ کوچ کے اڈے تک پہنچے۔ اگلی دستیاب کوچ کے ٹکٹ لینے کے بعد دونوں اس میں سوار ہو گئے۔ دونوں کی سیٹیں فرنٹ میں تھیں۔ مقررہ وقت سے کچھ دیر کے بعد وہ کوچ اپنے سفر کے لئے روانہ ہو گئی۔

کوچ شہر کے ہجوم سے نکل کر اس سڑک پر چڑھ دوڑی، کھڑکی کے شیشے سے دیکھتی ہوئی مینی کو لگ رہا تھا جیسے ہر چیز پیچھے کی طرف دوڑ رہی ہے اور وہ اپنے اس روپ کی طرف بڑھ رہی ہے جس کے بارے میں اس نے کبھی قیاس بھی نہیں کیا تھا۔

شہر سے کئی کلومیٹر کا سفر جب طے ہو گیا تو اچانک اولیس کا وہ موبائل فون بول پڑا جس پر شمع رابطہ کیا کرتا تھا۔ اولیس نے جلدی سے اپنی شرٹ کی سامنے والی جیب سے موبائل فون نکالا اور کان سے لگا لیا۔

”سفر ہو رہا ہے؟“ دوسری طرف سے شمع کی آواز ابھری۔

”ہاں ہو رہا ہے۔“ اولیس کو جواب دیتے ہوئے پریشانی ہو رہی تھی۔

”یہاں سے سات کلومیٹر کا سفر مزید ہوگا اور یہ کوچ خراب ہو جائے گی۔ اس کے انجن میں ایک بڑی خرابی پیدا ہو جائے گی اور تم وہاں سے نکل جانا۔ اس جگہ سے انٹر چینج زیادہ دور نہیں ہوگا۔ تم دونوں وہاں چلے جانا۔ رکنا مت۔“

”یہاں رکنے سے کیا ہوگا؟ کسی نئی کوچ میں سوار ہو جائیں گے۔“ اولیس نے کہا۔

”وہاں ایک حادثہ ہونے والا ہے۔“ شمع نے انکشاف کیا۔

”کیا کہہ رہے ہو۔ ہیلو..... ہیلو.....“ اولیس کا لہجہ دھیمّا تھا کہ اس کی آواز کسی اور کے کان تک نہ جائے۔ رابطہ کٹ چکا تھا۔ اولیس نے زیادہ ہیلو..... ہیلو نہیں کیا اور موبائل فون اپنی جیب میں رکھ کر عینی کے کان میں شمع کی بات پہنچا دی۔

ٹھیک سات کلومیٹر کا سفر طے ہوتا ہی کوچ نے ایک جھٹکا لیا اور اس کا انجن بند ہو گیا۔ تمام سوار یاں گھبرا گئی تھیں۔ ڈرائیور نے بند ہوتی ہوئی کوچ کو ایک طرف کر لیا۔ کچھ دور جا کر کوچ رک گئی۔

”اسے کیا ہو گیا؟“ ڈرائیور نے حیرانی سے کہا اور اسے اشارت کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ لگتا تھا جیسے انجن ناکارہ ہو گیا ہے۔ ڈرائیور اور اس کے ساتھی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ مسافر آپس میں چہ گوئیاں کرنے لگے تھے۔ اولیس اور عینی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور جیسے ہی ڈرائیور اور اس کا ساتھی کوچ سے باہر نکلے وہ بھی باہر نکل گئے۔ ان کو دیکھتے ہی باقی سوار یاں بھی اترنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً سب مسافر کوچ سے باہر نکل کر کھڑے ہو گئے۔

ڈرائیور اور اس کا ساتھی انجن دیکھ رہے تھے۔ اولیس نے انٹر چینج کی طرف دیکھا، وہ

سامنے دکھائی دے رہا تھا۔ اولیس نے عینی کو اشارہ کیا اور اس نے اندر جا کر اپنا بیگ اٹھا لیا۔ اندر تین سواریاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اولیس کو اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے ایک نے پوچھا۔

”کیا لمبا کام ہے۔“

”کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔“ اولیس نے مختصر جواب دیا۔

اولیس جیسے ہی کوچ سے باہر نکلا اندر بیٹھے ہوئے باقی مسافر بھی باہر نکل آئے اور کوچ بالکل خالی ہو گئی۔ اس وقت سب کی توجہ ڈرائیور اور اس کے ساتھی کی طرف تھی جو کہ انجن دیکھ رہے تھے۔ بہت سے مسافر کوچ سے ہٹ کر ایک طرف کھڑے ہو گئے تھے۔ ہر ایک کے چہرے پر ناگواری تھی۔

”آؤ ہم چلتے ہیں۔“ اولیس نے عینی کے کان میں سرگوشی کی۔

”کیا ہم ان سب کو بتا نہ دیں کہ یہاں ایک بڑا حادثہ ہونے والا ہے تاکہ یہ لوگ اس محفوظ رہ سکیں۔“ عینی بولی۔

عینی کی بات سن کر اولیس سوچنے لگا۔ ”ہم کیسے بتائیں کہ یہاں حادثہ ہونے والا ہے۔“ اسی اثنا میں ایک تیز رفتار ٹرک بالکل کوچ کی سیدھ میں آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا شخص اونگھ رہا تھا جبکہ اس کا ساتھی ٹرک کے پچھلے حصے میں لیٹا سو رہا تھا۔ ٹرک کی رفتار بہت تیز تھی، اور وہ بڑی تیزی سے اس کوچ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اولیس اور عینی نے بیک وقت اس ٹرک کی طرف دیکھا اور ٹرک کو اس طرح سے اس جانب بڑھتے ہوئے دیکھا تو اولیس چیخا۔

”بچو..... وہ بے قابو ٹرک آرہا ہے۔“

اولیس کے چیختے ہی سب نے اپنی اپنی گردن گھما کر اس ٹرک کی طرف دیکھا۔ ڈرائیور اور اس کا ساتھی بھی اپنا کام چھوڑ کر اس جانب دیکھنے لگے۔ ٹرک کسی آندھی کی طرح کوچ کی طرف آرہا تھا اور وہ بالکل کوچ کی سیدھ میں تھا۔

”اس کے اندر ڈرائیور نہیں بیٹھا ہوا کیا۔“ ڈرائیور خیرت سے بولا۔ ڈرائیور کے ساتھی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک طرف لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔

اولیس نے عینی کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر انٹر چینج کی طرف بھاگا۔ یک دم مسافر منتشر ہونے لگے اور کوچ سے دور ہٹ گئے۔ ڈرائیور ایک طرف کھڑا ہو کر اپنے دونوں بازو ہلاتے ہوئے چیختے لگا۔

”ٹرک ایک طرف ہٹا..... سامنے کوچ کھڑی ہے.....“

ڈرائیور کی چیخ و پکار اسی طرح سے رہ گئی اور تیز رفتار ٹرک پیچھے سے کوچ کے ساتھ ایک دھماکے سے ٹکرایا، اور کوچ کو گھسیٹتا ہوا کافی آگے تک لے گیا۔ ٹرک کے پر نچے اڑ گئے تھے۔ ہر مسافر انگشت بدنداں اس حادثے کو دیکھ رہا تھا۔

☆=====☆=====☆

اولیس اور عینی چلتے ہوئے انٹر چینج سے باہر نکل گئے تھے۔ دونوں اس جگہ زیادہ دیر نہیں رکے تھے۔ جس سڑک پر وہ چل رہے تھے وہ اس شہر کی طرف جاتی تھی۔

”کس قدر دہشت ناک حادثہ تھا۔“ عینی نے چلتے ہوئے ایک جھرجھری سی لی۔

”کوچ میں تو کوئی مسافر نہیں تھا۔ البتہ ٹرک کا ڈرائیور اس کا تو جانے کیا حال ہوا ہوگا۔“ اولیس بولا۔

”جانے آگے اور کیا کیا ہوگا۔“ عینی نے کہا۔

”جو بھی ہوگا تم نے ہمت نہیں چھوڑنی۔ اپنے آپ کو مضبوط رکھنا ہے اور اپنے دماغ میں یہ بات بٹھا لو کہ ہم نے ہر مصیبت کا مقابلہ کرنا ہے۔“ اولیس نے اسے ایک بار پھر تاکید کی۔

یک دم اس کی سماعت سے ایک گرم جوش اور خونگوار خیرت میں ڈوبی آواز ٹکرائی۔

”ار۔“ اولیس تم یہاں؟“

اولیس نے یہ آواز سنتے ہی اس جانب دیکھا۔ سڑک کے ایک طرف پان سگریٹ اور چائے کا کھوکھا تھا۔ وہاں ایک نوجوان کھڑا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اولیس نے اس کی طرف دیکھتے ہی پہچان لیا کہ وہ کاشف تھا۔ دونوں نے ایک ساتھ چار سال کالج میں گزارے تھے۔ دونوں کے درمیان اچھی دوستی تھی اور جب وہ دونوں کالج کو چھوڑ کر اپنی اپنی عملی زندگی کی طرف بڑھے تو دوستی بھی کالج کی یادوں میں مدفن ہو گئی تھی۔ اچانک وہ پھر اولیس کے سامنے کھڑا تھا۔

”ارے کاشف تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“ اولیس اس کی جانب بڑھا اور دونوں بغل گیر ہو گئے۔

”یہاں میری زمین ہے۔ گھر ہے۔ میں اکثر یہاں آتا رہتا ہوں لیکن تم یہاں کیسے؟“ کاشف نے بتایا۔

”دراصل ہم اسلام آباد جا رہے تھے۔ کوچ خراب ہو گئی۔ سب مسافر باہر نکل آئے اور

ایک تیز رفتار ٹرک پیچھے سے اس کوچ کے ساتھ ٹکرا گیا۔“ اولیس نے کہا۔

”اوہ..... یہ ابھی ابھی حادثہ ہوا ہے؟“ کاشف چونکا۔

”ہاں۔ ابھی یہ حادثہ ہوا ہے اور ہم ادھر آ گئے۔“ اولیس نے جواب دیا۔

”سوری..... بھابی کو تو سلام ہی نہیں کیا۔“ نیک دم کاشف نے عینی کی طرف دیکھا اور

مسکرایا۔

”یہ عینی ہے۔ میری بیوی اور یہ کاشف ہے۔ ہم کالج میں ایک ساتھ پڑھا کرتے تھے۔

کئی سال کے بعد پھر سے ملاقات ہو رہی ہے۔“ اولیس نے دونوں کا ایک دوسرے سے

تعارف کرایا۔

”چلو اسی بہانے ملاقات ہو گئی۔ ورنہ یہ کب مجھے آپ سے ملواتا۔“ کاشف نے کہا۔

”تمہارا باپ بزنس میں تھا۔ تم بھی بزنس میں بن گئے۔ بڑے آدمی ہو۔ جانے کہاں

کہاں مصروفیات کا جال بکھرا ہوا ہے تمہارا۔“ اولیس ہنسا۔

”یہ سچ ہے کہ میں بزنس میں بہت مصروف ہوں لیکن اس وقت مجھے یہ خوش ہو رہی ہے

کہ تم مجھے پھر سے مل گئے۔ آؤ چلتے ہیں۔“ کاشف نے پُرسرت لہجے میں کہا۔

”کہاں جانا ہے؟“ اولیس نے پوچھا۔

”یہاں میری کوٹھی ہے۔ نوکر چاکر ہیں۔ وہاں چلتے ہیں۔“ کاشف بولا۔

”ہمارا ارادہ تھا کہ ہم یہاں سے کوئی کوچ وغیرہ پکڑیں اور اپنا سفر ایک بار پھر جاری رکھ

سکیں۔“ اولیس نے کہا۔

”اب ایسے تو نہیں جانے دوں گا۔ چلیں بھابی جی۔“ کاشف انہیں پاس ہی کھڑی اپنی

کار کے پاس لے گیا۔ کاشف نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ اس کے ساتھ اولیس بیٹھ گیا۔

جبکہ عینی پیچھے بیٹھ گئی۔

کار اس شہر کی طرف چل پڑی۔

”اس ملک کے پانچ بڑے شہروں میں میرے کاروباری دفتر ہیں اور پانچ کوٹھیاں بھی

ہیں۔ جس شہر میں ہوتا ہوں وہاں رہائش بھی کرتا ہوں۔ سارا سال میں ان پانچ شہروں میں

گھومتا رہتا ہوں۔ خانہ بدوش کی طرح زندگی ہے میری۔“ کاشف کار چلاتے ہوئے انہیں

بتانے لگا۔

”کاروبار اتنا بڑھا لیا ہے تو پانچ بیویاں بھی تو ہوں گے۔“ اولیس نے مسکراتے ہوئے

اس کی طرف دیکھا۔

اس کی بات سن کر وہ ہنسا۔ ”ارے یار بیوی تو ایک بھی نہیں ہے اور تم پانچ کی بات

کرتے ہو۔“

”پیسہ کمانے کی دھن تمہارے سر پر شروع دن سے ہی سوار تھی۔ پیسہ ہی کماتے جا رہے

ہو اس لئے ایک بھی شادی نہیں کی۔“ اولیس نے کہا۔

”میں بہت سا پیسہ کمانا چاہتا تھا۔ تم جانتے تھے کہ پیسے کی کمی نہیں تھی لیکن میں اپنی محنت

سے کمانا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے باپ اور بھائیوں سے الگ میں نے اپنا کام شروع کیا۔ ایسا

کام جس میں بہت پیسہ ہے۔“ اولیس بولا۔

”ایسا کام مجھے بھی بتاؤ یا رتا کہ میں بھی جلد از جلد بہت پیسے والا بن جاؤں۔“ اولیس

نے ایک نظر عینی کی طرف دیکھا جو ان کی باتوں سے بے نیاز باہر دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں بھی بتا دوں گا۔“ کاشف ہنسنے لگا۔

”اب بھول مت جانا۔“ اولیس نے چھیڑا۔

”ہم ہی بولتے جا رہے ہیں بھابی جی کو بھی تو بولنے کا موقع دو۔“ کاشف نے کہا۔

”بھابی جی آپ بھی تو کچھ بولیں۔“

”میں آپ دونوں کی سن رہی ہوں۔“ عینی چوکی۔

”ہم تو ایسے ہی بے پُر کی اڑا رہے ہیں۔ آپ پہلے اس شہر میں آئی ہیں کیا۔“ کاشف

نے سوال کیا۔

”نہیں..... میں اس شہر میں پہلی بار آئی ہوں اور وہ بھی اس حادثے کی وجہ سے۔“ عینی

نے جواب دیا۔

”یہ شہر اندر سے بہت خوبصورت ہے۔ میں آپ کو اس کی سیر کراؤں گا۔“ کاشف نے

پیشکش کی۔

”ہم اسلام آباد جا رہے ہیں۔ یہاں گھومنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ اولیس نے

کہا۔

”اسلام آباد گھومنے جا رہے ہوناں۔“ کاشف نے پوچھا۔

”ہاں اسی ارادے سے گھر سے نکلے ہیں۔“ اولیس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”اسلام آباد میں بھی میری ایک کوٹھی ہے۔ وہاں رہنے کا آپ دونوں کو کوئی مسئلہ نہیں

ہوگا۔“ کاشف نے بتایا۔

”یہ تو تم نے ہمارا خرچہ بچانے والی بات کی ہے۔“ اولیس ہنسا۔

”تم میری گاڑی میں چلے جانا۔ کہو تو ساتھ ڈرائیور بھی بھیج دوں گا۔“ کاشف نے ایک

دریادلی اور دکھائی۔

”بس اتنا ہی بہت ہے۔ ہم کوچ میں سفر کرنا چاہیں گے۔“ اولیس بولا۔

”جیسے تمہاری مرضی۔ یہ لو میری کوٹھی آگئی۔“ کاشف نے کار ایک کوٹھی کے آہنی گیٹ

کے سامنے کھڑی کر کے ہارن دیا۔ اولیس نے باہر سے کوٹھی کا جائزہ لیا۔ پھر اس کی نگاہ کوٹھی

کے گیٹ کے ساتھ لگی تختی پر چلی گئی جہاں موٹے حروف میں اتنا ہی لکھا ہوا تھا۔ 27-A

اولیس نے وہاں سے نگاہیں ہٹا کر عینی کی طرف دیکھا وہ بھی اس تختی پر نگاہیں جمائے ہوئے

تھی۔

☆ ===== ☆ ===== ☆

کاشف کی کوٹھی باہر سے ہی نہیں بلکہ اندر سے بھی بہت خوبصورت تھی۔ کوٹھی کے اندر ضرورت کی ہر چیز موجود تھی اور ایسے قرینے سے رکھی ہوئی تھی کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ کاشف کی شادی نہیں ہوئی ہے۔

”ہر چیز کو اپنی جگہ دیکھ کر لگتا ہے کہ اس کوٹھی میں ایک نہیں بلکہ تمہاری چار بیویاں یہاں رہتی ہیں۔“ اولیس ہنسا۔

اس کی بات سن کر کاشف بھی ہنسا۔ ”چار بیویاں تو نہیں رہتی ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے نوکروں کی فوج یہاں موجود رہتی ہے جو کوٹھی کی دیکھ بھال میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی۔“

”بہت زبردست ہے۔“ اولیس نے تعریفی نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔

”بیٹھو..... اور کھانے پینے کے لئے کیا منگو آؤں۔“ کاشف نے اولیس اور پھر عینی کی

طرف دیکھا۔ عینی کی نگاہیں ایک طرف بہت ہی خوبصورت ڈیکوریشن پیس پر مرکوز تھیں۔

کاشف کی نگاہوں نے تعاقب کیا اور اس خوبصورت پیس کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا۔ ”یہ میں

جرمنی سے لایا تھا۔ اچھا ہے ناں بھابی؟“

”بہت ہی خوبصورت ہے۔“ عینی چونکی۔

”اس کا مطلب ہے کہ تم جرمنی بھی گھوم آئے ہو۔“ اولیس بولا۔

”ایک جرمنی ہی کیا امریکہ، جاپان، کینیڈا، سنگاپور، اور لمبی فہرست ہے۔“ کاشف

مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

”اور ایک ہم ہیں کہ اسلام آباد کے لئے نکلے اور وہاں تک نہیں پہنچ پائے۔“ اولیس نے

کہا۔

”تمہاری ملاقات میرے ساتھ ہونی تھی اس لئے تمہاری کوچ کے ساتھ حادثہ پیش



”جب انسان لالچی ہو جائے تو بڑے سے بڑا بزنس مین بھی فقیر کی طرح ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں کشتول آ جاتا ہے اور وہ اسے بھرتے ہوئے سب کچھ بھولنے لگتا ہے۔“

کاشف کسی فلاسفر کی طرح دکھائی دینے لگا۔

”تمہاری بات سے کیا یہ اندازہ لگاؤں کہ تم دولت کماتے کماتے لالچی ہو گئے ہو۔“

اولیس نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

”کس کے دل میں لالچ نہیں ہے۔“ کاشف نے بلاتل کہا۔

”بھائی اپنا گھر بسا نے فکر کرو اور یہ لالچ چھوڑو۔ بہت کمائی دولت۔“ اولیس بولا۔

”چلو تمہاری بات پر بھی سوچ لیتا ہوں۔“ کاشف نے ابھی کہا ہی تھا کہ اس کا موبائل فون بج اٹھا۔ اس نے موبائل فون نکال کر دیکھا اور معذرت کرتا ہوں اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

”اتنا بزنس، اتنی جائیداد اور پھر بھی دل ہے کہ لالچ سے بھر ہی نہیں رہا ہے۔ ویسے یہ کرتے کیا ہیں۔“ اس کے جاتے ہی عینی بولی۔

”یہ تو میں نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ کرتا کیا ہے۔ بس بزنس بزنس کی بات ہو رہی ہے۔“

اولیس نے ایک بار پھر اپنی نگاہیں کمرے میں گھمائیں۔

”ضرور ان کی فیکٹریاں ہوں گی۔ امپورٹ ایکسپورٹ کا کاروبار ہوگا۔“ عینی نے اندازہ لگایا۔

”خیر یہ جو بھی کرتا ہے ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ بس چائے وغیرہ پیئیں گے اور نکلنے کی کریں گے۔“ اولیس نے کہا۔

”تمہارا دوست ہمیں نکلنے دے گا کیا۔“ عینی نے پوچھا۔

”وہ جتنی بھی ضد کرے گا۔ ہمیں بس جانا ہے۔ ہم اور نہیں رک سکتے۔“ اولیس نے کہا۔

”پتہ نہیں وہاں حادثے میں کیا ہوا ہوگا۔“ عینی کو حادثہ یاد آ گیا۔

”یہ تو وہی جان سکتا ہے جو اس وقت وہاں تھا۔“ اولیس نے سر ہلایا۔

دونوں چپ ہو گئے۔ عینی کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ ہر چیز کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ ایسی کوٹھی میں وہ پہلی بار آئی تھی جہاں ایک سے بڑھ کر ایک سجاوٹ کی چیز تھی اور خوبصورتی کا ایسا امتزاج تھا کہ نگاہیں خیرہ رہ جاتی تھیں۔

اولیس دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ تقدیر نے اسے کئی سال کے بعد پھر اچانک کاشف

آگیا۔ آپ دونوں منہ ہاتھ دھولو، بیٹھتے ہیں گپ شپ لگاتے ہیں اور کھاتے پیتے ہیں۔“

کاشف نے کہہ کر اپنے ملازم کو آواز دی جو بھاگتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

”بس ایک ایک کپ چائے کا پی لیں گے۔ ہم نے اپنا سفر پھر شروع کرنا ہے۔“ اولیس بولا۔

”آج کی رات تو آپ دونوں کو میرے پاس رکنا ہی پڑے گا۔“ کاشف نے کہا اور ملازم کو کھانے پینے کا سامان لانے کا حکم دینے لگا۔ ملازم چلا گیا تو اس نے دوسری ملازمہ کو بلا لیا۔

”انہیں اوپر کمرے میں لے جاؤ۔ جہاں یہ فریش ہو جائیں پھر ہم بیٹھتے ہیں۔“ کاشف نے کہا۔

”ہم فریش ہی ہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ اولیس بولا اور عینی کی طرف دیکھنے لگا۔

”تو پھر آؤ اور بیٹھ کر پرانی یادیں تازہ کرتے ہیں لیکن باتیں تو ہم کریں گے بھابی کیا کریں گی۔ ایسا کرتے ہیں ملازمہ کے ساتھ بھابی گھر دیکھ لیتی ہیں۔ کیا خیال ہے۔“ کاشف نے ایک نگاہ پھر عینی کی طرف دیکھا۔

”نہیں میں ٹھیک ہوں آپ باتیں کریں۔ میں پاس ہی بیٹھ جاتی ہوں۔“ عینی فوراً بولی۔ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں ادھر ادھر ہو۔

”ہماری باتیں آپ کو بور کر دیں گی بھابی جی۔“ کاشف مسکرایا۔ ”اس گھر میں میری بیوی ہوتی تو وہ آپ سے باتیں کرتی۔“

”تم نے ابھی تک شادی کیوں نہیں کی؟ تمہارے ارادے کیا ہیں؟“ اولیس نے پوچھا۔

”ایک ہی ارادہ تھا کہ ڈھیر ساری دولت کمائی ہے۔“ کاشف نے جواب دیا۔

”تم نے ڈھیر ساری سے بھی زیادہ دولت کمائی ہے۔ اب کیا مسئلہ ہے۔“ اولیس بولا۔

”جب انسان دولت کمانے لگتا ہے تو اس کا کشتول بھرنے کا نام ہی نہیں لیتا۔ اسے ایسا ہی لگتا ہے کہ وہ ابھی بھی خالی ہے۔ اس لئے وہ اسے ہی بھرتا رہتا ہے۔“ کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کشتول تو فقیروں کے پاس ہوتا ہے۔ بزنس کرنے والوں کے پاس اس کا کیا کام۔“

اولیس نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جمادیں۔

سے کیوں ملوادیا۔ کیا یہاں تو نہیں کوئی گڑبڑ ہونی؟

☆=====☆=====☆

کاشف دوسرے کمرے میں موبائل فون سن رہا تھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا اور وہ پہلے سے بھی زیادہ پرجوش دکھائی دے رہا تھا۔ کاشف کسی سے کہہ رہا تھا۔  
”ہمارا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔“

”کیسے؟“ دوسری طرف سے چونکنے والی آواز آئی۔

”ہم اپنے کام کے لئے کسی اجنبی کے بارے میں سوچ رہے تھے جو ہمارا کام کرے۔ ایک کی بجائے ہمیں دو مل گئے ہیں۔“ کاشف نے خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

”کون ہیں وہ؟“ اس سے پوچھا گیا۔

”دونوں میاں بیوی ہیں۔ اس کا شوہر میرے ساتھ پڑھتا رہا ہے۔ اچانک ہماری ملاقات ہوئی ہے۔“

”وہ ہمارا کام کیسے کریں گے۔“ دوسری طرف سے سوال پوچھا گیا۔

”میں نے سوچ لیا ہے۔“ کاشف بولا۔

”کیا سوچا ہے۔“ فوراً سوال اس کی سماعت سے ٹکرایا۔

”اس کامیابی یعنی کہ میرا دوست یہاں میرے پاس رہے گا اور ہمارا کام کرنے کے لئے اس کی بیوی جائے گی۔“ کاشف نے بتایا۔

”کیسے جائے گی؟“ سوال میں استفسار تھا۔

”اب میں ساری تفصیل فون پر نہیں بتا سکتا۔“

”تو پھر میرے پاس آ جاؤ۔“

”انہیں چھوڑ کر میں کیسے آ سکتا ہوں۔“

”پھر میں تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔ کیونکہ ہمارے پاس وقت کم ہے۔ چند گھنٹے ہی بچے ہیں۔“ دوسری طرف سے کہا گیا۔

”تم آ جاؤ اور ذرا جلدی آنا۔ تب تک میں ان کے ساتھ گپ شپ لگاتے ہوئے چائے پیتا ہوں۔“ کاشف نے تاکید کی اور فون بند ہو گیا۔

کاشف نے فون جیب میں رکھا اور دوبارہ ان کے پاس چلا گیا۔ تب تک میز پر کھانے پینے کا بہت سا سامان لگ چکا تھا۔

”سوری یار..... میرے بزنس پارٹنر کا فون تھا۔ فون سننے میں تھوڑی دیر ہو گئی۔“ کاشف نے آتے ہی معذرت کی۔

”کوئی بات نہیں۔“ اولیس مسکرایا۔

”اتنا کچھ پڑا ہے تم لوگ کھا کیوں نہیں رہے ہو۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے لئے نہیں رکھا ہوا ہے۔“ کاشف نے کیک اٹھالیا۔

”ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔“ اولیس نے ایک پلیٹ اٹھا کر عینی کی طرف بڑھائی۔

”آج تم سے مل کر جو خوشی مجھے ہو رہی ہے اس کا بیان کرنا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔“ کاشف بہت خوش تھا، تینوں مل کر کھانے پینے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرنے لگے۔ یعنی بیچ میں کوئی بات ہو جاتی تو کچھ کہہ دیتی تھی ورنہ وہ چپ ہی رہتی تھی۔

پھر ملازم نے کاشف کو اطلاع دی کہ ان کے دوست اور بزنس پارٹنر آئے ہیں۔ کاشف اٹھ کر چلا گیا۔

☆=====☆=====☆

ڈرائیونگ روم میں ایک نوجوان کھڑا تھا۔

اس نے آنکھوں پر سیاہ چشمہ لگا رکھا تھا۔ کلین شیو چہرہ تھا۔ بال بڑھے ہوئے تھے۔ کالی پینٹ، سفید شرٹ کے ساتھ اس نے براؤن رنگ کا کوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ جو نبی کاشف کمرے میں آیا، اس نوجوان نے اس کی جانب دیکھا۔

”آج تو کمال ہی ہو گیا ہے۔“ کاشف اس کے پاس جاتے ہی بولا۔ اس کا لہجہ دھیمہ تھا۔

”یہی تو پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ یہ کمال کیا ہوا ہے۔“ نوجوان نے متانت سے پوچھا۔

”دیکھو ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم نے جو کام کرنا ہے وہ خود سامنے جا کر نہیں کرنا چاہتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہماری جگہ کوئی دوسرا وہ کام کرنے کے لئے جائے تاکہ اگر کوئی گڑبڑ بھی ہو تو ہم محفوظ رہیں اور وہ مرتا ہے تو مر جائے۔ میرے دوست کا نام اولیس ہے۔ ہم اولیس کو اس گھر میں روک لیں گے اور اس کی کنپٹی پر پستول رکھ دیں۔ اس کے بعد اس کی بیوی عینی کو حکم دیں گے کہ وہ ہمارا کام کرے گی۔ ہم عینی کو یہ بتائیں گے کہ جو نبی وہ ہمارا کام کر دے گی، ہم دونوں

”ان کا غصہ بھی بہت تیز ہے۔ تمہارے تو بڑے بھائی ہیں۔ تمہارا لحاظ کر جاتے ہیں۔“  
کاشف بولا۔

”مجھے بھی تو انہوں نے بھائی کہا ہوا ہے۔“ نو جوان نے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا۔  
”لیکن مجھے ڈر لگتا رہتا ہے۔“

”اٹنے سالوں سے ایک ساتھ کام کر رہے ہیں۔ ڈر نکال دو اپنے دل سے۔“ اس نے  
کہا۔

”آؤ چلتے ہیں۔“ کاشف اسے لے کر باہر نکل گیا۔

☆=====☆=====☆

وہ سب اس کمرے میں موجود تھے۔

کاشف نے اولیس اور یعنی سے اپنے دوست کا تعارف کرایا۔ ”ان سے ملو اولیس یہ ہیں  
میرے برنس پارٹنر اسد چیمہ۔“ پھر وہ اسد کی طرف متوجہ ہوا۔ ”اور یہ ہیں اولیس اور ان کی  
بیوی یعنی۔“

اولیس اور اسد نے ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ اسد کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ اسی طرح  
سے لٹکا ہوا تھا۔ اسد نے پہلے یعنی کا جائزہ لیا اور پھر اولیس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز  
کر دیں۔ وہ چاروں آنسو سانسے بیٹھ گئے۔

کاشف بولا۔ ”اولیس تم نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ میں کیا کاروبار کرتا ہوں۔ سچ یہ ہے  
کہ میں ہر وہ کام کرتا ہوں جہاں سے ہمیں پیسہ ملے۔“ کاشف کا لہجہ یک دم پُر اسرار ہو گیا۔  
”آج بھی ہم ایک بہت بڑی ڈیل کر رہے ہیں۔ اس ڈیل کے لئے ہمیں ایک قربانی کا بکرا  
درکار تھا لیکن مل ہی نہیں رہا تھا۔ اتفاق سے تم دونوں مجھے مل گئے اور میں تم دونوں کو یہاں لے  
آیا۔“

اولیس اس کی بات سن کر چونکا۔ ”کیا مطلب؟“

”اب تو میں کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ سب کچھ صاف صاف کہہ دوں گا۔ میرے باپ اور  
بھائیوں نے بہت سال پہلے مجھ سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ میں بُرے کام کرتا  
ہوں۔ میں کیا برا کام کرتا تھا؟ ذکیٹی، اغوا برائے تاوان اور کاروں کی چوری جیسے کام میں ہی تو  
ملوث ہوں۔ یہ بھی کیا کوئی بُرے کام ہیں؟“ کاشف کہہ کر مسکرایا۔ ”میں نے آج تک کوئی قتل  
نہیں کیا۔“

کو آزاد کر دیں گے۔“ کاشف بتانے لگا۔  
”بعد میں آزاد نہیں کریں گے کیا۔“ نو جوان نے پوچھا۔

”اگر یعنی ہمارا کام ٹھیک طریقے سے کر کے آگئی تو ہم دونوں کو ہی مار دیں گے۔“  
کاشف نے سفاکی سے کہا۔

”ان سے بات کون کرے گا۔“

”میں کروں گا۔“

”ان کے سامنے تمہارا بھید کھل جائے گا۔“

”جب ہم نے ان کو زندہ ہی نہیں رکھنا تو کیا فرق پڑتا ہے۔“ کاشف نے لا پرواہی سے  
کہا۔ ”اور پھر ہمیں اپنے کام سے غرض ہے، دوستی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔“

”آج شام کا وقت ہے۔ پھر ان سے بات کریں۔“ نو جوان بولا۔

”میں تمہیں ان کے سامنے لے جاتا ہوں تم اپنے آدمیوں کو اندر بلا لو۔“ کاشف بے  
چین تھا۔

”اپنے آدمی کو بھیجو باہر گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں وہ اندر آ جائیں۔“ نو جوان نے کہا۔  
”تم کھل کر بات کر لینا۔ چھپانے کی کوئی بات نہیں ہے۔“ کاشف نے ایک بار پھر اس  
سے کہا۔

”تم خود ہی بات کر لینا۔ میں بیٹھا رہوں گا۔ ہم تو اپنے منصوبے کے مطابق کسی نہ کسی  
قربانی کے بکرے کو تلاش کر رہے تھے۔ یہ مل گئے ہیں۔“ نو جوان بولا۔

”بھائی جان سے بات کر لیں۔“ اچانک کاشف نے پوچھا۔

”جب میں نے فون کیا تھا وہ میرے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ باقی بات ان سے  
بات کرنے کے بعد کرتے ہیں۔“ نو جوان نے کہا۔

”ان کی اجازت ہے ناں۔“ کاشف نے تسلی چاہی۔

”اجازت تھی تو ہم اس منصوبے پر کام کر رہے تھے۔ تم گھبراتے بہت ہو۔“ نو جوان  
بولا۔

”کیا کریں بھئی ان سے ڈر ہی بہت لگتا ہے۔“ کاشف مسکرایا۔

”کیوں اس لئے کہ وہ زبان سے زیادہ گولی سے بات کرتے ہیں؟“ نو جوان نے ہاتھ  
کے اشارے سے پستول چلایا۔

اس کی بات سن کر اولیس اور عینی چونکے۔ جبکہ اسد ہولے سے مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں پر سیاہ چشمہ ہونے کی وجہ سے یہ جاننا مشکل تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہا ہے۔

”تمہاری نظر میں یہ برے کام نہیں ہیں؟“ اولیس نے متحیر ہو کر پوچھا۔

”تم ان کو برا سمجھتے ہو؟“ جواب دینے کی بجائے اس نے سوال کر دیا۔

”تمہاری اصلیت یہ ہے۔“ اولیس کو دھوکا ہوا۔

”یہ چھوڑ دو اور آگے کی سنو۔ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔“ کاشف کا لب و لہجہ ہی بدل گیا تھا۔ دوست سے وہ کسی اجنبی کی طرح ہو گیا تھا۔ ایسا تغیر دیکھ کر اولیس کی حیرت دو چند ہو رہی تھی۔

”کچھ بھی کہنے سے پہلے یہ یاد رکھنا کاشف ہم دوست ہیں۔ ایک ساتھ پڑھتے رہے ہیں اور.....“

”دوستی کا ہی تو فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ بہر حال تم میری بات سنو۔“ کاشف نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”ہم نے ایک صنعت کار کو اغوا کیا ہوا ہے۔ آج ہم نے اس کے عوض رقم وصول کرنی ہے۔ ہمارے ڈرانے دھمکانے سے یہ تو اُمید ہے کہ انہوں نے پولیس کو اطلاع نہیں کی ہوگی لیکن پھر بھی ہم بہت محتاط رہنا چاہتے ہیں۔ ہمیں کچھ شک سا ہے۔ آج شام کو ہمارے کہنے پر وہ مقررہ جگہ رقم کا بیگ لے کر آئیں گے جو ہم ایک گھنٹہ قبل انہیں بتائیں گے۔“

اولیس اور عینی اس کی طرف حیران کن نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جبکہ اسد بدستور مسکرا رہا تھا۔

”اولیس تم یہاں رہو گے اور وہ بیگ تمہاری بیوی یعنی وصول کرنے کے لئے جائے گی۔ تاکہ کوئی گڑبڑ ہو تو تمہاری بیوی پھنسے۔ ہم جو اس کے دائیں بائیں ہی ہوں گے ضرورت پڑنے پر محفوظ رہ کر راہ فرار حاصل کر سکیں۔“ کاشف نے اُٹھ کر اولیس سے کہا۔

”یعنی ایسا نہیں کرے گی۔ ہم تمہارے کسی کام میں شامل نہیں ہوں گے۔“ اولیس تیزی سے بولا۔ ”اچھا کیا بہت جلد تم نے اپنا اصل روپ دکھا دیا۔“

”ہمارے پاس وقت ہی نہیں ہے اس لئے بات تو کرنی تھی۔ انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کمرے کے باہر دروازے سے لگ کر ہمارے آدمی کھڑے ہیں۔ تم یہاں ہو گے۔ یعنی ہمارے کہنے پر عمل نہیں کرے گی تو ہماری ایک فون کال پر تمہاری کھوپڑی میں سوراخ

ہو جائے گا۔“ کاشف بولا۔

”کاشف ہمیں جانے دو۔“ اولیس کھڑا ہوا تو ساتھ ہی عینی بھی کھڑی ہو گئی۔

”ادھر ہمارا کام ہوگا اور ادھر تم دونوں کو جانے کی اجازت ہوگی۔ ایک پل کے لئے بھی ہم تم دونوں کو نہیں روکیں گے۔ بس ذرا ہم خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اگر انہوں نے اچھے طریقے سے عینی کو بیگ دے دیا تو ٹھیک ہے اور اگر وہ کسی پلان کے ساتھ آئے اور عینی کو گولی شولی لگ جاتی ہے تو مجھے معاف کر دینا اولیس۔“ کاشف اپنے چہرے پر دکھ کے تاثرات عیاں کرتے ہوئے بولا۔ اسد اس کی بات سن کر مسکرایا۔

”میں یہ کام نہیں کروں گی۔“ عینی چیخی۔

”اولیس کی کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔ وہ بند اس معاملے میں بہت سخت ہے۔“

کاشف نے ڈرایا۔

”تم اپنے دوست کو دھوکہ دے رہے ہو؟“ عینی کو غصہ آ گیا۔

”میں جس دھندے میں ہوں وہاں دھوکہ ہی تو ہوتا ہے اور اب کوئی بات مت کرنا۔ تم دونوں اس کمرے میں اپنے آپ کو قید ہی سمجھو۔ باہر نکلنے کی کوشش مت کرنا۔ اس کمرے کا دروازہ بند ہوگا۔ ہمارے آدمی باہر کھڑے ہیں۔ یاد رکھنا ان کے ہاتھوں میں پھول نہیں اسلحہ ہے..... ہم پھر ملتے ہیں۔“ اس بار کاشف کا لہجہ درشت ہو گیا۔ وہ اولیس کے سامنے ایک دوسرے ہی روپ میں کھڑا تھا۔ پھر اس نے اپنے آدمی سے کہا کہ وہ اولیس کی تلاشی لے لے اور اگر کوئی اسلحہ یا موبائل فون ہے تو وہ اپنے قبضے میں لے لے۔

اولیس کو یک دم خیال آیا کہ اگر وہ موبائل فون بھی ان کے ہاتھ میں چلا گیا تو شکم سے رابطہ ممکن نہیں ہوگا۔ وہ موبائل فون اس کی شرٹ کی سائے والی جیب میں تھا۔

ایک آدمی نے اولیس کی تلاشی لی۔ اس کا موبائل فون نکالا اور وہ موبائل فون بھی اس کی جیب سے نکال لیا جس پر شکم سے رابطہ ہوتا تھا۔

کاشف نے اولیس کا موبائل فون کھولا۔ اس کے اندر سے بیٹری اور سم کارڈ نکالا، پھر اس نے دوسرا موبائل فون کھولا تو اس کے اندر نہ تو سم کارڈ تھا اور نہ ہی بیٹری تھی۔ کاشف نے اس فون کو حیرت سے دیکھا اور مسکرایا۔

”یہ کیا بھی..... یہ کھیلنے کے لئے رکھا ہوا ہے۔“ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک قبہہ لگایا اور دونوں موبائل فون اس کی طرف اُچھال دیئے۔ اس نے وہ موبائل فون بھی بے کار

کر دیا تھا۔

یعنی کی تلاشی اور اس کا بیگ گھر کی ملازمہ نے دوسرے کمرے میں لی تھی۔ وہ اپنے ساتھ موبائل فون لائی ہی نہیں تھی۔ ایک ہینڈ بیگ تھا جس میں چند ضرورت کی چیزیں تھیں۔

اسدا اپنی جگہ سے اٹھا اور اولیس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اطمینان سے بولا۔ ”ایک گھنٹے کا کام ہے۔ بیگ سلامتی سے مل گیا تو تم دونوں آزاد ہو گے۔ یہ کام ٹھیک سے نہیں کرے گی تو مرو گے تم اور جب تم ہی مر جاؤ گے تو یہ کیا کرے گی۔“

اسد کے اطمینان میں لپٹے لپچے میں ایسی سفاکی تھی کہ عینی کی روح کانپ گئی۔ وہ دونوں کو دم بخود چھوڑ کر کمرے سے باہر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔

اولیس اور عینی کیلئے یہ بات بہت ہی زیادہ حیران کن تھی کہ وہ ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں اور اس کے دوست کا شرف بہت جلدی اپنا اصل روپ ان کو دکھا دیا تھا۔

☆=====☆=====☆

شام کے سائے رفتہ رفتہ اندھیرے کی چادر کو آسمان پر پھیلنا رہے تھے۔ پورا شہر روشنی میں نہانے لگا تھا۔ ٹریفک کا بے ہنگم شور اور بھاگتی ہوئی زندگی رواں دواں تھی۔ اس شہر کی فضا ان دونوں کے لئے رفتہ رفتہ بھاری ہو رہی تھی۔

اولیس اور عینی اس کمرے میں بند تھے۔ جب سے وہ ان کو چھوڑ کر گئے تھے اس کمرے کا نہ تو دروازہ کھلا تھا اور نہ ہی انہوں نے باہر جانے کی کوشش کی تھی۔ اولیس بار بار اس فون کو دیکھ رہا تھا جو اس کے جیب میں تھا اور جس پر شکم رابطہ کیا کرتا تھا۔ اولیس کے لئے حیرت کی بات یہ بھی تھی کہ اس نازک موقع پر شکم نے اس سے کوئی رابطہ ہی نہیں کیا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ اولیس کی بے تابی میں دو چند اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ان کے جانے کے بعد اولیس نے دونوں بیٹری اور سم کارڈ کے بغیر موبائل فون بند کر کے اپنی جیب میں ڈال لئے تھے۔

جب وہ اس کمرے میں بند تھا اسے کئی بار ایسا لگتا تھا کہ جیسے ابھی شکم نمودار ہونے والا ہے۔ ابھی وہ اس کے سامنے آئے گا اور کوئی نئی بات بتائے گا۔ آگے کیا ہوگا۔ وہ ان کے علم میں لائے گا لیکن اس کے برعکس وہ تو یوں غائب تھا جیسے اس نے کبھی اس سے رابطہ ہی نہ کیا ہو۔ اسی بات کو سوچتے ہوئے اولیس کو پریشانی کے ساتھ اُلجھن بھی ہو رہی تھی۔

اولیس یہ بھی سوچتا تھا کہ وہ اس سے مل کر کیا کرے گا۔ وہ بے اختیار ہے۔ اس کے پاس

ان دونوں کو یہاں سے نکالنے کی طاقت ہی نہیں ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ اگلی بات ہی ان کو بتا سکتا ہے اور وہ بھی اس وقت جب اس کے علم میں وہ بات آتی ہے۔ جانے وہ اس وقت کہاں ہوگا۔

کمرے میں گہری اُداسی چھائی ہوئی تھی۔ عینی گم صم براجمان تھی۔ اولیس اس کو کئی بار حوصلہ دے چکا تھا لیکن عینی کی پریشانی کم نہیں ہوئی تھی۔ اسے وسوسوں اور اندیشوں کے سانپوں نے گھیر رکھا تھا۔

”مجھے لگتا ہے میرے ہاتھوں قتل ہونے والا تمہارا یہ دوست ہوگا۔“ عینی نے دانت پیسے۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا۔

”دوستی کے نام پر یہ ایسا داغ ہے جو بُرائی کی طرح برا ہے۔“ اولیس نے ایک طرف تھوک دیا۔ ”مجھے اس سے نفرت ہو گئی ہے۔“

”کہاں ہے تمہارا وہ دوست؟ کیوں نہیں آیا اب وہ؟ کوئی نئی بات کیوں نہیں بتا رہا ہے کہ اب کیا ہوگا۔ کیا وہ بھی یہاں کہیں ایک طرف بیٹھا ہمارا تماشا دیکھ رہا ہے؟“ عینی نے اولیس کی طرف دیکھا۔

”جانے کہاں ہے وہ۔“ اولیس نے غصے سے کہتے ہوئے سامنے پڑا ہوا گلاس اٹھا کر ایک طرف پھینک دیا۔ چھناک سے کانچ ٹوٹنے کی آواز کمرے میں ابھری اور معدوم ہو گئی۔

”کہاں ہو تم..... سامنے آؤ مسٹر شکم کہاں ہو۔“

”اولیس ہم بری طرح سے پھنس گئے ہیں۔ ہمارا پچنا اب محال ہے۔ جانے کیا ہوگا۔“ عینی نے کہا۔

”یعنی میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہمیں ہر صورت میں حوصلے سے کام لینا ہوگا۔ یہ بات اپنے ذہن میں رکھو کہ ہم نے لڑنا ہے۔“ اولیس نے اسے ایک بار پھر یاد دلایا۔ ”اپنے اندر کا حوصلہ ٹوٹنے مت دو۔“

”میں اتنا حوصلہ کہاں سے لاؤں۔“ عینی بولی۔ ”عجیب اُلجھن ہے۔ پرسکون زندگی میں یہ کھرام برداشت سے باہر ہے۔“

”انسان ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ وہ اپنے اندر کا ڈر اگر نکال دے تو کوئی مشکل اسے مشکل دکھائی نہیں دیتی ہے۔“ اولیس نے ایک بار پھر اس کی گرہ حوصلے سے باندھی۔

”کتنی بار اپنے اندر کے ڈر کو مار چکی ہوں اور کتنی بار ہے کہ وہ ڈر پھر زندہ ہو جاتا ہے۔“

یعنی ٹہلے لگی۔

”اب مار دو ڈر کو اور اسے زندہ ہونے ہی نہ دو۔“ اولیس بولا۔ ”پُر سکون ہو جاؤ گی۔“

”اولیس..... ایک بات طے کر لو۔ میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ ہماری مجبوری ہے لیکن اگر تمہیں یہاں سے بھاگ جانے کا موقع مل جائے تو تم بھاگ جانا اور میری پروا نہ کرنا۔“ یعنی نے اس کی طرف دیکھا۔

”مجھے بھاگنے کا موقع ملا تو میں بھاگوں گا ضرور لیکن تمہیں اپنے ساتھ لے کر ہی کہیں جاؤں گا۔“ اولیس بولا۔

”پتہ نہیں مجھے کہاں لے جاتے ہیں یہ لوگ اور پھر جانے میرے ساتھ کیا ہوتا ہے۔“

یعنی اُداس ہو گئی۔

”ہمیں اللہ پر بھی پورا بھروسہ رکھنا چاہئے۔ وہ دیکھ رہا ہے اور ہماری مدد ضرور کرے گا۔“ اولیس پُر یقین لہجے میں بولا۔

”بے شک۔“ یعنی کا لہجہ دھیمہ تھا۔

”تمہیں اگر بھاگنے کا موقع مل جائے تو بھاگ جانا۔ دیکھ لیں گے کیا ہوتا ہے۔“ اولیس نے کہا۔

”مجھے تو ایک ہی خیال بار بار آ رہا ہے۔“ یعنی بولی۔

”کیا خیال آ رہا ہے؟“ اولیس نے پوچھا۔

”شاید میرے ہاتھوں کچھ ہونے کا وقت آ گیا ہے۔“ یعنی نے بتایا۔

”شاید ایسا ہو ہی نہ۔“ اولیس نے نئی اُمید جگائی۔ ”کچھ بھی نہ ہو۔“

”تمہارے دوست نے تو یہ ہی کہا ہے۔“ یعنی بولی۔

”اس کی کہی ہوئی بات اب تک غلط بھی نہیں ہوئی۔“ اولیس نے کندھے اچکائے۔

اچانک آتا ہے اور اچانک غائب ہو جاتا ہے۔ اچانک ایک نئی بات میرے سامنے ہوتی ہے۔

اچانک کیا ہو جائے گا کچھ پتہ نہیں چل رہا ہے۔“

”کاش وہ اس وقت میرے سامنے آ جائے تو میں اس سے سوال کروں۔“ یعنی نے

کمرے میں نظریں دوڑائیں۔

”بس مجھے اس کی یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ جب اس کی ضرورت ہوتی ہے وہ آتا ہی نہیں ہے۔“ اولیس کو پھر اُلجھن ہونے لگی۔

”کاش تمہاری ٹرانسفر ہی نہ ہوتی۔ نہ تم اس شہر میں آتے اور نہ یہ سب کچھ ہوتا۔“ یعنی بولی۔

”یہ ہونا تھا اور ہو کر ہی رہنا تھا۔“ اولیس نے کہا۔

”اولیس ہم نے اس کمرے کی تلاشی تو لی ہی نہیں۔ شاید ہمیں یہاں کچھ مل جائے۔“ اچانک یعنی چوکی۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہم نے تو اس بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ آؤ دیکھیں۔“ اولیس نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

دونوں مل کر کمرے کی تلاشی لینے لگے۔ جہاں اور جس چیز کو وہ دیکھ سکتے تھے انہوں نے دیکھ لی لیکن کوئی ایسی چیز انہیں نہیں ملی جس سے وہ کچھ کر سکتے۔ دونوں پھر اسی جگہ کھڑے ہو گئے۔

☆=====☆=====☆

دروازہ کھلتے ہی کاشف کا شاطر چہرہ نمودار ہوا اور اس نے عجیب سی مسکراہٹ اپنے چہرے پر لا کر اولیس اور یعنی کی طرف باری باری دیکھ کر کہا۔ ”چلو یعنی تمہارا کام شروع ہو رہا ہے۔“

”کاشف تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔“ اولیس جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔ ”تمہارے اندر احساس نام کی کوئی چیز ہے کیا؟“

”یہ بات مجھے میرا باپ بھی کہتا تھا کہ تم ٹھیک نہیں کر رہے ہو۔ برے کام کا انجام برا ہوتا ہے۔ میرا باپ سادہ آدمی تھا۔ جو کام میں کر رہا ہوں اس میں انجام آئے گا ہی نہیں۔ کیونکہ میں اپنا کھیل بڑی چالاکی سے کھیلنا جانتا ہوں۔“ وہ ڈھیٹ پن سے بولا۔

”برے کام کا انجام سائے کی طرح ساتھ جڑا رہتا ہے۔ جب وہ سامنے آتا ہے تو ہر چالاکی ایک طرف رہ جاتی ہے۔“ اولیس نے کہا۔ ”تب وہ اپنے اور برے انجام کے سامنے ایسے ہی کھڑا ہوتا ہے جیسے کوئی بندوق میں آ جائے۔“

”میں اس وقت کوئی لیکچر سننے کے لئے نہیں آیا ہوں۔ یعنی میرے ساتھ چلو۔ وہ بیگ وصول کرو اور پھر اپنے شوہر کو لے کر جہاں جانا چاہو چلے جانا۔“ کاشف نے ہاتھ جھٹکا۔

”تم یعنی کو نہیں لے جا سکتے۔“ اولیس اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ ”تم ہمیں اس جگہ سے جانے دو۔“

”بحث کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ وقت ضائع کرنے والی بات ہے اور ہمارے پاس وقت کم ہے۔“ کاشف کے لہجے میں اطمینان تھا۔

”دوستی کے نام پر دھبہ مت بنو۔“ اولیس آگ بگولہ ہو گیا۔

”بند کرو اپنی یہ بکواس۔“ معاً کاشف کا لہجہ درشت ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کسی کو آواز دی اور دو بٹے کئے آدمی ہاتھ میں اسلحہ لئے اندر آ گئے۔ کاشف نے ایک کو حکم دیا۔ ”ہاؤ اس کو ایک طرف اور اگر یہ کوئی گڑبڑ کرے تو تجھے اجازت ہے کہ اسے گولی سے آڑا دیتا۔“

اولیس اسی جگہ رک گیا۔ ایک نے اس کے سر پر اپنے ریوالور کی نال رکھ دی تھی۔ یعنی خوفزدہ ہو گئی۔

”چلو میرے ساتھ اور یہ بات یاد رکھنا کہ اس کی زندگی تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم نے کوئی بھی غلط حرکت کی تو میرے ایک فون کال سے اولیس کی کھوپڑی اڑ جائے گی۔“ کاشف سفاکی سے بولا۔

یعنی نے اولیس کی طرف دیکھا اور وہ کاشف کے ساتھ چل پڑی۔ ان کے جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ جس نے اولیس کے سر پر اپنے ریوالور کی نال ٹکائی ہوئی تھی، اس نے اولیس کو دھکا دیا اور اولیس گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اولیس لاچار دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں بھی کمرے سے باہر نکل گئے۔ قفل میں چابی گھومنے کی آواز اولیس کو صاف سنائی دے رہی تھی۔ اولیس بے بسی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کسی لاچار کی طرح کمرے میں انتہائی غصے سے ٹپکنے لگا۔

☆=====☆=====☆

یعنی کو گاڑی میں ہی کاشف نے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ ایک ایک بات اس کے کان میں ڈال دی تھی۔ ایک موبائل فون اسے دے دیا تھا۔ کاشف کی ہدایت پر یعنی نے موبائل فون کے ہیڈ فون کی تاریخیں اپنے کانوں کو لگائی تھیں۔ اس کا دھیان اولیس کی طرف تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے لیکن رونا کوئی حل نہیں تھا۔ اس کی کار کے شیشے سیاہ تھے۔ یعنی نے ایک آدھ بار ہی سامنے سکرین سے باہر جھانکا تھا۔ چلتی ہوئی کار کہاں جا رہی ہے اسے معلوم نہیں تھا۔

جب کار شہر میں داخل ہوئی تو یعنی کی نگاہ سامنے پڑی اور وہ چونکی کیونکہ وہ اسے اسی کے گھر میں لے آئے تھے۔

کار کی بریک شہر کے ریلوے اسٹیشن کے باہر لگی۔ کار میں ایک ڈرائیور، اس کے ساتھ ایک آدمی، پیچھے کاشف اور ساتھ یعنی بیٹھی ہوئی تھی۔ یعنی نہ تو بھاگ سکتی تھی اور نہ ہی شور مچا سکتی تھی کیونکہ اس کی کسی بھی ایسی حرکت سے اولیس کی جان کو خطرہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ بنا بڑے پرندے کی طرح ان کے پیچھے میں قید تھی۔

کاشف کا مسلسل کسی کے ساتھ فون پر رابطہ تھا۔ اسے کوئی نہ کوئی ہدایت مل رہی تھی۔ باہر مل اندھیرا چھا گیا تھا۔ مسافر اسٹیشن کی طرف تیزی سے بڑھ رہے تھے کیونکہ کچھ دیر کے بعد اس جگہ سے ایک ٹرین مسافروں کو لے کر روانہ ہونے والی تھی۔

یک دم کاشف نے فون سنا اور پھر یعنی کی طرف متوجہ ہوا۔ ”جو کچھ میں نے کہا وہ تمہیں یاد ہے..... میں نے پوچھا وہ تمہیں یاد ہے؟“

”ہاں۔“ یعنی نے مختصر جواب دیا۔

”یہ بھی یاد ہے کہ میرے آدمی تمہارے ارد گرد ہوں گے جن کی شکل تم نہیں جانتی لیکن وہ تمہیں جانتے ہیں اور ہماری نظر بھی تم پر رہے گی۔“ کاشف کا لہجہ درشت تھا اور اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

”ہاں۔“ یعنی نے اس بار بھی مختصر جواب دیتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”جیسا کہا ہے ویسا کرنا اور فون پر جو بھی تمہیں ہدایت ملے ویسا کرتی جانا۔“ کاشف نے کہا۔

یعنی چپ رہی۔

کاشف نے پھر کہا۔ ”تم نے سنا کہ میں نے کیا کہا ہے؟“

”ہاں۔“ یعنی نے جواب میں سر ہلایا۔

کاشف نے ایک ہلکا نیلے رنگ کا کوٹ یعنی کو دیا اور کہا کہ وہ اس کوٹ کو پہن لے۔

ب یعنی نے کوٹ پہن لیا تو اس کی ایک جیب میں اس کے کہنے پر اس نے موبائل فون رکھ لیا۔

وہ دونوں بیک وقت کار سے باہر نکلے۔ وہ ریلوے اسٹیشن کے اندر جانے لگے۔ چلتے چلتے دونوں میں فاصلہ ہو گیا۔ یعنی آگے اور کاشف پیچھے چلنے لگا۔ کاشف کی رفتار کم ہوتی جا رہی

تھی اور یعنی اپنی چال چلتی جا رہی تھی۔

پلیٹ فارم پر ٹرین کھڑی تھی۔ مسافروں کا جم غفیر تھا۔ جس جگہ یعنی کورنر کے حکم تھا وہ اس جگہ رک گئی۔ اسد اس سے کچھ فاصلے پر لکڑی کے بیچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ یعنی اس کو نہیں دیکھ سکتی تھی لیکن وہ اسد کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ اسد کے ہاتھ میں موبائل فون تھا اور اس کی انگلیاں تیزی سے اس پر حرکت کر رہی تھیں۔ وہ بڑے اطمینان اور ہوشیاری سے اپنا کام کر رہا تھا۔ اس کی تیز نگاہیں دائیں بھی گھوم رہی تھیں۔

☆=====☆=====☆

دس منٹ کے بعد ایک بڑی اور مہنگی کار ریلوے اسٹیشن سے باہر کی۔ اندر سے ایک چالیس سال کے لگ بھگ عمر کا شخص باہر نکلا، جس کا نام امجد تھا۔ اس کی آنکھوں پر سفید چشمہ تھا۔ شیو بڑھی ہوئی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ وہ برق رفتاری سے ریلوے اسٹیشن کے اندر بھاگتے ہوئے جانے لگا۔

امجد کو ریلوے اسٹیشن کے اندر موجود بک اسٹال کے پاس رکنے کا حکم تھا۔ وہ اس جگہ جا کر رک گیا۔ اس کی متلاشی نگاہیں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ اس کے اندر کا اضطراب اس کے چہرے سے مترشح تھا۔ سارا پلیٹ فارم مسافروں سے بھرا ہوا تھا۔ چلتے ہوئے کندھے سے کندھا ٹکرائے والی بات تھی۔

اس سے کچھ ہی فاصلے پر کاشف کا ایک ساتھی کھڑا تھا۔ اس نے چورنگا ہوں سے امجد کی طرف دیکھا اور پھر ایک طرف چل پڑا۔ کچھ دیر کے بعد امجد کو موبائل فون پر کال موصول ہوئی۔

”ہیلو.....“ امجد نے موبائل فون کان سے لگاتے ہی کہا۔

”بائیں طرف دیکھو۔“ لہجہ حکمانہ تھا۔

امجد کا چہرہ بائیں طرف گھوم گیا۔ ”ہاں دیکھ رہا ہوں۔“

”وہاں ایک لڑکی کھڑی ہے۔ جس نے ہلکے آسمانی کلر کا کوٹ پہنا ہوا ہے۔“ دوسری

طرف سے آواز آئی۔

امجد نے اتنے مسافروں میں ہلکے آسمانی کلر کا کوٹ زیب تن کئے لڑکی کو تلاش کیا جو بچ

کے پاس ہی دوسری طرف منہ کئے کھڑی تھی۔ ”ہاں نظر آگئی۔“

”تم اکیلے ہی آئے ہونا۔“ اس نے سوال کیا۔

”ہاں اکیلا ہی آیا ہوں۔“ امجد نے اعتماد سے جواب دیا۔

”کوئی غلطی تو نہیں کر رہے ہونا؟“ اس نے پھر تصدیق کی۔

”ہمیں اپنے باپ کی زندگی عزیز ہے۔“ امجد نے جلدی سے جواب دیا۔

”یہ بریف کیس اس لڑکی کو دے آؤ۔“ اسے حکم ملا۔ ”وہ ہماری ساتھی ہے۔“

”لیکن میرے والد صاحب؟“ امجد نے پوچھا۔

”یہ بریف کیس دو گئے تو وہ بھی مل جائیں گے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”تم نے وعدہ کیا تھا کہ ادھر میں پیسے دوں گا اور تم مجھے.....“ امجد نے کہنا چاہا۔

”میں نے کہا ناں کہ تمہارا باپ بھی ان ہی مسافروں میں کسی جگہ بیٹھا ہوا ہے۔ بریف

کیس دو گئے تو میں بتا دوں گا کہ وہ کہاں بیٹھا ہوا ہے۔ وقت ضائع مت کرو اور بریف کیس

اس لڑکی کے حوالے کر دو۔ اسی وقت میں تمہیں بتا دوں گا کہ تمہارا باپ کہاں ہے۔“ اس کا لہجہ

تیز اور غصیلا ہو گیا تھا۔

”اوکے۔“ لاچار امجد نے کہا۔ ماتھے سے اپنا پسینہ رومال سے صاف کیا اور اس لڑکی

طرف چل پڑا۔

امجد اس لڑکی کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ ”ایکسیکوزی۔“

وہ لڑکی گھومی اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہی چونک پڑے۔ امجد نے حیران کن

لہجے کو دھیمار کھتے ہوئے کہا۔ ”تم.....؟“

”سس..... سر آپ۔“ لڑکی بھی اچانک اپنے باس کو دیکھ کر چونکی۔ وہ لڑکی ان کے

آفس میں کام کرتی تھی۔

”تم ہو؟“ امجد کی حیرت کم نہیں ہو رہی تھی۔ ”مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ تم.....“

”سر میری خالہ اور کزنز واپس کراچی جا رہی ہیں۔ ہم ان کو الوداع کہنے کے لئے آئے

ہوئے ہیں۔“ امجد کی بات نہ سمجھتے ہوئے لڑکی نے بتایا۔

”خالہ.....؟“ امجد اس کی بات سن کر اور بھی چونکا۔

معا اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے جلدی سے فون اپنے کان کو لگایا۔ ”ہاں.....“

”تم کس لڑکی کے پاس چلے گئے ہو۔ یہ وہ نہیں ہے۔ وہ کچھ آگے کھڑی ہے اور اس کے

ساتھ کیا باتیں کر رہے ہو؟“ دوسری طرف سے تیز لہجے میں کہا گیا۔

اس کے ساتھ ہی امجد کی نگاہیں اس طرف گھوم گئیں۔ اسے کی نگاہ یعنی پر جا کر رک گئی۔



اس کا چہرہ واضح نہیں ہوا تھا۔ اس کا دھیان ہلکے نیلے رنگ کے کوٹ کی طرف تھا۔

”سوری مجھے جلدی ہے۔“ امجد نے اس لڑکی سے کہا اور عینی کی طرف چلنے لگا۔

”سر آپ کہیں جا رہے ہیں۔“ لڑکی نے سوال کیا۔

”نو.....“ امجد نے عینی کی طرف نگاہیں مرکوز کئے جواب دیا۔

”سر.....“ لڑکی نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

”مجھے جلدی ہے۔ تم اپنا کام کرو۔“ امجد نے گھوم کر اسے ڈانٹ دیا۔ اس کا لہجہ دھیما تھا

لیکن اس کی بے چینی عیاں تھی۔

”سر میں وہ بتانے لگی تھی.....“ اچانک لڑکی کہتے کہتے رک گئی۔

”کیا بتانے لگی تھی۔“ امجد نے پوچھا۔

”میری بہن نے آپ کے فادر کو دیکھا تھا۔ اس نے مجھے ابھی بتایا تھا کہ میرے بگ

باس انتظار گاہ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔“ لڑکی نے جھجکتے ہوئے بتایا۔

اس کی بات سن کر امجد چونکا۔ ”کتنی دیر ہوئی ہے اسے دیکھے ہوئے؟“ امجد نے ہول

سے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک دوسرا موبائل فون نکال لیا اور ایک نمبر کو ایک ہی پیش میں

ڈائل کر دیا۔ پہلی ہی بیل کے ساتھ فون دوسری طرف سے کسی نے اٹھا لیا۔ امجد جلدی سے

بولتا۔ ”انتظار گاہ میں میرے فادر بیٹھے ہوئے ہیں تم مجھے یہ ہی بتا رہی ہوں۔“ اس کے ساتھ

ہی اس نے فون کاٹ کر جیب میں رکھ لیا۔ ٹھیک اسی وقت اس کا فون پھر بجا۔

”ہیلو۔“ امجد نے پہلے والا موبائل فون کان کو لگا کر کہا۔

”تم اس کے پاس جا کیوں نہیں رہے ہو؟“ وہ سیخ پا ہو کر بولا۔

”ہاں..... ہاں۔ جا رہا ہوں۔“ امجد نے اثبات میں گردن ہلائی اور لڑکی کی طرف

دیکھے بغیر وہ عینی کی طرف چل پڑا۔

عینی کا دل دھڑک رہا تھا۔ اسے فون کا موصول ہو چکی تھی کہ ایک شخص اس کی طرف

بریف کیس لے کر بڑھ رہا ہے۔ جبکہ امجد نے کال کر کے جسے اطلاع دی تھی وہ تین آدمیوں

کے ساتھ انتظار گاہ کی طرف تیزی سے جا رہے تھے۔

☆=====☆=====☆

اولیں سر جھکائے بیٹھا تھا۔

اچانک اس کا موبائل فون بج اٹھا۔ وہ چونکا۔ اس نے جلدی سے فون اٹھایا اور کان کو کان

کر بولا۔

”مسٹر شک..... تمہارا نام مسٹر اچانک ہونا چاہئے.....“

”ایک کام کرو۔“ دوسری طرف سے اس کی مخصوص آواز ابھری۔

”میری بات سنو۔“ اولیں بے چینی سے بولا۔

”تمہاری بات سے زیادہ میری بات اہم ہے۔ اس کمرے میں ایک ریوالور ہے۔

اسے تلاش کرو۔ ستائیس منٹ میں تلاش کر لینا۔ ورنہ اٹھائیسواں منٹ تمہاری موت کا پیام

ہوگا۔“ اس کی آواز ہڈ اسرار ہو گئی۔

”ہم نے یہ کمر پہلے ہی تلاش کر لیا ہے۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔“ اولیں نے بتایا۔

”اس کمرے میں ایک ریوالور ہے۔“ شک اپنی بات پر قائم رہا۔

”لیکن کہاں ہے۔“ اولیں بولا۔

”مجھے پتہ ہوتا تو یہ بھی بتا دیتا لیکن اس کمرے میں ایک ریوالور کی موجودگی ہے۔“

شک بولا۔

”کہاں تلاش کروں اسے۔“ اولیں نے کمرے میں اپنی نگاہیں گھما کر دیکھا۔

”تمہارے پاس ساڑھے چھبیس منٹ رہ گئے ہیں۔“ شک نے کہا اور رابطہ منقطع

کر دیا۔

اولیں نے موبائل فون اپنی جیب میں رکھا اور سب سے پہلے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا۔

اس کے بعد اس نے سوچا کہ وہ کس طرف سے کمرے کی تلاشی لینا شروع کرے۔ اسی اثنا میں

دروازہ کھلا اور جس نے اس کے سر پر اپنے ریوالور کی نال رکھی تھی، وہ نمودار ہوا۔ اولیں نے

چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس آدمی نے پہلے کمرے کا جائزہ لیا اور پھر پوچھا۔ ”تم کسی سے باتیں کر رہے تھے؟“

”یہاں میرے سوا کون ہے جس سے میں باتیں کروں۔“ اولیں نے الٹا سوال کر دیا۔

”تمہارے پاس کوئی موبائل فون ہے۔“ اس نے سوال کیا۔

”تم لوگ میرے موبائل فون سے سم کارڈ اور بیٹری نکال کر لے جا چکے ہو۔“ اولیں نے

کہا۔ ”چاہو تو پھر دیکھ لو۔“

”ابھی مجھے اس دروازے کے ساتھ لگے آدمی نے اطلاع دی ہے کہ تم کسی سے باتیں

کر رہے تھے۔“ وہ آدمی مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں۔“ یعنی کا جواب مختصر ہی تھا۔

”بریف کیس بند کرو اور ریلوے اسٹیشن سے باہر نکلو۔“ دوسری ہدایت ملی۔ ”جتنی تیز چل سکتی ہو چلو۔“

یعنی نے بریف کیس بند کیا اور جانے کے لئے باہر کی طرف بڑھی۔ امجد کو ابھی تک اس کے بھائی کا فون نہیں آیا تھا۔ وہ فوراً یعنی کی طرف لپکا۔ ”مائی قادر.....“

یعنی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور وہ خارجی دروازے کی طرف چلتی رہی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہی تھی۔ گھبراہٹ سے اس کا دل ایسے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی وہ سینے کے پیچھے سے باہر نکل آئے گا۔

”ایکسیکوزمی.....“ امجد نے پھر پیچھے سے یعنی کو مخاطب کیا۔

اسی اثنا میں اس کا موبائل فون بول پڑا۔ دوسری طرف سے درشت لہجے میں کوئی بولا۔

”تم اس کے پیچھے کیوں چل رہے ہو۔ اسی جگہ رک جاؤ۔“

”مائی قادر.....“ امجد محض اتنا ہی بولا۔

”یہاں سے سیدھے چلے جاؤ۔ سامنے کنٹینن آئے گی۔ وہاں تمہیں وہ شخص مل جائے گا۔“ یہ کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

امجد نے سوچا کہ یہ شخص کنٹینن کا کہہ رہا ہے جبکہ اس کے آفس میں کام کرنے والی لڑکی کی بہن نے اس کے باپ کو انتظار گاہ میں دیکھا تھا۔ کنٹینن اور انتظار گاہ ایک دوسرے کی مخالف سمت میں تھی۔ کیا اس نے غلط بتایا تھا۔ اسی لئے اس کے بھائی کا فون نہیں آیا۔

ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک اس کا دوسرا موبائل فون پھر بجا۔ اس نے فوراً ہیلو کہا۔

دوسری طرف سے اس کے بھائی کی آواز تھی۔ ”قادر مل گئے ہیں۔ ایک آدمی بھی قبضے میں کر لیا ہے۔“

”سب ٹھیک ہے۔“ امجد نے یعنی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ یعنی تیز تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔

”ہاں سب ٹھیک ہے۔ تم اب کارروائی کر سکتے ہو۔“ اس کا بھائی بولا۔

امجد نے فون بند کیا اور پھر اس نے سادہ کپڑوں میں اس کے دائیں بائیں پھرتی

”اپنے آپ سے بول رہا تھا۔ اس کمرے میں اپنی بے بسی پر چیخ رہا تھا۔“ اولیس آگ بولہ ہو گیا۔

”کوئی گڑبڑ نہیں ورنہ مجھے گولی مار دینے کا حکم ہے۔“ اس نے دھمکی دی۔

”جانتا ہوں۔“ اولیس نے برا سامنہ بنایا اور وہ چاہتا تھا کہ یہ دروازہ بند کر کے یہاں سے چلا جائے۔ سوئی گھوم رہی تھی اور وقت گزر رہا تھا۔

وہ آدمی دروازہ بند کرنے لگا تو یک دم رک گیا۔ اولیس کے پاس ریوالمور تلاش کرنے کا وقت بہت کم تھا اور وہ تھا کہ اس کا شک ہی دوڑ نہیں ہو رہا تھا۔

اس آدمی نے مشکوک نگاہوں سے پورے کمرے میں دیکھا اور پھر اولیس کو گھورنے لگا۔ اولیس اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے بعد اس نے باہر نکل کر دروازہ مقفل کر دیا۔ اولیس کچھ دیر تک اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس کے بعد اس نے کمرے کے ایک طرف سے ریوالمور کی تلاش شروع کر دی۔

☆=====☆=====☆

یعنی نے اس آدمی کا جائزہ لیا جو اس کے سامنے ہاتھ میں بریف کیس لئے کھڑا تھا۔ امجد نے ایک نظر یعنی کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا دھیان اپنے موبائل فون کی طرف تھا، اسے اپنے بھائی کی کال کا انتظار تھا جس کو اس نے اطلاع دی تھی کہ اس کا باپ انتظار گاہ میں اس وقت بیٹھا ہوا ہے۔

امجد کا فون بجا۔ اس نے فوراً ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”بریف کیس اس لڑکی کے حوالے کر کے ایک طرف کھڑے ہو جاؤ۔“

”بہتر۔“ امجد نے وہ بریف کیس یعنی کی طرف بڑھا دیا۔ یعنی کا فون بھی آن تھا اور اسے کہا جا رہا تھا۔

”اس سے بریف کیس لے کر بالکل پیچھے چل جاؤ۔ بچ خالی ہے۔ بریف کھول کر دیکھو کہ اس میں رقم موجود ہے۔“

یعنی نے جواب دینے کی بجائے امجد سے بریف کیس لیا اور ہدایت کے مطابق پیچھے چلی گئی۔ بچ پر براجمان ہوتے ہی اس نے بریف کیس کھولا۔ اندر نوٹوں کی گڈیاں تہہ در تہہ رکھی ہوئی تھیں۔

اس کے فون سے پھر آواز آئی۔ ”میسے ہیں؟“

ہوئی پولیس کی طرف دیکھا جو اس کے ساتھ ہی وہاں آئے تھے اور وہ ان کے چہروں سے آشنا تھا۔

امجد نے عینی کی طرف اشارہ کیا اور چیخا۔ ”پکڑو اسے۔“

اس کی آواز اتنی بلند تھی کہ عینی کو لگا جیسے اسی لئے کہا گیا ہے۔ وہ چلتے ہوئے پلٹی۔ تین آدمی اس کی طرف بھاگ رہے تھے۔ عینی دیکھتے ہی بھاگی۔

عینی سے کچھ فاصلے پر اسد چل رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ عینی بھاگ کھڑی ہوئی ہے اور امجد نے بھی اسے پکڑنے کا کہہ دیا ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ گڑبڑ ہو گئی ہے۔ وہ بھی بھاگنے کے انداز میں چلنے لگا اور اپنے موبائل فون کو کان سے لگا لیا۔

”کیا ہوا؟ اس نے عینی کو پکڑنے کے لئے کیوں کہہ دیا۔“

”الو کا پٹھان میرا فون نہیں اٹھا رہا ہے۔ اس کے باپ کے ساتھ جو ہمارا آدمی تھا میں اسے فون کرتا ہوں۔ وہ اسے گولی مار دے۔ ہمارا شک ٹھیک نکلا۔ یہ پولیس لے کر آیا تھا۔ تم کسی طرح سے عینی سے وہ بریف کیس لے لو۔ باقی سب کچھ جائے بھاڑ میں۔“

”جو کرنا ہے کرو میں بریف کیس عینی سے لینے کی کوشش کرتا ہوں۔“ اسد نے کہا اور موبائل فون اپنی جیب میں ڈال کر بھاگنے لگا۔

عینی بھاگتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ اس کے پیچھے تین آدمی بھاگ رہے تھے۔ جبکہ اسد ایک طرف بھاگ رہا تھا۔ وہ عینی سے بریف کیس چھین کر بھاگ جانے کی فکر میں تھا۔

عینی پہلے ہی ڈری ہوئی تھی اس آفت سے وہ اور بھی ڈر گئی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی خارجی دروازے کی بجائے سامنے کراسنگ پل کی طرف بڑھی۔ وہ تیزی سے اس کی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ وہاں بہت زیادہ رش تھا۔ کیونکہ ابھی دوسرے پلیٹ فارم پر جوڑین آئی تھی اس کے تمام مسافر اسی پل سے نیچے اتر رہے تھے۔ عینی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس نے کس طرف بھاگنا ہے۔ کس طرف جانا ہے۔ بس وہ بھاگ رہی تھی۔ وہ بھاگتے ہوئے مسافروں کو دھکا دے کر راستہ بنا رہی تھی۔

وہ تین آدمی کافی پیچھے تھے۔ جبکہ اسد تقریباً عینی کے سر پر پہنچ گیا تھا۔ دونوں جہوم کا حصہ بنے ہوئے تھے۔ وہ اوپر پل پر پہنچ چکے تھے۔

جہوم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جونہی اسد نے بریف کیس پکڑ کر اپنی طرف چھیننا چاہا۔

عینی کو لگا جیسے اسے پکڑنے کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس نے اسد کا چہرہ پوری طرح سے نہیں دیکھا اور اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں بریف کیس کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اس سے اسد کو پوری قوت سے ایک طرف دھکیلا، اسد اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، یک دم یہ دیکھ کر مسافر بھی اپنی جگہ رک گئے۔ عینی اسے دھکیلتی جا رہی تھی کہ یہ پتہ ہی نہ چلا کہ کب پل ختم ہو گیا ہے اور وہ اسی زور میں پل سے نیچے جا گرا۔

اسد چیختا ہوا نیچے آیا اور جونہی وہ فرش پر گرا اس کی گردن ٹوٹ گئی۔ ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ عینی نے دہشتناک نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور پھر بریف کیس نیچے پھینک کر وہ اندھا دھند پل کی دوسری طرف جانے کے لئے بھیڑ کو چیرتی ہوئی بھاگی۔ مسافر خوفزدہ نگاہوں سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

☆=====☆=====☆

اولیس کمرے کی ایک ایک چیز دیکھ رہا تھا۔ کوئی کونہ کھدرا اس نے نہیں چھوڑا تھا لیکن اسے کہیں بھی ریوالور نہیں مل رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار تلاش کر رہا تھا۔ وہ بار بار اپنی گھڑی پر وقت بھی دیکھ رہا تھا۔ اس تلاش میں پچیس منٹ گزر گئے تھے۔

تلاش کے لئے اس کے پاس دو منٹ باقی تھے۔ شک نے اسے بتایا تھا کہ اٹھائیسویں منٹ میں وہ گولی کا نشانہ بن جائے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کی موت اور زندگی میں محض دو منٹ حائل تھے۔

وہ اور بھی تیزی سے ریوالور تلاش کرنے لگا۔ اس کا ماتھا پسینے سے تر ہو رہا تھا اور بے تابلی پورے جسم میں خون کے ساتھ دوڑ رہی تھی۔

کاشف نے جب اس آدمی سے رابطہ کیا تھا جو امجد کے باپ کے ساتھ اس جگہ بیٹھا ہوا تھا تو آگے سے فون کسی اور نے سنا تھا۔ کاشف کو اندازہ ہو گیا تھا کہ بازی پلٹ گئی ہے اور پھر جب اسد پل کے نیچے سے گرا اور اندوہناک موت سے دوچار ہو گیا تو یک دم اسے لگا جیسے بُرے کام کے جس انجام سے وہ بے خبر تھا، وہ اچانک آ گیا تھا۔ اس نے اس جگہ سے بھاگنے سے قبل اولیس کی نگرانی پر مامور اپنے آدمی کو فون کر کے کہا کہ وہ اولیس کو گولی مار دے۔ عجیب اتفاق تھا کہ جیسے ہی کاشف نے اولیس کو مارنے کا حکم دیا تھا۔

حکم ملتے ہی وہ آدمی اس کے کمرے سے باہر کھڑا قفل میں چابی گھما رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ میں ریوالور تھا جبکہ اس کا دوسرا آدمی اس کے ساتھ کھڑا تھا۔

اندرویس ریوالور کی تلاش میں پاگل ہو رہا تھا۔ اس تلاش میں ساڑھے چھبیس منٹ گزر چکے تھے۔ وہ ایک صوفے کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ایک الماری تھی۔ اس کے نیچے جگہ تھی۔ اویس نے ہاتھ مار کر نیچے سے جوتوں کے ڈبے نکالے اور ایک ایک ڈبہ کھولنے لگا۔ ہر ڈبے میں جوتا تھا۔ اس جگہ پہلے انہوں نے تلاشی نہیں لی تھی۔

اویس تیزی سے ایک ایک کر کے جوتے کا ڈبہ کھولتا جا رہا تھا۔ ادھر اس نے آخری ڈبہ کھولا اور ادھر ایک دم کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ آدمی ہاتھ میں ریوالور لئے داخل ہوا اور اس نے اپنا ریوالور تان لیا۔ کمر اخالی دیکھ کر وہ متحیر متلاشی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ جبکہ اس جوتے کے ڈبے میں جوتے کے ساتھ ریوالور بھی رکھا ہوا تھا۔ اویس کا ایک ہاتھ ریوالور کے اوپر تھا اور نگاہ اپنی گھڑی پر تھی۔ ستائیس منٹ ہونے میں چند سیکنڈ باقی تھے۔

”کہاں چلا گیا وہ؟“ وہ آدمی حیرت سے بولا۔ اویس صوفے کے پیچھے بٹھا رہا۔

”کہیں بھاگ تو نہیں گیا۔“ دوسرے نے اپنا خیال عیاں کیا۔

”یہاں سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے بے وقوف۔“ پہلے نے اسے ڈانٹا۔

”پھر کہاں جاسکتا ہے وہ۔“ وہ حیران تھا۔

ایک آدمی دروازے پر ہی رک گیا تھا جبکہ دوسرا دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ صوفے کے پاس چلا گیا۔ اس کا ریوالور وانا ہاتھ تان ہوا تھا۔ جونہی اس نے ایک قدم اور بڑھایا، اویس بجلی سی تیزی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا ریوالور والا ہاتھ پکڑ کر برق رفتاری سے اپنے ہاتھ میں پکڑتا ہوا ریوالور اس کی کپٹی پر رکھ کر وہ غرایا۔

”کوئی حرکت کی تو گولی مار دوں گا۔ اپنا ریوالور چھوڑ دو اور تم بھی۔“ اویس نے دونوں کو حکم دیا۔

دونوں نے اپنا اپنا ریوالور ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ اویس نے دروازے کے پاس کھڑے آدمی کو حکم دیا۔ ”تم اس طرف آ جاؤ۔“

اس آدمی نے اس کا حکم ماننے میں کسی تامل کا مظاہرہ نہیں کیا اور دروازہ چھوڑ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اویس نے پکڑے ہوئے آدمی کو بھی اس کی طرف دھکا دے کر ریوالور دونوں پر تان لیا۔

”اس گھر میں کتنے افراد ہیں۔“ اویس نے جاننا چاہا۔

”پتہ نہیں۔“ پہلے آدمی نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”بتاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔“ اس بار اویس کا لہجہ اور بھی درشت ہو گیا۔

”پتہ نہیں۔“ اس آدمی نے اسی انداز میں پھر وہی جواب دیا۔ اس کی گھورتی ہوئی نگاہیں اویس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

اویس نے دونوں کی طرف گھور کر دیکھا اور باری باری دونوں کے ریوالور اٹھا لئے۔ دونوں اویس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اویس ایک بار پھر غرایا۔ ”بتاؤ باہر کتنے لوگ ہیں اور وہ عینی کو لے کر کہاں گئے ہیں؟“

”تم سمجھتے ہو کہ ہم یہ کھلونے دیکھ کر ڈر جائیں گے اور سب کچھ بک دیں گے۔ چلاؤ گولی۔“ وہ آدمی بے فکری سے اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اویس چاہتا تو ایک لمحے میں گولی چلا کر اس کا تنا ہوا سینہ خون میں لت پت کر دیتا لیکن وہ گولی چلا کر باہر کھڑے لوگوں کو ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ اسے مشتعل کر کے اس پر قابو پانے کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہا ہے۔ وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس نے باہر نکلتے ہی قفل میں موجود چابی گھمائی اور چابی نکال کر ایک طرف بھاگ پڑا۔

اس کے پیچھے وہ دروازہ پھینٹے لگے۔ جس کی آواز دور تک سنائی دینے لگی تھی۔ اویس بھاگتا ہوا ایک دم رک گیا۔ کیونکہ اس گھر کا مین دروازہ کھلا اور تین چار آدمی بھاگتے ہوئے اس کمرے کی طرف گئے جس کا دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ اویس نے دیکھا کہ وہ ان سب کو اس گھر کے ملازمین کے روپ میں دیکھ چکا ہے۔

اویس ایک الماری کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جونہی وہ آدمی اس جگہ سے گئے وہ مین دروازے کی طرف بھاگا۔ اس نے باہر جھانکا۔ اسے کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ اس نے ایک بار پھر تسلی کی اور اپنے ہاتھ میں پکڑے دور ریوالور اسی جگہ رکھ کر وہ پوری رفتار سے گیٹ کی طرف بھاگا۔ گیٹ کے پاس جاتے ہی اس نے اس کا کنڈا کھولا اور پھر دوسرا ریوالور بھی گیٹ کے پاس چھوڑ کر وہ باہر کی طرف دوڑ پڑا۔

☆=====☆=====☆

یعنی پوری قوت سے آتے جاتے مسافروں سے ٹکراتی ہوئی بھاگ رہی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی پل اُتری اور پھر اسی رفتار سے بھاگتی ہوئی وہ ریلوے ٹریک عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی۔ وہ اندھا دھند بھاگتی جا رہی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے پیچھے کتنے لوگ بھاگ رہے ہیں کون کون اسے پکڑنے کی کوشش میں ہے۔ وہ اپنی جان بچانے کی فکر میں بھاگ رہی

تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی سامنے وسیع خالی میدان میں ایستادہ جھگیوں میں چلی گئی۔ وہاں سے نکل کر وہ ایک سڑک پر چلی گئی۔

یعنی نے اس جگہ رک کر پیچھے کی طرف دیکھا، دور تک اُسے کوئی ایسا دکھائی نہیں دے رہا تھا جو اس کے تعاقب میں بھاگتا ہوا آرہا ہو۔ اس کی سانس بری طرح سے پھولی ہوئی تھی۔ اس جگہ رکنے کی بجائے وہ سڑک عبور کر کے دوسری طرف چلی گئی۔ سامنے آبادی تھی۔ وہ ایک تنگ گلی میں داخل ہو گئی۔

گلی میں داخل ہوتے ہی اس نے بھاگنا بند کر دیا۔ وہ اطمینان سے چلنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرف جائے۔ اوپس سے رابطہ کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ اس وقت وہ کس علاقے میں تھی اس سے بھی وہ نا آشنا تھی۔ یہ تو اس کے علم میں تھا کہ وہ اپنے شہر میں آگئی ہے۔ یہاں سے وہ اپنے فلیٹ میں بھی جاسکتی ہے لیکن وہ اس شہر کے راستوں سے انجان تھی۔

سامنے ایک بڑھیا چلتی ہوئی آرہی تھی۔ وہ ایک پرانے مکان کے سامنے رک گئی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ دروازے پر رکھا اور گردن موڑ کر عینی کی طرف دیکھا۔ اس وقت عینی تقریباً اس کے پاس پہنچ چکی تھی۔ اس گلی میں اس وقت وہ ہی دو تھیں۔

”کہاں جانا ہے تجھے لڑکی؟“ اچانک اس کی پُر اسرار آواز عینی کی سماعت سے ٹکرائی اور عینی کے قدم اس جگہ جم گئے۔ اس نے بڑھیا کی طرف دیکھا۔ گلی میں اتنی زیادہ روشنی نہیں تھی کہ وہ اس کا چہرہ واضح طور پر دیکھ سکے۔

بڑھیا کے اس سوال کا کوئی جواب اس کے پاس نہیں تھا۔ وہ اپنی نگاہیں گھمانے لگی اور سوچنے لگی کہ وہ اسے کیا بتائے اور پھر اس بڑھیا نے اس سے سوال کیوں کیا ہے؟

”گھبراؤ مت مجھے بتاؤ کہاں جانا ہے۔ تمہارے چہرے کی گھبراہٹ اور خوف اس بات کی چغلی کھا رہے ہیں کہ تم پریشان ہو۔“ بڑھیا کے لہجے میں اپنائیت تھی۔

عینی کو بھی کچھ دیر کے لئے ٹھکانہ درکار تھا۔ وہ بولی۔ ”اس شہر میں انجان ہوں۔“

”راستہ بھول گئی ہو؟“ بڑھیا نے پوچھا۔

”نہیں..... ہاں۔“ عینی نے نفی میں گردن ہلائی اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

بڑھیا نے دروازے پر اپنے ہاتھ کا زور دیا تو وہ دروازہ کھل گیا۔ ”اندر آ جاؤ۔ گھبراؤ“

مت اس گھر میں میں اکیلی رہتی ہوں۔ جب تک دل چاہے رک جانا اور جب جی چاہے چلی جانا۔ پانی پی لو۔ کچھ کھانا چاہو تو بھی کھا لو۔“

بڑھیا کی بات میں جانے کیا اثر تھا کہ عینی انکار بھی نہ کر سکی اور کوئی اور لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ وہ بڑھیا کے پیچھے اس گھر میں چلی گئی۔ جونہی عینی نے اندر قدم رکھا اسے محسوس بھی نہ ہوا اور دروازہ ہولے سے خود بخود بند ہو گیا۔

وہ پرانا گھر تھا۔ پورے گھر میں گہرا سکوت تھا۔ عجیب سی اس گھر کی فضا تھی۔ گھر کا ہر کمرہ روشن تھا۔ بڑھیا اس کے آگے چلتی ہوئی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا رہی تھی۔ وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئی۔ اس کمرے کا دروازہ بند تھا۔

عینی اس کے پیچھے کھڑی خالی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ اسی اثنا میں بڑھیا نے اپنا چہرہ اس کی طرف کیا۔ پہلی بار عینی کی نگاہ نے بڑھیا کا چہرہ واضح طور پر دیکھا اور جیسے اس کی روح کانپ گئی ہو۔

بڑھیا کے سر کے سارے بال سفید تھے۔ چہرہ جھریوں سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ گہرے حلقے تھے اور بڑھیا کے چہرے کا بائیاں حصہ بری طرح سے جھلسا ہوا تھا۔ عینی کو اس کی طرف دیکھتے ہی خوف آ گیا۔

”مجھے دیکھ کر ڈر گئی ہو؟ مت ڈرو۔ میرا چہرہ جھلسا ہوا ہے۔ اس گھر میں میں اکیلی رہتی ہوں۔ اس دنیا میں میرے ایک بھائی کے سوا اور کوئی بھی نہیں ہے۔“ بڑھیا نے بتایا۔ عینی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اسے خوف آنے لگا تھا۔

”تم یہاں بیٹھ جاؤ۔ میں ابھی یہ سامان اندر رکھ کو آتی ہوں۔“ بڑھیا نے عینی کو ایک طرف بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور ہاتھ میں پکڑے شاپر بیگ کو لے کر کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ عینی دیواروں کی طرف دیکھتی ہوئی پاس پڑے موڑھے پر بیٹھ گئی۔

☆=====☆=====☆

اوپس بھاگ رہا تھا۔

وہ اس کوشی سے کافی دور نکل گیا تھا۔ اچانک اس کے قدم رک گئے۔ بائیں جانب ایک درخت تھا اور اس درخت کے ساتھ ٹیک لگائے شمشک کھڑا تھا۔ اوپس تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

”میری بیوی کہاں ہے؟“ اس نے جاتے ہی سوال کیا۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔

”مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ میں یعنی کو ملنا چاہتا ہوں۔“ اولیس کا لہجہ تیز تھا اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں تھی کہ کوئی اُسے اکیلا باتیں کرتا ہوا دیکھ کر کچھ بھی سمجھنا چاہئے تو سمجھ لے۔ اسے عینی کی شدید فکر لاحق ہو گئی تھی۔

شمک رک گیا۔ اس نے گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور متانت سے بولا۔ ”تم رہو گے تو عینی کو بھی ڈھونڈ لو گے۔ تم نہیں رہو گے تو عینی کو ڈھونڈنے والا بھی کوئی نہیں رہے گا۔ جاؤ اور اس شہر سے نکل جاؤ۔“ شمک یہ کہتے ہی اس کی نگاہوں کے سامنے سے تحلیل ہو گیا۔ جس طرح سے وہ اچانک آیا تھا اسی طرح سے اچانک وہ چلا گیا۔ اولیس پریشان، مضطرب اور عینی کے بارے میں سوچتا ہوا لاچار سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر شدید کرب کے تاثرات تھے۔

☆ ===== ☆ ===== ☆

اولیس سوچتا رہا کہ وہ کیا کرے۔

عینی کو کیسے تلاش کرے اور اس سے رابطہ کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کے موبائل فون میں سم کارڈ نہیں تھا۔ اچانک اس کے دماغ میں یہ بات آئی کہ وہ اپنے اسی نمبر کا سم کارڈ تو یہاں سے بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اگر وہ عینی سے رابطہ نہیں کر سکتا تو شاید عینی اس نمبر پر اس سے رابطہ کر لے۔

یہ سوچتے ہی اس نے دائیں بائیں دیکھا اور کچھ فاصلے پر ایک نوجوان کو چلتا ہوا دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکا۔ اس کے پاس جا کر اولیس نے قریب ترین اپنے کارڈ کی کمپنی کے دفتر کا پتہ پوچھا۔ نوجوان نے خوش اخلاقی سے اولیس کو آفس کا پتہ سمجھایا اور اولیس اس کا شکریہ ادا کر کے اس جانب چل پڑا۔ وہ دفتر کا پتہ اُس نوجوان کے بتانے کے مطابق اس جگہ سے دور نہیں تھا۔

اس نے ابھی کچھ فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اچانک اس کی نگاہ اس شخص پر پڑی جو ریو الوور لے کر اس کے کمرے میں آیا تھا اور جسے اپنے قابو میں کر کے وہ کمرے میں ان دونوں کو بند کر کے فرار ہو گیا تھا۔ اولیس ٹھنک کر رک گیا۔ اس نے اپنی نگاہیں گھما کر دائیں بائیں کا جائزہ لیا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی آس پاس ہے کہ نہیں۔ اسے اپنے پاس کوئی اس کا ساتھی دکھائی نہیں دیا۔

وہ شخص متلاشی نگاہوں سے دائیں بائیں دیکھ رہا تھا۔ اولیس نے سوچا کہ اس کی تلاش

”جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔“ شمک نے اطمینان سے جواب دیا۔  
”کہاں ہے مجھے جلدی سے بتاؤ۔ کیا وہ ٹھیک ہے۔“ اولیس نے بے چینی سے پوچھا۔

”وہ اس شہر میں نہیں ہے۔“ شمک کو اس کی بے چینی سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس کے لہجے کا اطمینان معدوم نہیں ہوا تھا۔

”کیا مطلب کہ وہ اس شہر میں نہیں ہے۔“ اولیس چونکا۔  
”تم نے کوچ میں اپنے شہر سے یہاں تک کا سفر ستائیس کلومیٹر کیا تھا۔ وہ لوگ تمہاری بیوی کو پھر اسی شہر میں لے گئے تھے۔“ شمک نے بتایا۔

”کیا وہ پھر اسی شہر میں ہے۔“ اولیس اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔  
”ہاں۔ اس شہر کے ریلوے اسٹیشن سے وہ ایک آدمی کو پل کے اوپر سے دھکا دے کر بھاگ گئی ہے۔“ شمک نے اگلی بات بتائی۔

”کہاں بھاگ گئی ہے اور کسے دھکا دیا تھا اس نے۔ کیا وہ مر گیا ہے کہ زندہ ہے؟“  
اولیس اور بھی مضطرب ہو گیا۔

”مرنے والا تو مر گیا ہے۔ عینی کو اپنی جان بچانی تھی اس لئے اسے بھاگنا پڑا۔“ شمک نے جواب دیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ اس کے ساتھ اولیس بھی چل رہا تھا۔

اولیس نے پوچھا۔ ”عینی مجھے کہاں مل سکتی ہے۔“  
شمک نے جواب دیا ”وہ تمہیں نہیں ملے گی۔“

”کیا کہا تم نے؟ وہ مجھے نہیں مل سکتی؟“ اولیس مضطرب ہو گیا۔ ”کیوں نہیں مل سکتی۔“

”کہاں ہے وہ؟“  
”تم دونوں کی راہیں الگ ہو گئی ہیں۔“ شمک کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا کہ جس سے اولیس کو ظاہر ہو کہ اس بات کا تاثر اسے بھی ہے۔

”تمہیں یہ پتہ ہے کہ وہ اس شہر میں نہیں ہے۔ تمہیں یہ بھی پتہ ہو گا کہ وہ کہاں ہے؟“  
اولیس چیخا۔

”چنچو مت اور یہ یاد رکھو کہ کوئی تمہیں اکیلے چنچتے ہوئے دیکھ سکتا ہے۔“ شمک بولا۔ ”تم فی الحال اس شہر سے نکلنے کی کوشش کرو۔ جتنی جلدی ہو سکتا ہے تم یہاں سے نکل جاؤ۔ مجھے عینی کے بارے میں علم ہو گا تو تمہیں ضرور بتاؤں گا۔“

میں وہ اکیلا نہیں ہوگا بلکہ کچھ اور لوگ بھی فاصلے پر بکھرے ہوئے ہوں گے۔ جونہی اس نے جانے کے لئے اپنا منہ پھیرا اس شخص کی اس پر نظر پڑ گئی اور وہ یوں اولیس کی طرف بھاگا جیسے جس جگہ وہ کھڑا ہے وہاں کوئی ہم پھٹنے والا ہے۔

اولیس کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس نے اسے دیکھ لیا ہے۔ وہ بھاگا۔ دونوں آگے پیچھے بھاگ رہے تھے۔ بھاگتے ہوئے اس آدمی نے اپنا موبائل فون کان کو لگا کر کسی سے بات کی اور پھر موبائل فون کان سے الگ کر کے اولیس کے تعاقب میں اور بھی تیز رفتاری سے بھاگنے لگا۔

اولیس سرپٹ بھاگ رہا تھا۔ اسے کوئی سمجھ نہیں تھی کہ کون سا راستہ کس طرف جاتا ہے۔ وہ کس طرف بھاگ رہا ہے۔ آگے کیا ہے۔ بس وہ بھاگ رہا تھا۔ وہ ان لوگوں سے جتنا بچنا چاہتا تھا وہ اس کا پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہے تھے۔

اسی اثنا میں ایک تیز رفتار کار دھول اڑاتی ہوئی ایک طرف سے نکلی اور اس کے سامنے آڑی ترجیحی کھڑی ہو گئی۔ جس رفتار سے اولیس بھاگ رہا تھا ممکن تھا کہ وہ بھاگتا ہوا کار سے جا ٹکراتا لیکن اس نے کمال ہوشیاری سے ایک جمپ لیا اور کار پھلانگ کر دوسری طرف چلا گیا۔ جونہی اس کے پیرزین سے دوبارہ لگے، اسے اپنا توازن سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ بھاگتے ہوئے لڑکھڑایا اور گرتے گرتے پھر اپنے آپ کو سنبھال کر توازن سے بھاگنا شروع کر دیا۔ اس کی رفتار پہلے سے بھی تیز ہو گئی تھی۔

کار پھر اس کے پیچھے چلنے لگی۔ اولیس کو دائیں جانب ایک گلی دکھائی دی وہ اس میں چلا گیا جبکہ کار سیدھی نکل گئی اور جو آدمی اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا، وہ آدمی بھاگتا ہوا اس گلی میں اس کے پیچھے داخل ہو گیا۔

گلی زیادہ لمبی نہیں تھی۔ اولیس گلی سے باہر نکلا ہی تھا کہ وہی کار اس کے سامنے کھڑی ہو گئی اور کار کے دروازے یک دم کھلے، اندر سے آدمی نکل کر اولیس کی طرف لپکے۔ اولیس نے اپنا رخ بدلا لیکن ایک نے جست لگا کر اولیس کو پکڑ لیا۔

اولیس نے کوشش کی کہ وہ اس سے اپنے آپ کو چھڑا لے۔ اولیس نے پکڑنے والے کو دو، تین گھونٹے بھی رسید کئے لیکن اس کی گرفت ڈھیلی نہیں ہوئی۔ اسی اثنا میں دوسرے آدمیوں نے بھی اسے دبوچ لیا تھا اور یوں بھاگنے کی پوری کوشش کرنے کے باوجود اولیس ان کی گرفت میں آ گیا۔

☆=====☆=====☆

کار شہر سے ہٹ کر ایک ایسی آبادی میں موجود گھر کے سامنے رکی، جہاں خال خال گھر دکھائی دے رہے تھے۔ گھر کا گیٹ لکڑی کا تھا۔ وہ کھلا اور کار اندر چلی گئی۔ گیٹ پھر بند ہو گیا۔ دور تک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آسمان پر چمکتا ہوا چاند اپنی چاندنی بکھیر رہا تھا۔ رات سرد و ہوری تھی۔

کار کا دروازہ کھلا، دو آدمی دائیں بائیں سے باہر نکلے۔ پھر ایک نے اولیس کو گریبان سے پکڑ کر باہر کھینچا۔ وہ اسے اندر لے گئے۔

وہ کمرا اتنا بڑا نہیں تھا۔ اس کمرے میں ایک چارپائی اور ایک کرسی پڑی ہوئی تھی۔ وہ تین آدمی، اولیس کو پکڑے اس کمرے میں داخل ہوئے۔ اولیس کو انہوں نے چارپائی پر دھکا دے دیا۔ اس کے بعد وہ تینوں آدمی ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ اولیس ان تینوں کو گھور رہا تھا۔ معاً کمرے کا دروازہ ایک بار پھر کھلا اور کاشف نمودار ہوا۔ اولیس نے اس کی طرف نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ کاشف اس سامنے کھڑا ہو گیا۔

”تمہاری بیوی کہاں ہے؟“ کاشف نے خشک لہجے میں سوال کیا۔ اس کے لہجے میں تغیر تھا۔ آنکھوں کی سرخی بتا رہی تھی کہ اس کے اندر آگ جل رہی ہے۔ چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ ”مجھ سے پوچھنے کی بجائے اس سوال کا جواب تم مجھے دو۔ کہاں ہے عینی۔“ اولیس نے آنکھیں نکالیں۔

جانتے ہو اس نے دھکا دے کر کسے مار دیا ہے؟“ کاشف غرایا۔ ”اس کی زندگی تو سمجھو اب ختم ہو ہی گئی ہے لیکن تم بھی نہیں بچو گے۔ بہت برا کر دیا ہے اس نے۔ اس نے میرا دوست چھین لیا ہے۔“

”یہ سب تمہارا کیا دھرا ہے۔ تم ہی اسے لے کر گئے تھے۔ تم نے دوستی کے نام پر مجھے دھوکہ دیا ہے۔“ اولیس کو بھی غصہ تھا۔ ”تم دھوکے باز ہو۔ تم کیا جانا دوستی کیا ہوتی ہے۔“

”مجھے بار بار دوستی کا مت سناؤ اور یہ دھوکہ کیا ہوتا ہے؟ تمہاری بیوی نے میرا دوست میرا بھائی مجھ سے چھین لیا ہے۔“ کاشف کو اس کی موت کا بہت ہی دکھ تھا۔ وہ اس کے سامنے کھڑا بیٹھ رہا تھا۔

”تم سے دوستی کی بات کرنی ہی نہیں چاہئے۔ تم کو کیا پتہ دوست کیا ہوتا ہے اور جس دوست کی موت کا غم تم مجھے سنار ہے ہو مجھے یہ بھی تمہارا ڈھونگ ہی لگ رہا ہے۔“ اولیس نے

کہا۔

”تم جانتے ہو کہ وہ کس کا بھائی تھا؟“ کاشف نے اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں پوسٹ کر دیں۔ اس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔

”مجھے یہ جان کر کیا لینا ہے کہ وہ کس کا بھائی تھا۔“ اولیس کو عینی کی پریشانی ہو رہی تھی۔

”تم نے ہم دونوں کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔“

”ابھی پتہ چل جائے گا۔ تمہاری بیوی کو ہمارے آدمی کتوں کی طرح ڈھونڈ رہے ہیں۔ دیکھنا اس کا کیا حشر ہوتا ہے۔“ کاشف کا غصہ کم نہیں ہوا تھا۔ ”اسد کی موت کا ایسا انتقام ہم لیں گے کہ عبرت بن جائے گا ہمارا انتقام۔“

”اگر میری بیوی کو کچھ ہوا تو یاد رکھنا میں تم لوگوں کا وہ حال کروں گا کہ تم لوگوں نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔“ اولیس نے دانت پس کر کہا۔ ”تم مجھے کالج کے زمانے سے جانتے ہو کہ میں نڈر بھی ہوں اور دشمنی نبھانا بھی جانتا ہوں۔“

”یہ نوبت ہی نہیں آئے گی کہ تم ہمارا کچھ بگاڑ سکو۔ تم صرف برا ہوتا ہوا دیکھو گے۔“

کاشف نے غصے سے اپنا ہاتھ جھکا اور اپنے آدمیوں کا اشارہ کر کے وہ کمرے سے بیچ تاب کھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کے جاتے ہی اس کے آدمیوں نے اولیس کو پکڑا اور رستی کے ساتھ اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر کرسی پر بٹھا دیا اور پھر کرسی بھی اس کے ساتھ باندھ دی۔ اس کے بعد وہ سب اس کمرے سے باہر نکل گئے۔ جاتے ہوئے وہ ٹیوب لائٹ بند کر گئے تھے جس سے کمرے میں گھپ اندھیرا ہو گیا تھا۔ اولیس کو کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے دائیں گھمائیں اپنی نگاہیں گھما کر دیکھنے کی کوشش کی۔

☆=====☆=====☆

کمر پوری طرح سے اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ خاموشی اور سناٹا ایسا تھا جیسے اس جگہ کوئی ذی رون نہ ہو۔ اولیس کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب سے اس کمرے میں رستیوں کے ساتھ بندھا ہوا کرسی پر بیٹھا ہے۔ اسے بیٹھے ہوئے بہت دیر ہو گئی تھی۔ وہ تھک چکا تھا۔ اس کے جسم میں درد ہونے لگا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کچھ پل کے لئے ہی سہی کہیں لیٹ جائے۔ کوئی اسے کھول دے۔ اس سے زیادہ اس طرح سے بیٹھنا ممکن نہیں ہو رہا تھا۔ رسیاں توڑنے کے لئے وہ کئی بار زور آزمائی بھی کر چکا تھا۔ اولیس نے اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کئی بار دیکھا

تھا لیکن اسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اولیس بلند آواز سے چلایا۔ ”کوئی ہے یہاں..... کوئی ہے اس جگہ..... مجھے یہاں سے نکالو۔“

جونہی اولیس چپ ہوا ایک بار پھر سکوت اور سناٹے نے اس جگہ ڈیرے جمائے۔ اولیس نے اپنے ہاتھوں کو زور سے ہلاتا شروع کر دیا۔ وہ رسی کو توڑ دینا چاہتا تھا۔ نائیلون کی رستی سے اس کے ہاتھ پاؤں بڑی مضبوطی سے باندھے ہوئے تھے کہ وہ محض اسے توڑنے کی کوشش ہی کر سکا۔ وہ اکتا گیا تھا۔

اسی طرح سے کچھ وقت اور گزر گیا اور کمرے کا دروازہ کھلا تو باہر سے روشنی اندر آئی۔ اس روشنی کی وجہ سے اولیس کمرے میں دیکھنے کے قابل ہوا تھا۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف تھیں۔ آنے والے کا چہرہ واضح نہیں تھا۔

کمرے میں پہلے وہ تین آدمی آئے اور ایک نے کمرے کی ٹیوب لائٹ روشن کر دی۔ اولیس کی آنکھیں یک دم روشنی برداشت نہ کر سکیں اور اس نے کچھ دیر کے لئے اپنی آنکھیں بند کرنے کے بعد کھولیں تو سامنے کاشف کھڑا اسے گھور رہا تھا۔

اولیس نے ایک نظر کاشف کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”مجھے کھولو۔“ میں کہتا ہوں مجھے کھولو۔“

”کیوں کھولیں تجھے؟“ کاشف نے سرد مہری سے پوچھا۔ ”تکلیف ہو رہی ہے؟“

”مجھے کھول دو۔ مجھے کیوں باندھا ہے۔“ اولیس نے کہا۔ ”اب مجھ سے کیا چاہتے ہو تم؟“

کاشف پھٹ پڑا۔ ”تمہاری بیوی نے میرے دوست کو مارا ہے۔ اس کی جان لی ہے۔ تم دونوں ہی اب مارے جاؤ گے۔ تم سے تمہاری جان چاہتے ہیں ہم۔ اس انتظار میں ہیں کہ تمہاری بیوی مل جائے اور تم دونوں کو ہم موت کے حوالے کر دیں۔“

”ایک بار مجھے کھول دو۔ تمہاری زبان میں تمہارے منہ سے نکال کر کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔ تمہاری گردن میں تمہارے جسم سے الگ کر دوں گا تا کہ تم کبھی پھر کسی دُست کو دھوکہ نہ دے سکو۔“ اولیس چلایا۔

کاشف نے پوری قوت سے اولیس کے منہ پر گھونسہ رسید کر دیا کہ اولیس کرسی سمیت نیچے گر گیا۔ اس کا بائیں طرف سے ہونٹ پھٹ گیا اور خون باہر نکلنے لگا۔ اولیس اس کا غصہ اپنے



دانت پینے کے سوا نکال نہیں سکا۔

”میری گردن کاٹنے کی بات کرتے ہو۔ تمہاری اتنی ہمت۔ اتنی جرأت کہ تم مجھے ایسا کہو۔“ کاشف کا غصہ آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ ”جانتے ہو تم کس سے بات کر رہے ہو۔ کسی کا خون کرنا میرے لئے ایسے ہی جیسے کوئی کھسی ماردی، اور تم مجھے غصہ دکھا رہے ہو۔ مجھ سے ایسے بات کر رہے ہو۔“

”مجھے کھول کر بات کرو بزدل کتے۔“ اولیس چیخا۔ ”تمہاری ہڈیاں توڑ کر تجھے اپنا بچ بنا کر کسی چوراہے میں نہ چھوڑ آؤں تو میرا نام بھی اولیس نہیں ہے۔ کھول کر دیکھ کیا حشر ہوتا ہے تیرا۔“

”اب تمہاری موت ہی تجھے یہاں سے آزاد کرائے گی۔“ کاشف نے کہہ کر ایک آدمی کو اشارہ کیا اور اس نے کرسی سمیت اولیس کو پھر بٹھا دیا۔ اولیس کے ہونٹ سے خون نکل رہا تھا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ قہر آلود نگاہوں سے کاشف کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا اور نہ وہ کاشف کو اسی جگہ گاڑ دیتا۔

معاذ دروازے پر ایک اور چہرہ دکھائی دیا۔ اس کی عمر ساٹھ سال سے زیادہ تھی۔ اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ سر پر ٹوپی رکھی ہوئی تھی۔ کھلی شلوار قمیص زیب تن کی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ اُداس اور غمگین تھا۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی وہ چاروں سیدھے ہو کر کھڑے ہو گئے۔ جبکہ اولیس اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ شخص اولیس کے پاس چلا گیا۔ اس کی مینڈک جیسی آنکھیں اولیس کے چہرے پر پیوست تھیں۔ وہ مسلسل اسے گھور رہا تھا۔ اسی انداز میں اس نے اولیس کے گرد ایک چکر کاٹا اور کاشف کی طرف دیکھا۔

”یہ ہی ہے وہ اولیس..... اس کی بیوی نے اسد کو دھکا دیا تھا۔“ کاشف نے بتایا۔ اس نے بتاتے ہوئے نظر اٹھا کر اس شخص کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

”اس کی بیوی ملی۔“ اس نے غمزہ سی آواز میں پوچھا۔ ”تلاش کیا اس کی بیوی کو؟“

”تلاش جاری ہے۔“ کاشف نے آنکھیں جھکائے جواب دیا۔ ”ہمارے آدمی چاروں

طرف پھیلے ہوئے ہیں۔“

”کب تک تلاش ہی جاری رہے گی؟“ اس شخص نے بڑے تحمل سے سوال کیا۔

”ہمارے دل میں پلنے والا لاوا جب کبھی اور پر اُبل پڑے گا؟ ایک چھوٹی سی تم لوگوں کے قابو نہیں

آ رہی ہے۔ اسد کو دھکا دے کر وہ اس جگہ سے غائب ہو گئی۔ تم سب لوگ اس وقت کیا سو رہے تھے۔“

”اس وقت پلیٹ فارم پر بہت رش تھا۔ وہ اس رش سے فائدہ اٹھا گئی اور بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئی۔“

”رش کیا ہوتا ہے؟ تم لوگوں کی یہ نااہلی ہے کہ وہ میرا بھائی مار کر فرار ہو گئی۔“ وہ شخص بولا۔

کاشف نے خوف سے تھوک نگلا۔ ”میں نے کچھ اور آدمیوں کو بھی اس کی تلاش پر لگا دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جلدی ہم عینی کو تلاش کر لیں گے۔ وہ ہمارے ہاتھ سے بچ کر کہیں نہیں جائے گی۔“

”اور اگر وہ جلدی تلاش نہ ہوئی تو کیا ہوگا؟ جانتے ہو تم کہ اسد میرا چھوٹا بھائی تھا۔ میری جان تھا وہ۔“ اس بار اس شخص کے لہجے میں تغیر آ گیا اور تحمل غصے میں بدل گیا۔ وہاں کھڑے سب ہی کانپ گئے۔ جبکہ اولیس چپ چاپ ان دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ اس شخص کی آنکھوں کی سرخی دو چند ہو گئی تھی۔

”ہم جانتے ہیں۔“ کاشف دھیرے سے بولا۔ ”آپ مجھ پر اعتماد کریں وہ چند گھنٹوں میں آپ کے پاس ہوگی۔“

”جب تک میں اسے اپنے ہاتھوں سے مار نہیں دوں گا مجھے سکون نہیں ملے گا۔“ اس شخص نے سفاک لہجہ اپنالیا۔ اولیس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ”تم جانتے ہو کہ دشمن کے خون سے جب تک میں اپنے ہاتھ رنگ نہ لوں مجھے چین نہیں آتا۔ میری روح میں بے چینی دوڑتی رہتی ہے۔“

”آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ وہ کہیں نہیں جائے گی اور آپ کے سامنے ہوگی۔“ کاشف نے ایک بار پھر تسلی دی۔ ”اسد میرا دوست تھا۔ وہ میرے بھائی جیسا تھا۔ مجھے بھی اس کا غم ہے۔“

”مجھے وقت ضائع کرنا اچھا نہیں لگتا۔“ اس شخص نے کہا۔ ”مجھے دوسری بار کہنا نہ پڑے۔“

”وقت ضائع نہیں ہوگا۔“ کاشف بولا۔ ”اس کا کیا کرنا ہے۔“

”اسے مار دو اور کیا کرنا ہے۔ ختم کر داسے۔ اس کی ہڈی پٹی توڑ کر اس کمرے میں سجا

دو کہ جب اس کی بیوی کو پکڑ کر لاؤ تو اسے یہ سب دکھاؤ۔ تاکہ اسے ایک ایک پل اذیت ملے۔“ وہ شخص آپے سے باہر ہو گیا۔ اس کے چیخنے کی آواز شاید دور تک سنائی دے رہی تھی۔ وہ چاروں تو خوفزدہ تھے ہی اولیس کا بھی دل دھڑکا۔

”ابھی مار دیں؟“ کاشف نے پوچھا۔

وہ شخص چپ ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو۔ پھر بولا۔ ”اے رکھ کر ہم نے کیا کرنا ہے۔ رات کے اس اندھیرے میں اسے کہیں باہر لے جاؤ اور مار کر اس کی لاش کسی درخت کے ساتھ لٹکا دینا۔“

”ٹھیک ہے میں اسے باہر لے جاؤں گا۔“ کاشف نے اثبات میں سر ہلایا۔ ”اس کا کام ابھی ہو جاتا ہے۔“

ایک دم وہ شخص کسی پاگل کی طرح گھوما اور اولیس کے سر کے بال اپنی مٹھی میں لے کر جھنجھوڑ کر پھینکارتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تیری بیوی نے میرے بھائی کو موت کی نیند سلا دیا۔ اس کا انجام دیکھے گا کہ انجام سے پہلے تو بھی موت کو گلے لگانا پسند کرے گا..... بول۔ منہ کھول۔“

”تم بھی سنبھل جاؤ اور اپنے بھائی کی موت کو یاد کرو۔ کہیں ویسا ہی انجام تمہارا بھی نہ ہو جائے۔“ اولیس نے بلا خوف کہہ دیا۔

اس کی بات سن کر وہ سب سن رہ گئے۔ وہ شخص، اولیس کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کے سامنے تو بڑے بڑے کانپتے تھے اور اولیس نے ایسی ہمت سے یہ کہہ دیا تھا۔ وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کاشف کی طرف متوجہ ہوا۔

”اس کی یہ ہمت کہ یہ مجھے ایسا کہے۔“ وہ قہر آلود لہجے میں بولا۔

”میں ابھی اس کا کام کر دیتا ہوں۔ زبان نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیتا ہوں۔“ کاشف نے خنجر نکال لیا۔

”اے زندہ رکھو۔ ابھی اسے مارنا نہیں ہے۔ بچا کر رکھو اسے۔“ اچانک اس شخص نے اسے روک دیا۔

”بہتر۔“ کاشف نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اسی جگہ رک گیا تھا۔ وہ حیران تھا کہ اس نے اس نے اس کا کام ختم کرنے کیوں نہیں دیا اور اولیس کو زندہ رکھنے کا کیا مقصد ہے۔ کیا سوچ کر اس نے اپنا فیصلہ یک دم تبدیل کر لیا ہے۔

وہ شخص اس کمرے سے باہر چلا گیا۔ کاشف نے متحیر نگاہوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ اولیس کے اس لہجے کی سزا دیے بغیر ہی وہ کمرے سے چلا گیا۔ بلکہ کچھ دیر پہلے جو اس نے اولیس کو مار دینے کی بات کی تھی اس سے بھی اس نے روک دیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد پھر وہ بھی اس کمرے سے باہر چلے گئے۔ کمرے کی ٹیوب لائٹ روشن ہی چھوڑ گئے تھے یا پھر شاید اسے بند کرنا وہ بھول گئے تھے۔

☆=====☆=====☆

اولیس کو عینی کی فکر ستا رہی تھی کہ اگر وہ ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی تو جانے یہ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں۔ ان کی باتوں اور ارادوں سے لگتا تھا کہ وہ عینی کو موت کی نیند سلا کر ہی دم لیں گے۔

وہ خود اس کمرے میں بند تھا۔ وہ گردن جھکائے ان ہی سوچوں میں مستغرق تھا کہ اچانک اسے سرسراہٹ سنائی دی۔ اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔ وہ چونکا۔ سامنے شمشک کھڑا تھا۔

جس گرم جوشی سے اس نے شمشک کی طرف دیکھا تھا اسی سرعت سے اس کی گرم جوشی سرد مہری میں بدل گئی تھی۔ اولیس بڑبڑانے کے لہجے میں بولا۔

”تمہارے آنے کا کیا فائدہ جب کہ تم میری کوئی مدد ہی نہیں کر سکتے۔ تم بھی بے بس ہو۔“

”تمہاری مدد کے لئے ہی تو آتا ہوں۔ تجھے کوئی نئی بات بتا دیتا ہوں۔“ شمشک نے کہا۔ ”کیا یہ تمہارے لئے کم ہے کہ میں تجھے آنے والے وقت سے پہلے مطلع کر دیتا ہوں۔“

”لیکن تم مجھے کھول تو نہیں سکتے۔ اس جگہ سے آزاد تو نہیں کر سکتے ناں۔“ اولیس نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔

”ہاں یہ میں نہیں کر سکتا۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ میں کسی چیز کو چھو نہیں سکتا۔“ شمشک نے اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔ ”کاش یہ طاقت میری سلب نہ ہوئی ہوتی اور میں تمہاری اس سلسلے میں بھی مدد کر سکتا۔“

”یعنی کی کوئی خبر ہے۔ وہ اس وقت کہاں ہے۔“ اولیس نے سوال کیا۔ ”مجھے اس کی بہت فکر ہے۔“

”یعنی کی کوئی خبر نہیں ہے۔ دنیا کے جہوم میں جانے کہاں گم ہو گئی ہے وہ۔“ شمشک اس

کے سامنے دائیں بائیں خراماں خراماں ٹہلنے لگا۔ ”اپنی طاقت کے مطابق میں اسے جہاں ڈھونڈ سکتا تھا میں نے دیکھ لیا۔“

”میں یہاں سے آزاد ہو سکتا ہوں کہ نہیں؟ یا یہ لوگ مجھے اسی جگہ ماردیں گے۔“ اولیس نے پوچھا۔

”تم ابھی آزاد ہونے والے ہو۔“ شمشک نے بتایا۔ ”ابھی کچھ دیر کے بعد تم اس کمرے سے باہر ہو گے۔“

”مجھے کون آزاد کرے گا؟“ اولیس کی آنکھوں کی چمک بڑھ گئی۔ ”میرا کوئی ہمدرد پیدا ہو جائے گا۔“

”جنہوں نے تمہیں باندھا تھا یہ ہی تمہیں آزاد کریں گے۔“ شمشک بولا۔ ”ابھی تم آزاد ہو جاؤ گے۔“

”پھر.....؟“ اولیس نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”جس آدمی کو تم نے اس کا انجام یاد دلانے کی بات کی تھی اسے تمہارا لہجہ اور بات پسند نہیں آئی۔“ شمشک نے کہا۔

”وہ میری بات سن کر جا چکا ہے۔“ اولیس بولا۔

”اس نے تمہاری بات برداشت کی اور چلا گیا۔ جانتے ہو کیوں؟“ شمشک نے سوالیہ نگاہیں اس پر مرکوز کر دیں۔

”کیوں؟“ اولیس نے پوچھا۔

”کیونکہ وہ تمہیں اس کی سزا دینا چاہتا ہے۔ تمہیں آسان موت کی بجائے اذیت ناک موت سے دوچار کرنا چاہتا ہے۔ جانتے ہو کیسے؟“ شمشک نے بتا کر اس سے پھر سوال کیا۔

”مجھے نہیں معلوم۔“ اولیس نے متانت سے نفی میں گردن ہلائی۔ ”تم بتاؤ کہ اس کا کیا ارادہ ہے؟“

”اس کے پاس چھ خونخوار کتے ہیں۔ جنہوں نے کبھی گوشت کے سوا کچھ کھایا ہی نہیں ہے۔ وہ گوشت کھاتے ہیں کسی جانور کا یا پھر انسان کا۔ گوشت ہی ان کی مرغوب غذا ہے۔“

شمشک کہہ کر رکا۔ چند ثانیے کے بعد وہ بولا۔ ”ابھی یہ لوگ تمہیں یہاں سے باہر لے جائیں گے اور وہ چھ کتے تمہارے پیچھے چھوڑ دیں گے۔“

”پھر کیا ہوگا؟“ اولیس کے منہ سے جلدی سے نکلا۔ وہ بدستور شمشک کی طرف دیکھ رہا

تھا۔

”تمہارے پیچھے وہ کتے بھاگیں گے۔ تجھے کانٹے نوچنے اور تمہاری ایک ایک بوٹی کرنے کے لئے۔“ شمشک کا لہجہ عجیب سا ہو گیا۔ ”بھاگ پاؤ گے ان خونخوار کتوں سے؟“

”مجھے کیا کرنا ہوگا؟“ اولیس نے سوال کیا۔ وہ یہ سب سن کر گھبرا رہا تھا۔ ”کیسے بچنا ہوگا مجھے ان سے؟“

”تم جانتے ہو کہ میں کسی بھی بات کا حل اپنے دماغ میں نہیں رکھتا۔ صرف بتا سکتا ہوں اور تمہیں بتا رہا ہوں۔ کیونکہ ابھی میں اس کی ساری منصوبہ بندی سن کر آ رہا ہوں۔“ شمشک اطمینان سے بولا۔

”وہ کتے تو مجھے چیر بھاردیں گے۔“ اولیس پریشان ہو گیا۔ ”بہت تیز رفتار ہوتے ہیں وہ۔“

”ان کتوں کے لئے کسی کو چیر پھاڑ دینا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اگر ان کتوں نے تمہیں پکڑ لیا تو تمہاری ہڈیاں اس علاقے میں بکھر جائیں گی۔“ شمشک کا لہجہ خطرناک ہو گیا تھا۔ ”تمہارے خون کے قطرے جانے اس زمین پر کہاں کہاں دکھائی دیں گے۔“

”اوہ خدا..... میں کہاں پھنس گیا ہوں۔“ اولیس نے اپنے ہونٹ جھنجھک لئے۔ ”میں تو ان کے آنے سے پہلے یہاں سے بھی نہیں نکل سکتا۔“

”تم بھاگ سکتے ہو۔ ستائیس سیکنڈ میں بھاگ کر تم میرے پاس پارک میں آ گئے تھے، تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو وہ اتنے وقت میں وہاں تک نہ پہنچ سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم بہت تیز رفتار بھاگ سکتے ہو۔ تمہارے اندر ہمت ہے۔ تم ایک بہادر نوجوان ہو۔ تمہارا دل مضبوط چٹان کی طرح ہے۔ یہ میں جانتا ہوں۔“ شمشک اس سے کچھ فاصلے پر اس کی طرف جھکا۔

”ہماری زندگی کی کیسی کا یا پلٹ گئی ہے۔“ اولیس دھیرے سے بولا۔ ”میں یہ سب دیکھ کر حیران ہوں۔“

”یاد رکھو مسٹر اولیس۔ جب وہ تجھے کہیں کہ بھاگو، تم بھاگ کھڑے ہونا۔ جتنی تیز بھاگ سکتے ہو بھاگنا۔ تمہارے پیچھے چھ کتے بھاگیں گے۔ ایک ان میں زیادہ تیز رفتار ہوگا۔ اس کا تم سے ستائیس قدموں کا فاصلہ رہے گا۔ تم سیدھے بھاگتے جانا۔ آگے ریلوے ٹریک آئے گا۔ ٹھیک اس وقت وہاں سے ایک ٹرین گزرے گی جس کی رفتار تیز نہیں ہوگی۔ تم بھاگ کر اگر

ٹرین میں سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے تو بج جاؤ گے ورنہ تم سے ستائیس قدم پیچھے دوڑنے والا کتا تجھے چیر پھاڑ دے گا۔“ شمشک کہہ کر چپ ہو گیا۔

اولیس اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی اور آنکھوں کی پتلیاں جیسے مضطرب دکھائی دے رہی تھیں۔

کچھ وقف کے بعد شمشک بولا۔ ”تمہارے اور موت کے درمیان محض ستائیس قدموں کا فاصلہ ہوگا۔ یہ فاصلہ سمٹ گیا تو تمہاری زندگی کی کتاب بند ہو جائے گی۔“

”مجھے یوں لگتا ہے جیسے..... جیسے میں اب کبھی عینی سے نہیں مل سکوں گا۔“ اولیس کو دکھ ہونے لگا۔

”کاش مجھے یہ پتہ ہوتا۔“ شمشک نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ ”لیکن تم ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں ہو۔“

”کیا تمہاری طاقت تمہیں پھر سے نہیں مل سکتی؟ کیا وجہ ہے کہ تم بے اختیار اور کمزور ہو۔“ اولیس نے پوچھا۔

”اپنی طاقت کو پھر سے پانے کے لئے میں تم سے بھی کہیں زیادہ بے چین ہوں۔“ شمشک نے متانت سے جواب دیا۔

”کس نے تمہاری طاقت چھینی ہے۔“ اولیس نے سوال کیا۔ ”شاید میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں۔“

”تم یہ جان کر کیا کرو گے۔ بہتر ہے کہ ان باتوں پر دھیان مت دو اور یہ سوچو کہ ستائیس قدموں کے اس فاصلے کو کیسے تم نے کم نہیں ہونے دینا۔“ شمشک نے کہا۔ ”ستائیس قدم پر دوڑتی ہوئی موت سے کیسے تم نے بچنا ہے۔“

”ستائیس..... ستائیس..... ستائیس..... یہ ہندسہ کب مجھ سے الگ ہوگا۔“ اولیس اکتا گیا۔

”میں چلتا ہوں۔“ شمشک دیوار کی طرف بڑھا۔

”ہاں تم رک کر کمر بھی کیا سکتے ہو۔“ اولیس نے سر جھکا لیا۔ شمشک نے اس کی طرف دیکھا اور ایک معنی خیز مسکراہٹ سجا کر دیوار میں تحلیل ہو گیا۔

☆=====☆=====☆

رات کا اندھیرا دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ہو کا عالم تھا۔ کہیں کسی کتے کے بھونکنے کی آواز

سکوت کو توڑ دیتی تھی۔ چاند آسمان پر چمک رہا تھا۔

کاشف کے ساتھی اولیس کو اس گھر سے باہر کچھ دور لے آئے تھے۔ جہاں دور تک میدان اور پھر آگے درختوں کا ایک سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ اس جگہ ایک بندوین کھڑی تھی۔ جس کے اندر سے غرانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ اسد کا بھائی ایک طرف کھڑا قہر آلود نگاہوں سے اولیس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اولیس کی ٹانگیں رسی سے آزاد تھیں لیکن اس کے ہاتھ ابھی تک پیچھے کی طرف باندھے ہوئے تھے۔ اولیس نے دور تک تک جائزہ لیا۔

اس شخص نے کاشف کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کاشف کل کا سورج غروب ہونے سے پہلے کہیں سے بھی اس کی بیوی میرے سامنے موجود ہو۔ میں نہیں جانتا کہ تم نے اسے کہاں سے تلاش کرنا ہے۔ کیسے تلاش کرنا ہے۔ مجھے وہ ہر حال میں چاہئے۔“

”ایسا ہی ہوگا۔ میں اسے تلاش کر لوں گا۔“ کاشف نے فوراً ہامی بھری۔ ”یہ میری فکر ہے۔“

”اسے کھول دو اور کہو کہ یہ بھاگ جائے۔“ اس نے کہہ کر منہ دوسری طرف کر لیا۔

ایک نے کاشف کا اشارہ پاتے ہی اس کے ہاتھوں کی رسی کھول دی۔ کاشف نے کہا۔ ”جاؤ بھاگ جاؤ۔“

کاشف کا اتنا کہنا تھا کہ اولیس نے انتظار نہیں کیا اور سامنے کی طرف بھاگنا شروع کر دیا۔ کاشف اور اس شخص کا خیال تھا کہ اولیس بھاگنے میں تذبذب کا شکار ہوگا کہ کہیں پیچھے سے اس پر گولی نہ چلا دی جائے۔ وہ ڈرے گا لیکن ان کی سوچ کے برعکس وہ کمان سے نکلے تیر کی طرح بھاگ کھڑا ہوا اور بھاگتا ہوا وہ کافی آگے نکل گیا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا اور پھر اس نے جلدی سے اشارہ کیا۔ کاشف نے دوسرے آدمی کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔ وہ فوراً وینگن کی طرف بڑھا۔

اس نے وینگن کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی غراتے ہوئے چھ خونخوار قسم کے کتے باہر نکلے اور اس شخص نے ایک کتے کا نام لے کر اس طرف اشارہ کیا جس طرف اولیس بھاگا تھا۔ وہ کتا اس طرف بھاگا اور اس کے پیچھے باقی پانچ کتے بھی بھاگنے لگے۔

تاریک ماحول میں کتوں کے بھاگنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ اس کھیل کو جاری ہوئے کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ پولیس کی بھاری نفری وہاں پہنچ گئی۔ جس نے ان سب کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ پولیس کا مخبر انہیں یہاں تک لے کر آیا تھا۔ اگر وہ کچھ دیر پہلے اس جگہ

آکر اپنی پوزیشن سنبھال لیتے تو شاید اولیس کے پیچھے کتے چھوڑنے کی نوبت نہ آتی۔  
وہ سب پولیس کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ وہ چاروں طرف سے گھر چکے تھے۔ بھاگنے کا  
کوئی راستہ نہیں تھا۔

☆=====☆=====☆

اولیس پوری رفتار سے بھاگ رہا تھا۔

کتے اس کے پیچھے تھے۔ میدانی علاقہ جلدی ہی ختم ہو گیا تھا۔ سامنے جا بجا درخت تھے۔  
وہاں چاند کی روشنی پوری طرح سے نہیں پہنچ رہی تھی۔ اولیس کے لئے بھاگنا مشکل ہو رہا تھا  
لیکن اسے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا تھا۔ وہ سیدھا بھاگ رہا تھا۔

ایک کتا سب سے آگے تھا۔ اس کی رفتار دوسرے کتوں سے زیادہ تھی۔ اس کا منہ کھلا  
ہوا تھا اور نوکیلے دانت باہر دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی تیز نگاہیں اولیس پر مرکوز تھیں اور اس  
کی بھاگتی ہوئی ٹانگوں کو دیکھ کر لگ رہا تھا جیسے ان میں بجلی بھری ہوئی ہے۔ اولیس اور اس کتے  
میں ستائیس قدموں کا فاصلہ تھا۔ جسے وہ کتا عبور کرنے کی پوری تگ و دو میں تھا جبکہ اولیس بھی  
اس سعی میں تھا کہ اس فاصلے کو کم نہ ہونے دے۔

تغائب، بھاگنے اور اپنے آپ کو بچانے کا یہ سلسلہ چلتا رہا اور درختوں کے جھنڈ بھی ختم  
ہو گئے۔ سامنے پھر میدانی علاقہ آ گیا۔ چاند کی روشنی میں دیکھنا ممکن ہو گیا تھا۔ اولیس دور یہ  
دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ریلوے کا ٹریک کہاں ہے، لیکن اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس  
کشکش میں ایک طرف سے آتی ہوئی ٹرین کی آواز، اور اس کی تیز روشنی کا نقطہ دکھائی دینے  
لگا۔

اولیس کی سانس پھول چکی تھی۔ مزید تیز بھاگنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ شاید وہ گر  
جاتا اور خونخوار کتے اسے نوچ کھاتے لیکن اسے اپنی جان بچانی تھی۔ ابھی اسے عینی سے بھی ملنا  
تھا۔ وہ بھاگتا رہا اور کتے اس کے پیچھے لگے رہے۔

ٹرین کی رفتار زیادہ نہیں تھا۔ انجن اس کے سامنے سے گزر گیا اور ڈبے گزرنے  
لگے۔ اولیس کی کوشش تھی کہ وہ کسی طرح سے کسی ڈبے میں بھاگتے ہوئے سوار ہو جائے۔  
سردی کے اس موسم میں ٹرین کے ہر ڈبے کا دروازہ بند تھا۔ وہ ٹرین کے ساتھ بھاگ رہا تھا۔  
ٹرین آگے گزرتی جا رہی تھی۔ کتے اس کے پیچھے تھے۔ سب سے آگے والے کتے کا فاصلہ اتنا  
ہی تھا۔

اچانک ایک ٹرین کے ڈبے کا دروازہ کھلا۔ ایک آدمی جس کا چہرہ ٹھیک سے اولیس  
بھاگتے ہوئے دیکھ نہیں سکا تھا، وہ دروازے پر آیا۔ اس نے پہلے کتوں کی طرف اور پھر اولیس  
کی جانب دیکھا۔ اس آدمی نے اپنا ایک ہاتھ اولیس کی طرف بڑھا دیا۔ اولیس نے بھاگتے  
ہوئے اس کا ہاتھ پکڑنے کے لئے اپنا بھی ہاتھ بڑھایا۔

اس آدمی نے اپنے ایک ہاتھ سے ٹرین کے دروازے میں لگا ہوا راڈ پکڑا ہوا تھا اور  
دوسرا ہاتھ اولیس کی طرف بڑھائے وہ تقریباً اس کی جانب جھکا ہوا تھا۔ اولیس کے پیچھے  
بھاگتے ہوئے کتے کا فاصلہ کم ہو گیا تھا۔ شاید دونوں کے درمیان چند قدم حائل رہ گئے تھے۔  
اچانک اولیس نے اپنا ہاتھ اس آدمی کے ہاتھ میں دے دیا اور اس آدمی نے پوری قوت سے  
اولیس کو اپنی جانب کھینچ لیا اور اولیس ٹرین میں سوار ہو گیا۔ ٹرین چلتی رہی اور وہ کتے بھاگتے  
ہوئے پیچھے رہ گئے۔ ٹرین کی رفتار اور بھی تیز ہو گئی تھی۔

☆=====☆=====☆

”میں ایک عرصے سے یہاں اکیلی ہی رہ رہی ہوں۔ میرے تمام رشتے دار مجھے چھوڑ گئے ہیں۔ کوئی بھی مجھے نہیں ملتا۔ مجھ سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کرتا۔ اس محلے کے لوگ، خواتین بھی مجھ سے بات نہیں کرتی ہیں۔ مجھے دیکھ کر راستہ بدل لیتی ہیں۔ بچے مجھ سے ڈرتے ہیں۔ کسی کے دل میں بھی میرے لئے پیار نہیں ہے۔“ بوڑھی عورت اس کی طرف دیکھتی ہوئے کہنے لگی۔ اس کے لہجے میں جیسے دکھ تھا۔

یعنی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اسے وہ بوڑھی عورت دکھی اور تنہائی کی ماری ہوئی لگی۔

”تم مجھ سے پوچھو گی نہیں؟“ بوڑھی عورت نے اچانک اس کی طرف دیکھ کر معصومیت سے کہا۔

”کیا؟“ یعنی چونکی۔

”یہ کہ سب لوگ مجھ سے کیوں بات نہیں کرتے؟ یہ لوگ مجھ سے نفرت کیوں کرتے ہیں۔“ بوڑھی عورت بولی۔

”کیوں نہیں بات کرتے؟“ یعنی کے منہ سے جیسے یہ سوال خود بخود نکلا ہو۔

بوڑھی عورت بولی۔ ”سب کہتے ہیں میں جادو گر نی ہوں۔ میں جادو کرتی ہوں۔ میرے پاس جادو ہے۔ میرے پاس جن بھوت ہیں۔ سب یہ ہی کہتے ہیں۔“

یعنی متوحش لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ گھر میں ایک دہشت اور خوف قدم جمانے لگا تھا۔

”تمہیں میں ایسی لگتی ہوں کیا؟“

”میں جا رہی ہوں۔“

”تم چلی گئی تو میں پھر اکیلی ہو جاؤں گی۔ تنہائی سے مجھے ڈر لگنے لگا ہے۔ تم مت جاؤ۔“

یعنی نے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کا گلا خشک ہونے لگا تھا۔ اچانک اسے پیاس محسوس ہونے لگی تھی۔ بوڑھی عورت نے فوراً پوچھا۔ ”پانی پینا ہے۔“

”ہاں۔“ یعنی نے جواب دیا۔

”میں دیتی ہوں۔“ بوڑھی عورت اٹھی اور سامنے پڑے ہوئے ایک گھڑے کے پاس

چلی گئی۔ اس نے اس کے اوپر سے کپڑا ہٹایا۔ گھڑے کے منہ پر مٹری کا جال بنا ہوا تھا۔ بوڑھی عورت نے ہاتھ سے وہ جال ایک طرف ہٹایا اور پاس پڑا گلاس اٹھا کر گھڑے کے اندر ڈالا اور

کمر اخوف کی تصویر دکھائی دے رہا تھا۔

اس کمرے میں ایک پرانا پلنگ پڑا ہوا تھا۔ اس پر کالی چادر بچھی ہوئی تھی۔ پلنگ کے ساتھ ایک میز پڑی ہوئی تھی جس پر ایک سانپ اپنا بچھن پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ہی ایک مری ہوئی چھپکلی تھی۔ کمرے کی ٹکڑی میں فرش پر ایک انسانی کھوپڑی رکھی ہوئی تھی۔ کمرے میں عجیب سی دہشت اور خوف چھایا ہوا تھا۔ فرش پر اور بھی جانے کیا کچھ بکھر ہوا تھا۔

وہ بوڑھی عورت جس کی کمر قدر نے بھکی ہوئی تھی۔ وہ کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر وہ اس کمرے سے باہر نکل آئی اور اس بنے دروازہ بند کر دیا۔

کمرے کے باہر یعنی بیٹھی ہوئی تھی۔ جونہی وہ بوڑھی عورت باہر نکلی وہ اس کی طرف دیکھ کر چونکی۔

”اس گھر میں کہی تنہائی تھی۔ تم آگئی ہو تو مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔ تمہیں یہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہو رہی ہے۔“ بوڑھی عورت اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”میں جانا چاہتی ہوں۔“ یعنی کو اس جگہ دہشت سی ہونے لگی تھی۔ عجیب سے دوسو سے اسے گھیرنے لگے تھے۔

”کہاں جاؤ گی اس وقت؟“ بوڑھی عورت نے پوچھا۔ ”رات ہو چکی ہے۔ تم بیٹھ جاؤ۔ صبح چلی جانا۔“

یعنی سوچنے لگی۔ پھر بولی۔ ”میرا گھر ہے یہاں۔ میں ابھی چلی جاتی ہوں۔“

”یہ بھی تو تمہارا گھر ہے۔ تم یہاں رہو میرے پاس۔ مجھے بہت اچھا لگے گا۔“ بوڑھی عورت مسکرائی۔

”نہیں مجھے جانا ہے۔“ یعنی کھڑی ہو گئی۔

پانی کا بھر کر باہر نکال لیا۔ بوڑھی عورت نے پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔ ”لو پانی پی لو۔“

یعنی نے پانی کا گلاس پکڑا اور ایک گھونٹ لگا کر منہ سے الگ کر دیا۔ اسے عجیب سا ذائقہ محسوس ہوا تھا۔

”پی لو..... سارا پانی پی لو۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔

یعنی نے پانی کا گلاس ایک بار پھر منہ سے لگا لیا اور وہ ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گئی۔ خالی گلاس اس نے بوڑھی عورت کی طرف بڑھا دیا۔ اس سے گلاس لے کر وہ پھر گھر کے پاس آئی۔ گھر سے پکڑا ہٹایا تو مٹری کا جال پھر گھر کے منہ پر ایسے ہی تھا جیسے وہ ابھی کچھ دیر قبل ٹوٹا ہی نہیں تھا۔ بوڑھی عورت یہ دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

وہ یعنی کی طرف پلٹی تو یعنی کرسی پر گری ہوئی تھی اور وہ گہری نیند میں چلی گئی تھی۔ بوڑھی عورت نے جھک کر اس کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ مسکرائی۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ کہہ رہی تھی۔

”تم سب کچھ بھول جاؤ۔ جو کچھ بھی تمہارے دماغ ہے اسے بھول جاؤ۔ تم مجھے یاد رکھو۔ میرے حکم کو ماننے کے لئے ہر وقت تیار رہا کرو۔ تم میری بن کر رہو۔ کوئی اور میرا نہیں بنا۔ وہ کیسے میرا بننے میں نے ان کو اپنا بنانے کی کوشش ہی نہیں کی۔ سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور مجھے ان سب سے نفرت ہے۔ وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ میں جادوگرنی ہوں۔ ہاں میں جادو گرنی ہوں۔ میں عمل کرتی ہوں۔ میں اس عمل میں بہت آگے تک جانا چاہتی ہوں۔ سب پر حاوی ہونا چاہتی ہوں اور اس کے لئے مجھے تم جیسی ہی لڑکی کی ضرورت تھی۔ تم نہ آتی تو میں اس مسئلے سے اس گلی سے کوئی لڑکی اپنے ساتھ لے جاتی لیکن تم آ گئی اور تم مجھے بہت اچھی لگی ہو۔ اب تم وہی کرو گی جو میں کہوں گی۔“

بوڑھی عورت کہہ کر چپ ہو گئی۔ پھر وہ ہنسی۔ اس کی ہنسی خوفناک قہقہوں میں بدل گئی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ بوڑھی عورت پاگل ہو گئی ہے۔

☆=====☆=====☆

یعنی کی آنکھ کھلی تو اس نے غنودگی کے عالم میں اپنے ارد گرد نگاہیں گھما کر دیکھا۔ اس کی نگاہ کمرے کی چھت سے ٹکرا رہی تھی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے پھر آنکھیں کھولیں تو اس کا دماغ بھی بیدار ہو چکا تھا۔ یعنی نے اپنی گردن اٹھائی۔ وہ بستر

پر لیٹی ہوئی تھی۔ کمرے میں کھڑکی سے دھوپ کی کرنیں اندر آرہی تھیں اور کمر روشن ہو رہا تھا۔ یعنی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کمرے میں وہ اکیلی ہی تھی۔ اس نے ایک انگڑائی لی۔ وہ اپنے آپ کو ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے دماغ پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔ وہ چہرے سے ایک دم کھلی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

یعنی کھڑکی کے پاس چلی گئی۔ اس نے کھڑکی کا ایک پٹ کھولا تو دھوپ اس کے چہرے پر پڑنے لگی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ اس نے کھڑکی کا پٹ بند کر دیا اور پھر اپنے بستر کی طرف مڑی، اسی اثنا میں کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ بوڑھی عورت اپنی جھکی ہوئی کمر اور مکار چہرے کے ساتھ اندر آ گئی۔

”تم جاگ گئی ہو گڑیا؟“ بوڑھی عورت نے خوشگوار لہجے میں پوچھا۔

یعنی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔ ”ہاں میں جاگ گئی ہوں۔“

”بھوک لگ رہی ہے؟“ اُس نے سوال کیا۔

”کھانے کے لئے کیا ہے؟“ یعنی بستر پر بیٹھ گئی۔

”جو تم چاہو وہی تمہارے سامنے پیش کر دوں گی۔ جو تمہارا دل چاہے وہ میں تمہیں کھلاؤں گی۔“ بوڑھی عورت مسکرائی۔

”میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں جوس پیوں۔ مزے دار اور تازہ پھل کا جوس۔“ یعنی نے بوڑھی عورت کی طرف دیکھا۔

”ابھی تمہارے سامنے رکھ دوں۔“ بوڑھی عورت نے پیار سے دریافت کیا۔

”نہیں ابھی نہیں.....“ یعنی نے نفی میں سر ہلایا۔ پھر وہ بولی۔ ”ہاں ابھی لے آؤ۔“

بوڑھی عورت نے کمرے کے دروازے کی طرف دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نانے قد والا آدمی کمرے میں نمودار ہوا جس نے ہاتھ میں ٹرے پکڑی ہوئی تھی جس پر جوس کا بھرا ہوا جگ پڑا تھا اور ساتھ ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ نانے قد والے نے وہ ٹرے تپائی پر رکھی اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

”جوس حاضر ہے تم جتنا چاہو پی لو۔“ بوڑھی عورت بولی۔

یعنی نے جوس گلاس میں ڈالا اور آدھا گلاس پینے کے بعد گلاس رکھ دیا۔ ”ایک بات پوچھوں۔“

”ہاں پوچھو۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔

”ہم کب سے یہاں رہ رہے ہیں؟“ یعنی نے سوال کیا۔

”ہمیں یہاں کئی سال ہو گئے ہیں رہتے ہوئے۔“ بوڑھی عورت بولی۔

”کتنے سال ہو گئے ہیں۔“ یعنی نے پھر پوچھا۔

”تم نے پوچھ کر کیا کرنا ہے۔ چھوڑو اس سوال کو۔“ بوڑھی عورت نے پیار سے کہا۔

”کوئی اور بات کرو۔“

یعنی چپ ہو گئی اور پھر بولی۔ ”بس اور کچھ نہیں۔“

”تم منہ ہاتھ دھو لو میں باہر ہوں۔“ بوڑھی عورت نے کہا اور اٹھ کر کمرے سے باہر

جانے کے لئے دروازے کے پاس گئی۔ اپنی گردن گھما کر اس نے یعنی کی طرف دیکھا اور ایک

مکار مسکراہٹ اس کے چہرے پر سج گئی۔

بوڑھی عورت کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ یعنی اپنی جگہ بیٹھی ہوئی جوس کے چھوٹے

چھوٹے گھونٹ لینے لگی۔ وہ سوچ بھی رہی تھی۔

بوڑھی جادوگرنی نے اپنے عمل سے یعنی کی کایا پلٹ دی تھی۔ اس کی سوچوں کو اس نے

جانے کہاں منجمد کر دیا تھا۔ اس کی یادداشت کو اس نے سلب کر کے اپنے قبضے میں لے لیا تھا اور

جو سوچ وہ یعنی کے دماغ میں منتقل کرنا چاہتی تھی وہ اس نے کر دی تھی۔ اب یعنی کو محض اس

بوڑھی عورت کے سوا اور کچھ بھی یاد نہیں تھا۔ باقی وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔

☆=====☆=====☆

ٹرین بھاگ رہی تھی۔

وہ ٹرین کا فرسٹ کلاس ڈبہ تھا۔ ٹرین کے اس ڈبے میں مسافروں کا زیادہ رش نہیں

تھا۔ مسافر چند تھے جو کہ بکھر کر بیٹھے اور لیٹے ہوئے تھے۔ اولیس بری طرح سے ہانپ رہا تھا۔

اس نے ابھی تک اپنے محسن کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ وہ ٹرین کے فرش پر ہی بیٹھ گیا تھا اور آنکھیں

بند کر کے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد اولیس کی سانس بحال ہوئی اور اس کی دل کی دھڑکن بھی

معمول پر آگئی تھی۔ پہلی بار اس نے اپنے سامنے کھڑے اس آدمی کی طرف دیکھا جس نے

اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھا کر اسے ٹرین میں سوار ہونے میں مدد دی تھی۔ وہ اس کے پاس ہی

سیٹ پر بیٹھا اس کی جانب متوجہ تھا۔

وہ ایک صحت مند شخص تھا۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ تھی لیکن اپنی اچھی صحت

سے وہ عمر سے کم ہی لگتا تھا۔ اس کی آنکھوں پر چھوٹے فریم کا جازب نظر چشمہ لگا ہوا تھا۔ اس کا لباس بہترین تھا۔

ایک بار پھر اس نے اپنا ہاتھ اولیس کی طرف بڑھایا۔ ”آپ اٹھ کر یہاں آ جائیں۔“

اس کا لہجہ شائستہ اور خلیق تھا۔

اولیس نے ایک بار پھر اس شخص کا ہاتھ تھام لیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اولیس نے

محسوس کیا کہ اس شخص کے ہاتھ میں قوت تھی۔ اس کا ہاتھ روئی کے گالے کی طرح نرم تھا۔

”آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری مدد کی۔“ اولیس نے ممنون نگاہوں سے دیکھا اور

سیٹ پر بیٹھ گیا۔ اس جگہ کی آمنے سامنے والی سیٹیں اور برتھ خالی تھے۔ وہ دونوں ہی اس طرف

براجمان تھے۔

وہ شخص اولیس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک طرف پانی کی بوتل، تھرماس، گلاس، کپ اور

پھلوں کی ایک چھوٹی سی ٹوکری پڑی ہوئی تھی۔

”پانی پیئیں گے یا پھر گرم چائے بھی ہے میرے پاس۔“ اس شخص نے اولیس کے

جواب کا انتظار کیا۔

”تھوڑے سے پانی کے بعد اگر گرم چائے مل جائے تو آپ کی مہربانی ہوگی۔“ اولیس کو

چائے کی طلب ہو رہی تھی۔

وہ مسکرایا۔ ”شکریہ اور مہربانی کا لفظ آپ نے دوسری دفعہ استعمال کیا ہے۔ حالانکہ میں

نے وہی کیا جو ایک انسان کو اپنے بھائی کے لئے مشکل گھڑی میں کرنا چاہئے۔ اس میں شکریہ

کی کوئی بات نہیں ہے۔“ اس شخص نے بوتل سے پانی ایک گلاس میں ڈالا اور پھر وہ اولیس کی

طرف بڑھا کر اس نے دو کپ سیدھے کئے اور تھرماس سے چائے ڈال کر ایک کپ اولیس کی

طرف بڑھا دیا۔ تب تک اولیس پانی پی چکا تھا۔ خالی گلاس اس نے خود اس جگہ رکھنے کے بعد

شکریہ کہتے ہوئے چائے کا کپ لے لیا۔

”رات کے اس وقت کتوں کا پیچھے دوڑنا اور اس دیران جگہ پر آپ کا بھاگنا مجھے سمجھ میں

نہیں آیا۔“ اس شخص نے چائے کا ایک گھونٹ لینے کے بعد اپنے اندر مچھنے والے سوال کو زبان

کی نوک پر لا کر نکال دیا۔

اولیس اس سوال کا جواب زیادہ تفصیل سے نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس شخص نے اس کے

ساتھ ہمدردی ضرور کی تھی لیکن وہ اس کے لئے ایک اجنبی ہی تھا۔ اس لئے اس نے چائے کے



اس کے بعد میراڈرائیور آپ کو کوچ وغیرہ کے اڈے پر چھوڑ آئے گا۔ اس وقت میراڈرائیور ریلوے اسٹیشن کے باہر کار لے کر کھڑا ہوگا،“ خلیل احمد نے خلوص سے پیشکش کی۔  
 اویس کو عینی کی فکر تھی۔ وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اویس کو چپ دیکھ کر خلیل احمد نے پوچھا۔ ”کیا خیال ہے آپ کا؟“  
 اویس چونکا۔ ”کس بارے میں؟“

”آپ میرے گھر تک چلیں گے یا پھر نہیں؟“ خلیل احمد کے لہجے میں اپنائیت تھی۔  
 اویس کو اپنے حلقے کا بھی خیال آیا۔ اس کا ہونٹ ایک طرف سے پھٹا ہوا تھا۔ بھاگتے ہوئے اس کے جوتے بھی مٹی میں اُلے ہوئے تھے۔ بالوں میں بھی مٹی پڑی ہوئی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ اپنے شہر کی طرف جانے سے پہلے ایک بار پہلے اپنا حلیہ ٹھیک کر لے۔  
 ”آپ کمیری وجہ سے تکلیف ہوگی۔“ اویس نے انکساری سے کہا۔  
 ”میری مہمان نوازی ٹھکرا کر آپ مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔“ خلیل احمد کا اخلاق متاثر کن تھا۔

”میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“ اویس مسکرایا۔  
 ”کسی سے بھی مل کر مجھے اچھا لگتا ہے۔ مجھے خوشی ہوگی کہ میں آپ کو اپنے گھر میں مہمان رکھوں۔ آپ آرام کرنا اور پھر صبح بھلے جانا ہو تو چلے جانا۔“ خلیل احمد نے کہا۔ ”جیسے ہی یہ ٹرین رکے گی۔ ریلوے اسٹیشن پر میراڈرائیور گاڑی لے کر کھڑا ہوگا۔“  
 اویس ہر لمحہ عینی کے بارے میں مضطرب تھا۔ اس کا دماغ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اب یہ بات اسے تو معلوم نہیں تھی کہ وہ سب لوگ پولیس کی حراست میں چلے گئے ہیں۔ وہ متفکر تھا کہ کہیں عینی ان کو مل نہ جائے۔

”کیا سوچ رہے ہیں آپ۔“ اچانک خلیل احمد نے پوچھا۔  
 اویس چونکا۔ ”نہیں کچھ نہیں۔“

”تو پھر تیاری کر لیں اسٹیشن آ رہا ہے۔“ خلیل احمد نے اپنی چیزیں اپنے بیگ میں رکھنا شروع کر دی تھیں۔ اویس اسے دیکھتا رہا۔ اس کے پاس کوئی سامان نہیں تھا۔ وہ اس شخصے میں تھا کہ وہ کیا کرے۔ وہ کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے قاصر تھا۔

☆=====☆=====☆

ٹرین شہر کے ریلوے اسٹیشن پر رک گئی تھی۔ اس جگہ کے مسافر اترنے لگے تھے۔ خلیل

دو گرم گھونٹ لینے کے بعد اختصار سے جواب دینے کو ترجیح دی۔  
 ”دراصل میں اس شہر میں اپنے کام کے سلسلے سے آیا تھا لیکن کچھ غنڈے میرے پیچھے لگے گئے۔ ان سے جان چھڑا کر بھاگا تو انہوں نے میرے پیچھے یہ کتے چھوڑ دیئے۔ یہ ٹرین نہ آتی اور پھر آپ اس ڈبے کا دروازہ کھول کر میری مدد نہ کرتے تو شاید میری بوٹیاں اس دیرانے میں کہیں بکھری ہوتیں۔“

”مجھے آپ کی مدد کر کے خوشی ہوئی۔ مجھے خلیل احمد کہتے ہیں۔ چند کلومیٹر کی مسافت پر میرا شہر ہے۔ میں بہت کم ٹرین کا سفر کرتا ہوں لیکن آج میرا دل چاہا کہ میں ٹرین کا سفر کروں۔ شاید آپ سے ملاقات ہونی تھی اور مجھے نیکی کرنے کا موقع ملنا تھا۔“ اس شخص نے اپنا تعارف کرانے کے بعد کہا۔

”میرا نام اویس ہے۔ میرا تعلق لاہور شہر سے ہے۔“ اویس نے بھی اپنا نام بتایا۔  
 ”کیا آپ اسی جگہ اترنا چاہیں گے جہاں میرا سفر اختتام ہو رہا ہے یا کہ آپ کہیں آگے جانا چاہتے ہیں۔“ خلیل احمد نے پوچھا۔

”اس طرف میرے سفر کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ان کتوں سے جان بچانے کے لئے میں اس ٹرین میں سوار ہوا تھا۔ میں آگے جا کر کیا کروں گا۔ مجھے واپس لاہور جانا ہے۔“ اویس نے جواب دیا۔

”آپ میرے ساتھ ہی اتر جائیے گا۔ رات میرے گھر گزاریں صبح آپ جہاں جانا چاہیں چلے جائیے گا۔“ خلیل احمد اپنی چائے ختم کر چکا تھا۔

اویس نے اپنے کپ میں بچے چائے کے چند گھونٹ لیتے ہوئے سوچا کہ اسے عینی کو بھی تلاش کرنا ہے۔ کہیں وہ لوگ عینی کو تلاش کر کے اسے نقصان نہ پہنچا دیں۔ یہ سوچتے ہی وہ بولا۔ ”کیا آپ کے شہر سے اس وقت لاہور جانے کے لئے کوچ وغیرہ مل نہیں جائے گی؟“

”ممکن ہے کہ مل جائے۔ کیونکہ میں کوچ میں سفر نہیں کرتا۔ کہیں آنا جانا ہو تو اپنی کار استعمال کرتا ہوں۔ دور کا سفر ہو تو جہاز میں بیٹھ جاتا ہوں اور موڈن جائے تو ٹرین کا ٹکٹ خرید لیتا ہوں۔“ خلیل احمد مسکرایا۔ ”آپ میرے گھر رات گزار کر صبح چلے جانا۔ آپ کو سفر کرنے میں آسانی رہے گی۔“

”لیکن میرا واپس جانا ضروری ہے۔“ اویس بولا۔

”ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ میرے گھر چلے جانا۔ کھانا وغیرہ کھانا چاہیں تو وہ کھا لینا۔“

احمد بھی اولیس کو لے کر ریلوے اسٹیشن سے باہر آ گیا تھا۔ ڈرائیور انہیں دیکھتے ہی ان کی طرف بڑھا اور خلیل احمد کے ہاتھ سے بیگ لے کر ان کے آگے آگے چلنے لگا۔

اولیس آتے جاتے مسافروں کو دیکھ رہا تھا۔ اسی طرح چلتے ہوئے وہ ایک قیمتی گاڑی تک چلا گیا۔ ڈرائیور نے ایک طرف کا دروازہ کھولا۔ خلیل احمد کار میں بیٹھ گیا اور اولیس اس کے برابر براجمان ہو گیا۔

کار اس جگہ سے نکل کر سڑک پر دوڑنے لگی۔ دو تین بار خلیل احمد نے اولیس کا جائزہ لیا۔ پھر پوچھا۔

”کیا بات ہے آپ پریشان ہیں۔ اگر آپ کا دل نہیں مان رہا ہے تو میں آپ کو کوچ کے اڈے تک چھوڑ دیتا ہوں۔“

”نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ ویسے کوچ مل جائے گی؟“ اولیس نے نفی میں سر ہلا کر پوچھا۔

”ساری رات سروس چلتی رہتی ہے لیکن میں نے آپ کو ہمدردی کے طور پر روکنا چاہا تھا۔ جب انسان کسی تکلیف سے گزرتا ہے تو وہ اس کرب سے دیر تک باہر نہیں نکلتا ہے۔ میں یہ ہی چاہتا تھا کہ آپ اگر میرے ہاں آرام کر لیں گے تو آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے نجات پالیں گے۔ آپ کا دماغ فریش ہو جائے گا۔“ خلیل احمد بولا۔

اولیس خود بھی تھک چکا تھا۔ اس کا جسم کچھ دیر کے لئے آرام چاہتا تھا۔ اسے بھوک بھی خوب لگ رہی تھی۔ جسم میں کمزوری کا احساس بھی ہو رہا تھا لیکن جو بات ان سب چیزوں کو نظر انداز کرنے پر اسے مجبور کر رہی تھی، وہ یعنی کا خیال تھا۔ اس کی فکر تھی۔ وہ اس کے لئے بہت ہی مضطرب تھا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ جب اولیس کوئی فیصلہ نہ کر سکا تو اس نے بادل خواستہ اثبات میں سر ہلا دیا۔

اولیس نے یہ بھی سوچا کہ یہ شخص مہربان دل کا مالک لگتا ہے۔ اگر اس کا چہرہ یہی ہے جو اس وقت اس کے سامنے ہے تو وہ یعنی کے بارے میں اس سے تذکرہ کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کوئی اس کی مدد کر سکے۔ یہ کوئی بڑا سرمایہ دار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے تعلقات بھی ہوں گے۔ ممکن ہے یعنی کے معاملے میں اسے مدد مل جائے۔ وہ خود اکیلا یعنی کو تلاش کرنے میں ناکام ہو سکتا ہے۔

اس خیال نے اولیس کے دل کو کچھ حوصلہ دیا۔ اب اسے یہ جاننا تھا کہ خلیل احمد واقعی وہی ہے جو اس کے سامنے ہے۔ یا اس کا دوسرا چہرہ کا شف کی طرح مخفی ہے۔ جو جانے کیا منکشف ہو۔

کار ایک بہت بڑے بنگلے کے گیٹ کے سامنے جا کر رکی۔ ایک ہی ہارن سے گیٹ کھلا۔ کار اندر چلی گئی۔ پورچ میں جا کر کار رکی۔ دونوں باہر نکلے۔ اولیس نے دیکھا کہ اندر ایک بڑا لان ہے اور سامنے خوبصورت بنگلہ ایستادہ ہے۔ چاروں طرف روشنیاں جل رہی ہیں۔

خلیل احمد، اولیس کو لے اندر چلا گیا۔ چلتے ہوئے اچانک اولیس کی نظر کار کی نمبر پلیٹ پر پڑی۔ جس کار میں وہ آیا تھا اس کار کا نمبر ستائیس تھا۔ اپنے برابر میں چلتے ہوئے خلیل احمد کی طرف دیکھ کر اولیس نے کہا۔

”آپ کی کار کا نمبر خوب ہے۔ ستائیس۔“

”ہاں..... یہ نمبر میں نے خاص طور پر لیا تھا۔“ خلیل احمد مسکرایا۔

”ستائیس کے ہندسے سے کوئی خاص رغبت ہے۔“ اولیس نے پوچھا۔

”ایسی بھی نہیں۔ دراصل جب میں نے یہ پلاٹ خریدا تو اس پلاٹ کا نمبر ستائیس تھا۔ میں نے کار بھی اسی نمبر کی لے لی۔ بلکہ آج اتفاق دیکھو کہ جس ڈبے میں میں سفر کر رہا تھا اس کا نمبر بھی ستائیس تھا۔“ خلیل احمد نے بتایا اور اولیس یہ سب سن کر چونکا۔

مین دروازے سے جب وہ دونوں اندر گئے تو اولیس کی آنکھیں خیرہ رہ گئیں۔ وہ کشادہ نشست گاہ تھی۔ سجاوٹ ایسی تھی کہ جیسے وہ کسی اور ہی دنیا میں بنے ہوئے بنگلے میں آ گیا ہے۔ خلیل احمد کو دیکھ کر ایک ملازم تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

”کیسے ہو بشیر؟“ خلیل احمد نے خوش اخلاقی سے پوچھا۔

”جی میں بہتر ہوں۔“ اس نے عجز و انکساری سے جواب دیا۔

”کوئی نئی تازہ؟“ خلیل احمد نے دریافت کیا۔

”سب ٹھیک ہے بس ابھی کچھ دیر پہلے فارم ہاؤس سے بیگم صاحبہ واپس آئی ہیں۔“ بشیر نے بتایا۔

اس کی بات سن کر خلیل احمد چونکا اور پریشان ہو کر بولا۔ ”وہ تو کل واپس آنے والی تھیں۔“

”ابھی ابھی آئی ہیں۔“ اس نے کہا۔  
”میرا پوچھا تھا۔“ خلیل احمد نے ایک نظر اولیس کی طرف دیکھ کر بشیر سے سوال کیا۔  
پریشانی اس کے چہرے سے عیاں تھی۔

”آتے ہی انہوں نے سب سے پہلے آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔“ بشیر نے کہا۔  
”اس وقت کہاں ہیں۔“ خلیل احمد نے پوچھا۔  
”اپنے کمرے میں گئی ہیں۔“ اس نے جواب دیا۔  
”تم ایسا کرو کہ انہیں کمرے میں لے جاؤ۔ یہ میرے مہمان ہیں۔ ان کی اچھی سی سیوا کرنا۔“ خلیل احمد بردستی مسکرایا۔

”جی بہت بہتر۔“ ملازم بڑی عزت اور احترام سے اولیس کو اوپر لے گیا۔ ملازم نے جلدی سے کمرے کا دروازہ کھولا اور اولیس کمرے میں چلا گیا۔  
”آپ کچھ کھائیں گے۔“ بشیر نے پوچھا۔

”اگر کچھ کھانے کے لئے مل جائے تو مہربانی ہوگی۔“ اولیس نے بلا تکلف کہا۔ کیونکہ اسے شدید بھوک لگ رہی تھی۔ ملازم دروازے سے ہی چلا گیا۔ اولیس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر وہ باتھ روم میں چلا گیا۔

اولیس جب کمرے سے باہر نکلا تو اس وقت دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اولیس کی اجازت سے ملازم ایک ٹرے سمیت اندر آ گیا۔ اس نے ٹرے ایک طرف میز پر رکھی اور مؤدب ہو کر بولا۔

”کچھ اور چاہئے جناب؟“

”نہیں بس ٹھیک ہے۔“ اولیس بولا۔ ملازم چلا گیا۔ کھانا کھانے سے قبل اولیس کو عینی کا شدت سے خیال آیا اور اس کا دل چاہا کہ وہ کچھ بھی نہ کھائے لیکن پھر یہ سوچ کر کہ اسے پتہ نہیں کتنا بھاگنا پڑے۔ پیٹ میں جائے گا تو وہ کچھ کرنے کے قابل ہوگا۔ وہ اس کھانے سے اپنے جسم میں توانائی حاصل کر سکے گا۔

اولیس نے کھانا کھایا اور پھر اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔ جب وہ باہر نکلا تو وہ ٹھنک کر رک گیا۔ کیونکہ جس کرسی پر کچھ دیر قبل بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا، وہاں ٹانگ پر ٹانگ رکھے بڑے اطمینان سے شمشک براجمان تھا۔

”تم کب آئے؟“ اس کی طرف دیکھتے ہی اولیس نے سوال کیا۔

”ابھی آیا ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”یعنی کچھ پتہ چلا۔“ اولیس نے پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے نفی میں گردن ہلادی۔

”پھر کیوں آئے ہو۔“ اولیس پریشان ہو گیا۔

”کچھ بتانے کے لئے آیا ہوں۔“ شمشک اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کیا بتانا چاہتے ہو؟“ اولیس اس کی طرف گھوما۔

”اس گھر میں کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے۔“ شمشک نے کمرے کے دروازے پر اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔

”کیا گڑبڑ ہونے والی ہے؟“ اولیس نے پوچھا۔ ”جواب دو اور مجھے بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو تم؟“

”یہ مجھے پتہ نہیں چل سکا لیکن کچھ ایسا ہونے والا ہے کہ تم اس جال میں پھنسنے والے ہو۔“ شمشک نے جواب دیا۔

”تم کیا کہنا چاہتے ہو، کھل کر بتاؤ۔“ اولیس مضطرب ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ابھی وہ ایک مصیبت سے باہر نہیں نکلا اور وہ دوسری آفت کا پیام لے کر آ گیا ہے۔ وہ اُلجھن کا شکار ہو گیا تھا۔

”جتنا پتہ تھا تمہیں بتا دیا ہے۔“ شمشک لا پرواہی سے بولا۔ اولیس اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہا کہ آج اس کے لہجے میں لا پرواہی اور اطمینان کا عنصر نمایاں ہے۔ یہ ایک عجیب تغیر تھا۔

اولیس سوچتے ہوئے دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ شمشک سے کچھ بھی نہ پوچھے اور اسے کہہ دے کہ وہ اس کے سامنے سے چلا جائے۔ وہ اندورنی طور پر شدید اُلجھن کا شکار تھا۔

”ایک بات بتاؤ گے؟“ اچانک اولیس نے اس کی طرف دیکھا۔

”پوچھو۔“ شمشک بولا۔

”کیا تمہارے علم میں اتنا ہی ہے کہ یہاں کچھ ہونے والا ہے اور کیا ہونے والا ہے یہ تم نہیں جانتے؟“ اولیس نے متانت سے پوچھا۔

”ہاں..... کیونکہ میری طاقت اور استطاعت جہاں تک ہے وہاں تک میں نے زور

آزمائی کر لی ہے۔“ شمشک اسی جگہ ٹہلنے لگا۔

اولیس اسے کوئی سوال کرنے کی بجائے اس کا جائزہ لینے لگا۔ شمشک بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ یہ خاموشی کچھ طویل ہوتی جا رہی تھی۔ ایک دم شمشک بول پڑا۔

”کیا سوچ رہے ہو؟“

”انتظار کر رہا ہوں۔“ اولیس بولا۔

”کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟“ شمشک نے پوچھا۔

”میں اس چیز کا انتظار کر رہا ہوں کہ جو ہونا ہے وہ ہوتا کہ مجھے بھی پتہ چلے کہ کیا ہونے والا ہے۔“ اولیس بولا۔

”وہ تو اسی وقت ہوگا جب اسے ہونا ہوگا۔“ شمشک مسکرایا۔

”اور وہ کب ہوگا۔“ اولیس نے تیزی سے سوال کیا۔

”یہ میں نہیں جانتا۔“ شمشک نے کندھے اچکائے۔

”لیکن ابھی تم نے کہا تھا کہ سات منٹ کے بعد یہاں کچھ ہوگا۔“ اولیس کا لہجہ تیز تھا۔

”میں نے سات منٹ کا ذکر نہیں کیا تھا۔“ شمشک بولا۔

”تم نے ابھی کہا تھا۔“ اولیس نے اپنی بات پر زور دیا۔

”سات منٹ کا میں نے نہیں کہا تھا۔“ شمشک ٹہلتے ہوئے رک گیا۔

”تم بھول رہے ہو۔“ اولیس فوراً بولا۔

”مجھے کچھ بھی نہیں بھولتا۔ سب کچھ یاد رہتا ہے۔ کیا کہا تھا وہ بھی جانتا ہوں اور کیا نہیں

کہا تھا وہ بھی میرے علم میں ہوتا ہے۔“ شمشک کو بھی اچانک غصہ آ گیا۔

”پھر اس بار تم کیسے بھول گئے۔“ اولیس نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر اسی تیز لہجے

میں کہا۔

”میں سات منٹ کا کیوں کہتا۔ کیونکہ سات منٹ میں تو کچھ ہونے والا ہی نہیں تھا۔“

شمشک اس کے اس تقاضے سے جھنجھلا گیا تھا۔

”تو کتنے منٹ میں کچھ ہونے والا ہے؟“ اولیس نے سرعت سے پوچھا۔

”کل ہوگا ناشتے سے کچھ دیر بعد۔“ شمشک نے اکتا کر جواب دیا۔ اس کے لہجے میں

شدید غصے کا عنصر تھا۔

”کیا ہوگا؟“ اولیس کے اس سوال پر شمشک ایک دم چپ ہو گیا۔ وہ اولیس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر گہری متانت آ گئی تھی۔ کچھ کہنے کی بجائے وہ گھوما اور بولا۔

”تم نے مجھے غصہ دلا دیا ہے۔ پھر ملاقات ہوگی۔“ اس کے ساتھ ہی وہ دروازے میں تحلیل ہو گیا۔ کمرے میں اولیس کھڑا رہا۔

بہت سی باتیں اور کئی سوال اس کے دماغ میں سانپ کی طرح رینگنے لگے۔ وہ سوچنے لگا کہ شمشک اس سے یہ ہی کہتا ہے کہ اس کے پاس اتنی بھی طاقت نہیں ہے کہ وہ شیشے کا گلاس توڑ سکے لیکن وہ خود دیوار میں گھس کر گم ہو جاتا ہے۔ اوپر سے نیچے چھلانگ لگا دے تو بھی اسے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ وہ آنے والے کسی بھی واقعے کے بارے میں بتا سکتا ہے لیکن اس دنیا میں زندہ یعنی کے بارے میں وہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں ہے؟ یہ کیسے ممکن ہے؟

اولیس شکوک میں مبتلا ہو گیا۔ وہ دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہنے لگا کہ شمشک اسے پوری بات نہیں بتاتا۔ ایسا لگتا ہے کہ اس کے ساتھ رونا ہونے والے واقعات اس کا رچایا ہوا کھیل ہیں؟

ابھی وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اس کو یہ نہیں پتہ کہ کب اس گھر میں کچھ ہونے والا ہے اور جب اولیس نے اس سے جان بوجھ کر بحث اور تکرار کی تو اس نے بتا دیا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ سب جانتا ہے۔ اس کے آگے وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس سے فریب کر رہا ہے۔ کیا شمشک اس کے ساتھ کوئی کھیل کھیل رہا ہے؟

☆=====☆=====☆

اولیس نے وہ رات کانٹوں کے بستر پر گزاری تھی۔

ایک پل بھی اسے چین نہیں آیا تھا۔ وہ یعنی کے بارے میں ہی سوچتا رہا تھا کہ وہ جانے کہاں اور کس حال میں ہوگی۔

رات ایسے ہی گزر گئی۔ صبح ابھی وہ سوچ رہا تھا کہ وہ خلیل احمد سے اجازت لے اور اس جگہ سے چلا جائے۔ اچانک کمرے کا دروازہ ایک دھماکے سے کھلا۔ اولیس نے اس جانب دیکھا۔ دروازے میں ایک موٹی عورت تھر آلودنگا ہوں سے اس کی طرف دیکھتی ہوئی کھڑی تھی۔

وہ خلیل احمد کی بیوی تھی۔ اس کا نام بیگم نور تھا۔ جس قدر خلیل احمد خلیق، رحم دل اور بااخلاق تھا، اس کے برعکس وہ عورت انتہائی بدتمیز، انا پرست، سخت دل اور منہ پھٹے تھی۔ اس

کے قریبی لوگ کہتے تھے کہ اس کے سینے میں دل کی بجائے پتھر کا ایک ٹکڑا دھڑکتا ہے۔ جس میں کسی کے لئے بھی کوئی رحم نہیں ہے۔

بیگم نور کی ہی یہ ساری جائیداد تھی۔ اسے گھوڑے پالنے کا شوق تھا۔ کسی دور میں خلیل احمد اس کا منبج ہوا کرتا تھا۔ بیگم نور نے اس سے شادی کر لی تھی۔ حکم چلانے کی اسے عادت تھی اور خلیل احمد کو بھی اس نے اپنے حکم کی نوک پر ہی رکھا ہوا تھا۔ بیگم نور سے شادی کرنے کے بعد خلیل احمد کو اس غلطی کا شدید ترین احساس ہوا تھا کہ اسے اس عورت سے کسی بھی صورت شادی نہیں کرنی چاہئے تھی۔ وہ جانے کیسے اس کے لئے رضا مند ہو گیا تھا۔ نوکری چھوڑ کر تو وہ کسی وقت بھی جاسکتا تھا لیکن شادی کے بندھن میں بندھ کر اس کے ہاتھ پاؤں اور زبان کو بھی زنجیر پڑ گئی تھی۔

خلیل احمد اس کا ملازم ہی تھا۔ شوہر تو وہ اس وقت ہوتا تھا جب کبھی بیگم نور اسے شوہر کے روپ میں دیکھنے کی متمنی ہوتی تھی۔ نور بیگم نے اس سے شادی بھی اسی لئے کی تھی کہ وہ سارا حساب کتاب جانتا تھا۔ وہ ذہن تھا۔ ایسا بیک وقت ملازم اور شوہر اسے شاید ہی ملتا۔ بیگم نور کے عقب میں خلیل احمد کھڑا تھا۔ وہ کچھ گھبرا یا ہوا تھا۔ بیگم نور نے اولیس کا جائزہ لیا اور اس سے مخاطب ہوئی۔

”تم کب سے خلیل کو جانتے ہو؟“

اولیس نے ایک نظر خلیل احمد کی طرف دیکھا اور بولا۔ ”ابھی ٹرین میں ملاقات ہوئی تھی۔“

”مجھے سچ سننے کی عادت ہے۔ یہ کام سے گیا تھا۔ اس کی واپسی کل تھی۔ یہ آج واپس آ رہا ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اس نے کل کا دن اور رات کہاں گزاری ہے۔“

بیگم نور اس کے سامنے اکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

اولیس کے لئے یہ صورت حال بڑی حیران کن تھی۔ وہ بولا۔ ”میم ہماری ملاقات ٹرین میں ہی ہوئی تھی۔“

”تمہارا تعلق کیا ہے اس سے؟“ بیگم نور بدتمیزی سے پوچھ رہی تھی۔

”کچھ بھی نہیں۔“ اولیس نے نفی میں گردن ہلائی۔

”اور تم اسے گھر لے آئے؟ میں پاگل ہوں کہ کچھ جان نہیں سکتی۔ کون ہے یہ اور تم نے کل کا دن کہاں گزارا ہے مجھے بتاؤ۔“ بیگم نور چیختی ہوئی خلیل احمد کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کی

طرف بڑھنے لگی۔

”یہ مشکل میں تھے اور میں انہیں گھر لے آیا تھا۔“ خلیل احمد خوفزدہ تھا۔

”تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے کل کا دن ایک عورت کے ساتھ گزارا تھا۔“ وہ چیخ رہی تھی اور اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ خلیل احمد اُلٹے قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟“ خلیل احمد نے فوری کہا۔

”یہ خبر مجھے میرے آدمی نے دی ہے۔“ بیگم نور بدستور اس کی بڑھ رہی تھی اور وہ پیچھے ہٹ رہا تھا۔ جبکہ اولیس بھی کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ متحیر سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ خلیل احمد کے پیچھے سیڑھیاں آگئی تھیں۔

”آپ کو غلط خبر دی گئی ہے۔ میں اپنے ایک دوست کے ہاں رک گیا تھا۔“ خلیل احمد نے صفائی پیش کی۔ وہ اپنی بیوی سے ڈرتا تھا۔

”تم دوسری شادی کے چکر میں ہو۔ اس عورت کا نام عالیہ ہے۔ وہ بیوہ ہے اور تم اس کے ساتھ نکاح کرنے والے ہو۔“ بیگم نور کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

یہ سب سن کر خلیل احمد تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس کا کیا جواب دے، یہ سچ تھا کہ وہ عالیہ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ بھی بیوی کا پیار چاہتا تھا لیکن اس نے کل کا دن کسی عورت کے گھر میں نہیں گزارا تھا۔

”مجھے میری بات کا جواب دو۔“ وہ غرائی۔

”میرا خیال ہے کہ ہم اس موضوع پر پھر بات کرتے ہیں۔ میرے مہمان نے جانا ہے۔ میں انہیں رخصت کر دوں۔“

”مجھے ابھی اپنے سوال کا جواب چاہئے۔“ بیگم نور کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔

”ہم اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔“ خلیل احمد نے کہا۔

”تم بات کو گھمانا چاہتے ہو۔ سچ کو چھپا کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو۔ تم کام سے کسی بھی شہر جاتے ہو تو میری آنکھیں تم پر ہی ہوتی ہیں۔“ بیگم نور بولی۔

”بہتر ہے کہ آپ ریلیکس ہو جائیں۔“ خلیل احمد نرمی سے ہی بات کر رہا تھا۔ اسے اپنے گھر میں موجود ایک اجنبی کا بھی احساس تھا۔

”میری بات کو دائیں بائیں کرنے کی کوشش مت کرو۔ مجھے میری بات کا جواب دو۔“ وہ مزید تیخ پا ہو گئی۔

”ہاں میں عالیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ یک دم خلیل احمد نے سچ کہہ دیا۔ زندگی میں پہلی بار وہ اتنی بلند آواز سے بولا تھا کہ ملازم بھی یہ سن کر دنگ رہ گیا تھا۔ اس وقت بشیر ہی اس جگہ کھڑا تھا لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ صبر اور برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ حد کہیں نہ کہیں جا کر ختم ہو جاتی ہے اور اس وقت خلیل احمد کے صبر کا پیمانہ بھی لبریز ہو گیا تھا اور اس احساس نے بھی اسے مجبور کر دیا تھا کہ ایک اجنبی کے سامنے بیگم نور نے اس کی عزت کا خیال نہیں کیا تھا۔

خلیل احمد کا اقرار سن کر بیگم نور کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”پر نکل آئے میں تمہارے۔ تم جانتے ہو کہ تم ایک معمولی ملازم تھے۔ میں نے تم سے شادی کی اور آج تم بیگم نور کے شوہر کہلاتے ہو۔ جو کچھ بھی ہے یہ سب میرا ہے۔ جس گھر کی چھت کے نیچے تم کھڑے ہو یہ بھی میری دی ہوئی ہے۔ تم آج بھی اسی تنخواہ پر کام کر رہے ہو جو تم مجھ سے شادی سے پہلے لیا کرتے تھے۔“

”میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں آپ کا گھر اور آپ کی دی ہوئی یہ چھت چھوڑ دوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میں اپنی زندگی جینا چاہتا ہوں۔ تنگ آ گیا ہوں میں اس زندگی سے۔“ خلیل احمد نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی۔ اس کے لہجے سے غصہ عیاں تھا لیکن وہ اس کا کھل کر اظہار کرنے سے قاصر تھا۔ سالوں سے بیگم نور کا دل و دماغ میں بیٹھا ہوا خوف اب بھی کھل کر بات کرنے میں مانع نہ۔

”تمہاری یہ جرات.....“ بیگم نور کا غصہ اور بھی بڑھ گیا اور اس نے خلیل احمد کے سینے پر ہاتھ مار دیا۔ وہ پہلے ہی سیڑھی کے کنارے پر کھڑا تھا۔ اچانک اس کے سینے پر ہاتھ لگا اور وہ ایک دم اپنا توازن کھو بیٹھا اور سیڑھیوں پر گر اور لڑھک کر نیچے آنے لگا۔ نیچے سیڑھی کے ساتھ ہی پتھر کا گملا پڑا ہوا تھا۔ اس کا سر اس کے ساتھ لکرایا، خون نکلنے لگا اور خلیل احمد کا جسم ساکت ہو گیا۔

یہ سب دیکھ کر جو جہاں تھا اسی جگہ دم بخود ہو کر کھڑا ہو گیا۔ سب کی نگاہیں خلیل احمد پر تھیں۔ اولیس کی حیرت بھی کم نہیں تھی۔ بیگم نور سے بھی ایسا جوش اور غصے سے ہو گیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ بھی پریشان سی ہو گئی تھی۔

بیگم نور نے بشیر کو اشارہ کر کے کہا۔ ”دیکھو اسے کیا ہوا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ مکر کر رہا ہے۔“

”جی بیگم صاحبہ جی۔“ بشیر جو سیڑھیوں کے نیچے کھڑا تھا فوراً خلیل احمد کی طرف بڑھا۔ اس کی نگاہ سر اور ناک سے نکلتے ہوئے خون پر پڑی۔ پھر اس نے خلیل احمد کا بازو ہاتھ میں لے کر اس کی نبض چیک کی اور بیگم نور کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”ان کی نبض نہیں چل رہی ہے۔“

بیگم نور تیزی سے سیڑھیاں اُتری۔ اس نے بازو ہاتھ میں لے کر اس کی نبض پر اپنی انگلیاں رکھ دیں۔ کچھ دیر کے بعد اس نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ خلیل احمد کی موت واقع ہو چکی تھی۔ بیگم نور کو ایک لمحے کے لئے جھٹکا سا لگا۔ اس نے ایک بار پھر خلیل احمد کو چیک کیا اور اپنی تسلی کی۔

”یہ تو مر گیا ہے۔“ بیگم نور کے منہ سے جیسے نکلا۔ اولیس بھی چند سیڑھیاں اُتر کر نیچے آ گیا تھا۔ اس نے متلاشی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا کہ شاید اسے کہیں شکم دکھائی دے دے لیکن وہ کہیں بھی نہیں تھا۔

”میں ڈاکٹر کولواؤں بیگم صاحبہ۔“ بشیر نے ڈرتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مر چکا ہے۔ دل کا پہلے ہی کمزور تھا۔“ بیگم نور کے لہجے میں کوئی غم نہیں تھا۔

ملازم سوالیہ نگاہوں سے بیگم نور کی طرف دیکھنے لگا۔ بیگم نور کچھ سوچنے لگی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ اور ٹپکنے لگی۔ پھر اس نے اپنے ملازم سے درشتی سے کہا۔ ”اپنی زبان بند رکھنا۔ کھولی تو گرم لو ہار کھ دوں گی۔ سمجھے۔“

”جی..... جی.....“ ملازم بے چارہ ڈر گیا۔

”کوئی اور بھی اس بات پر نہ بولے۔ سمجھا دینا سب کو۔ ورنہ تمہاری خیر نہیں ہے۔“ بیگم نور کا لہجہ اور بھی درشت ہو گیا تھا۔

”جی..... جی.....“ ملازم نے پھر اثبات میں گردن ہلائی۔

اس کے بعد بیگم نور نے اولیس کی طرف دیکھا۔ اولیس اسی جگہ کھڑا تھا۔ بیگم نور نے اپنے ملازم کو مخاطب کیا۔

”جاؤ اور دلبر کو بلاؤ۔“

”ابھی جاتا ہوں۔“ ملازم بشیر باہر کی طرف بھاگا۔ اولیس سوچ رہا تھا کہ وہ اس موقع پر کیا کرے۔ اچانک اس کی نگاہ ڈائمنگ ٹیبل کی ایک کرسی پر پڑی۔ اس جگہ شکم بڑے اطمینان سے بیٹھا مسکرا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اولیس کی طرف تھیں۔ اولیس اس کی طرف دیکھتے

ہوئے ٹہل رہی تھی۔ اولیس پریشان تھا۔ آفت پر آفت اس پر ٹوٹ رہی تھی۔ اس بار جو اس کے لئے سب سے حیران کن بات ہو رہی تھی وہ یہ تھی کہ شمشک کہیں نہیں گیا تھا۔ وہ اسی جگہ براہمان تھا۔ اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ اس ساری صورتِ حال سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ وہ اس کا دوست کم اور دشمن زیادہ لگ رہا تھا۔ اس کا یہ تغیر اولیس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

”دلبر.....“ اچانک بیگم نور نے اسے مخاطب کیا۔

”جی بیگم صاحبہ۔“ دلبر فوراً متوجہ ہوا۔

”تم ایسا کرو، کرامت کو فون کرو اور اسے کہو کہ وہ پولیس لے کر یہاں آجائے۔ وہ موقع بھی دیکھ لے گا اور قاتل کو بھی ساتھ لے جائے گا۔“ بیگم نور نے اس سے کہا۔

”میں ایسا ہی کرتا ہوں۔“ دلبر نے اپنا سیل فون نکال لیا۔ وہ کال کرنے لگا اور اس سے رابطہ ہوتے ہی وہ اسے تفصیل بتانے لگا۔

جونہی اس نے بات مکمل کی اور سیل فون بند ہوا بیگم نور بولی۔ ”میں ذرا اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ تم اس کا خیال رکھنا۔“

”آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں۔ یہ سب آپ کا کیا ہوا ہے۔ آپ نے ہی اپنے شوہر کو دھکا دیا تھا۔“ اولیس چیخا۔

”اب یہ تم کبھی بھی ثابت نہیں کر سکو گے۔“ بیگم نور نے پلٹ کر اطمینان اور بے فکری سے کہا۔

”میں یہ ثابت کروں گا کہ ان کو آپ نے دھکا دیا تھا۔ آپ کی ان سے تلخ کلامی ہوئی تھی۔“ اولیس بولا۔

”ایسا کر سکو تو عدالت میں ایسا ضرور کرنا لیکن میرے سامنے اس طرح سے زبان دراز مت کرو۔“ بیگم نور نے اسے ڈانٹ دیا۔

”میں ثابت کروں گا۔“ اولیس نے معنی خیز انداز میں سر ہلایا۔

”ہم بھی دیکھیں گے۔“ بیگم نور کو کوئی پروا نہیں تھی۔

”میرے پاس ثبوت ہے۔“ اولیس نے یک دم پُر اعتماد لہجے میں کہا۔ ”میں وہ ثبوت پیش کر دوں گا۔“

اس کی یہ بات سن کر بیگم نور جاتے ہوئے پھر رکی اور اس کی طرف دیکھ کر بھرا ”کرا

ہوئے سوچ رہا تھا کہ وہ کس بات پر مسکرا رہا ہے؟ شمشک نے اپنے ہاتھ سے خلیل احمد کی طرف اشارہ کیا جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ دیکھو جس بات کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا وہ ہو چکی ہے۔ اس کے بعد اس نے بیگم نور کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا اس بارے میں اولیس بالکل بھی نہیں سمجھ سکا۔ وہ حیرانی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔

اسی اثنا میں ملازم کے ساتھ ایک صحت مند شخص اندر آ گیا۔ وہ بیگم نور کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”خلیل احمد کو میز ہیوں سے دھکا دے دیا ہے۔“ بیگم نور نے متانت سے کہا۔ ”یہ لڑکا خلیل احمد کے ساتھ مسافر کے روپ میں آیا تھا اور گھر میں داخل ہو کر اس نے یہاں لوٹ مار کرنی چاہی۔ خلیل احمد سے اس کی ہاتھ پائی ہو گئی اور اس ہاتھ پائی میں اس نے خلیل کو دھکا دے دیا جس سے اس کی موت ہو گئی۔ اسے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دو۔“

اولیس اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ ”یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔ اسے دھکا میں نے نہیں آپ نے دیا ہے۔“

”کبواس بند کرو۔“ بیگم نور نے ڈانٹ دیا۔ وہ قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے ابھی اسے کھا جائے گی۔

”آپ مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔“ اولیس پریشان ہو گیا۔

”ثبوت سامنے ہے اور تمہارے ساتھ ہمارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اسے پکڑو اور پولیس کے حوالے کر دو۔“ بیگم نور نے حکم دیا اور دلبر تیزی سے اولیس کی طرف بڑھا۔ اولیس بھاگنا بھی چاہتا تو بھاگ نہ پاتا۔ وہ اس گھر میں کتنا بھاگ سکتا تھا۔ مین دروازے کے پاس اس کا ملازم کھڑا تھا۔ اس لئے دلبر نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

شمشک اسی جگہ بیٹھا ہوا مسکرا رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ میں جیسے زہر تھا۔ آنکھوں میں ایسا تغیر تھا جو اس نے اس سے قبل کبھی شمشک کی آنکھوں میں نہیں دیکھا تھا۔ لگتا تھا جیسے وہ خوش ہے۔

☆=====☆=====☆

اولیس کو پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

اس وقت دلبر جیسے دو اور آدمی اس کے پاس کھڑے تھے۔ جبکہ بیگم نور پاس ہی سو پتے

کہا تم نے تمہارے پاس ثبوت ہے۔ کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟“

”یہ اب میں پولیس کو ہی کو دوں گا۔“ اویس کا لہجہ مطمئن ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر کوئی بے چینی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”تمہارے پاس آنکھوں دیکھا حال ہے جو تم پولیس کو بتاؤ گے اور حقیقت بتانے کی کوشش کرو گے۔“ بیگم نور نے اس کی بات کا تسخّر اڑایا۔

”میں انہیں کچھ اور بھی دکھاؤں گا۔“ اویس کی بے فکری کی طرف دیکھ کر بیگم نور کو حیرت ہوئی تھی۔

”کیا دکھاؤ گے؟“ بیگم نور کو تشویش ہونے لگی۔

”مجھے پولیس کا انتظار ہے۔“ اویس بولا۔

”تم بکواس بند رکھو۔ جو دکھانا ہے دکھا دینا۔“ بیگم نور نے لا پرواہی سے کہا اور ایک بار پھر جانے کے لئے مڑی۔ اس کے قدم ایک طرف جارہے تھے۔ اویس اس کو خاموشی سے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ جب وہ آگے چلی گئی اور سامنے سے دائیں مڑنے لگی تو وہ بلند آواز میں بولا۔

”جب آپ مسٹر خلیل سے تلخ کلامی کر رہی تھیں تو میں نے اپنے موبائل فون سے وہ ویڈیو بنائی تھی۔“

اس کی یہ بات سن کر بیگم نور اسی جگہ رک گئی۔ اس نے متحیر نگاہوں سے اویس کی طرف دیکھا۔ اویس ہولے سے مسکرا رہا تھا۔

اویس پھر بولا۔ ”میری طرف دھیان ہی کسی کا نہیں تھا۔ اس لئے میں ویڈیو بناتا رہا۔ جب آپ نے دھکا دیا تو وہ بھی میں نے بنایا اور پھر جب آپ سب لوگ مسٹر خلیل کی نبض چیک کر رہے تھے تو میں نے وہ موبائل اسی کمرے میں ایک جگہ چھپا دیا۔“

اویس کی بات نے بیگم نور جیسی عورت کو کبھی ایک لمحے میں پریشان کر دیا۔ اس نے سوچا کہ ممکن ہے کہ یہ ٹھیک کہہ رہا ہو۔ کیونکہ اس جگہ اس کے علاوہ وہ ایک ملازم ہی کھڑا تھا۔ بیگم نور نے ملازم کو مخاطب کیا۔

”تم نے اسے کچھ بتاتے ہوئے دیکھا تھا۔“

ملازم نے ایک نظر اویس کی طرف دیکھا اور ہچکچاتے ہوئے جواب دیا۔ ”میں نے غور نہیں کیا تھا۔“

بیگم نور نے قہر آلود نگاہوں سے اپنے ملازم کو گھورا، اور واپس اویس کے پاس آگئی۔ ”تم

جھوٹ بول رہے ہو۔“

”اگر آپ یہ سمجھتی ہیں تو ٹھیک ہے۔ پولیس آنے دیں۔ میں ان کے ساتھ چلا جاؤں گا اور پھر اپنی نشان دہی پر بتاؤں گا کہ میں نے اپنا سیل فون کہاں رکھا تھا۔“

”جانتے ہو یہ گھر میرا ہے۔“ بیگم نور نے ہاتھ پھیلائے۔

”مجھے معلوم ہے۔“ اویس نے اثبات میں گردن ہلائی۔

”تم اسی کمرے تک محدود تھے۔ ہم وہ موبائل فون تلاش کر لیں گے۔“ بیگم نور نے کہا۔

”میرا دعویٰ ہے کہ آپ سیل فون نہیں تلاش کر سکیں گی۔ کیونکہ وہ جگہ بہت زبردست ہے جہاں میں نے اپنا سیل فون چھپایا ہے۔ تلاش کر سکتی ہیں تو کر لیں۔“ اویس کے لہجے میں زبردست اعتماد تھا۔ یہی چیز بیگم نور کو ہلا دینے کے لئے کافی تھی۔

”مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں ہے۔“ بیگم نور نے ایک بار پھر کہا۔

”اوکے۔“ اویس کا چہرہ ہر طرح کی پریشانی، فکر، ڈر اور خوف سے مبرا تھا۔ یہ چیز بیگم نور کو اندر سے پریشان کر رہی تھی۔

اس نے کچھ دیر اویس کی طرف دیکھا اور پھر دلبر کے ساتھ کھڑے آدمیوں کو اشارہ کیا کہ وہ اس کمرے میں جائیں جہاں اویس ٹھہرا تھا اور ایک ایک چیز تلاش کریں۔ وہ دونوں آدمی اس کمرے میں چلے گئے۔ اویس ایسا ہی چاہتا تھا۔ بیگم نور اس کے جھانسنے میں آگئی تھی۔

ملازم کو پتہ تھا کہ اویس اپنے موبائل فون سے کوئی ویڈیو نہیں بنا رہا ہے لیکن وہ بھی اپنی ظالم مالکن کے رویے سے اجیرن تھا۔ اس لئے اس نے ایسا جواب دے کر بیگم نور کے شک کو تقویت دی تھی۔ وہ دل ہی دل میں اویس کی اس چال کو سراہ رہا تھا۔

بیگم نور مضطرب ہو گئی تھی۔ اویس نے صورت حال کا جائزہ لیا۔ اس کی نگاہ بار بار دلبر کی کمر کے ساتھ لگے پستول کی طرف جارہی تھی۔ بیگم نور اور دلبر کا دھیان بار بار اوپر کی طرف چلا جاتا تھا۔ شرمک بڑی دلچسپی سے یہ سب دیکھ رہا تھا۔

اس بار جیسے ہی دلبر کا دھیان پھر اوپر کی طرف گیا۔ آنا فانا اویس نے بجلی سی تیزی سے اس کی کمر کے ساتھ لگے پستول کو نکالا اور بیگم نور کے سر پر رکھ کر اسے دبوچ لیا۔

”ایک طرف ہٹ جاؤ۔ ورنہ گولی مار دوں گا۔“ اویس غرایا۔ دلبر ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ بیگم نور گھبرا رہی تھی۔ اویس نے پھر دلبر کو حکم دیا۔ ”چلو اوپر اسی کمرے میں چلو ورنہ اسے گولی مار دوں گا۔“



”چلو۔“ بیگم، نور نے دلبر سے کہا اور وہ اوپر چلنے لگا۔ اولیس بھی پستول بیگم نور کے سر پر رکھے اوپر جانے لگا۔ جونہی وہ اس کمرے کے دروازے تک پہنچے، اولیس نے اشارہ کیا اور دلبر نے دروازہ کھولا۔ اس نے جیسے ہی کمرے کے اندر قدم رکھا۔ اولیس نے بیگم نور کو بھی اندر دھکا دیا اور دروازہ باہر سے لاک کر دیا۔

وہ تیزی سے نیچے آیا۔ ملازم کو پستول دیا اور بولا۔ ”وہ سب اندر بند ہیں۔ سچ کو جھوٹ کے پردوں میں مت چھپاؤ۔ تمہارا مالک مسٹر خلیل ایک اچھا آدمی تھا۔ یہی موقع ہے کہ زبان کھولو اور سب کچھ سچ بیان کر دو۔ اس ظالم عورت سے چھٹکارہ مل جائے گا۔ اپنے تمام ملازموں کو جمع کرو اور سچ بول دو۔“

اولیس نے کہا اور باہر جانے کی طرف بڑھا۔ وہ اطمینان سے چلتا ہوا گیٹ کے پاس پہنچا۔ چونکہ دار نے گیٹ کھول دیا اور اولیس باہر نکل گیا۔ شمع ایک طرف کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ جبکہ وہ سب کمرے میں بند تھے اور دروازہ پیٹ رہے تھے۔ اس ملازم نے سچ بولنے کا عہد کر لیا تھا۔

☆=====☆=====☆

بوڑھی عورت نے عینی کی طرف دیکھا جو اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بولی۔ ”دگڑیا چلو چلیں۔“

”کہاں جانا ہے؟“ وہ چونکی۔

”تیرے بابا کے پاس جانا ہے۔“ بوڑھی عورت نے مسکرا کر جواب دیا۔

”میرے بابا کے پاس؟ وہ کہاں ہیں؟“ عینی نے سوال کیا۔

”لمبا سفر نہیں ہے۔ نیکیسی میں نے منگوالی ہے۔ ایک گھنٹے کا سفر ہے اور ہم تمہارے بابا کے پاس ہوں گے۔“ بوڑھی عورت چبکی۔

”تم نے پہلے کبھی بابا کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اب اچانک بابا کہاں سے آ گئے۔“ عینی حیران تھی۔

”تم بھول گئی ہو۔ یہ وہی بابا ہیں جو ہمارے لئے اس گھر سے دور تنہا کام کر رہے ہیں۔“ بوڑھی عورت نے عینی کی آنکھوں میں جھانکا تو عینی فوراً مسکرائی۔ ”تم ایک عرصے کے بعد ان سے مل رہی ہو۔“

”ہاں بابا۔ ہاں ہم چلتے ہیں۔ مجھے بھی ان سے ملے ہوئے بہت دن ہو گئے ہیں۔ میں

نے ان سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔“ عینی جانے کے لئے فوراً رضامند ہو گئی۔

”چلو اب جلدی کرو۔ ہم نے آج ہی ان کے پاس پہنچنا ہے۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔

”اپنا سامان لے لوں۔“ عینی نے پوچھا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ بوڑھی عورت بولی۔

”آج ہی واپس آ جانا ہے۔“ عینی نے دریافت کیا۔

”اب تم اسی جگہ رہو گی۔“ بوڑھی عورت نے پُراسرار لہجے میں کہا تھا تو ایسا لگا جیسے سانپ نے پھنکار ماری ہو۔ عینی اس کی جانب دیکھ کر مسکرائی اور اس کے ساتھ جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔

دونوں گھر سے باہر سے نکلے تو سامنے ایک عورت گزر رہی تھی۔ اس کی نگاہ جیسے ہی عینی پر پڑی وہ اپنی جگہ ٹھکی۔ بوڑھی عورت نے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ وہ عورت گھبرا کر اس جگہ سے چلی گئی۔

گلی سے گزر کر وہ باہر نکلے تو سامنے ایک ٹیکسی کھڑی تھی۔ ڈرائیور بوڑھی عورت کو دیکھتے ہی بولا۔ ”کب سے وہ لڑکا مجھے یہاں کھڑا کر کے گیا ہے کہ ابھی سواریاں آتی ہیں۔ آپ اب آرہی ہیں۔“

”گھبراتے کیوں ہو۔ تمہیں کرایہ پورا ملے گا۔“ بوڑھی عورت نے پچھلا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”کرایہ تو ملے گا ہی لیکن اس طرح وقت ضائع ہوتا ہے۔“ ڈرائیور نے برا سامنہ بنایا۔

”اس طرح جو تم بول رہے ہو اس طرح وقت ضائع نہیں ہو رہا ہے۔ چلو نیکیسی چلاؤ۔“

بوڑھی عورت بولی۔ اس کے برابر میں عینی بھی بیٹھ گئی تھی۔

ڈرائیور بڑبڑاتا ہوا نیکیسی چلانے لگا۔

☆=====☆=====☆

ایک گھنٹے کی مسافت ہو گئی تھی۔

نیکیسی سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ عینی باہر جھانک رہی تھی۔ اس سڑک پر دائیں بائیں درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ دکھائی دے رہے تھے۔ بوڑھی عورت کی نگاہیں باہر مرکوز تھیں۔ وہ بے چینی سے دیکھ رہی تھی۔ ڈرائیور کچھ زیادہ ہی باتونی تھا۔ وہ سارے راستے بولتا ہی رہا تھا۔ اپنی ڈرائیوری کے دوران پیش آنے والے واقعات سنانے لگ جاتا تھا۔ پتہ نہیں یہ اس کی

عادت تھی کہ وہ پیٹ کا بہت ہلکا تھا کہ جو بھی اسے یاد تھا وہ بتاتا ہی جا رہا تھا۔ اچانک وہ عورت بولی۔

”ٹیکسی آہستہ کرلو۔“

”کیوں کیا ہوا۔“ ڈرائیور چونکا۔

”میں نے کہا ناں کہ ٹیکسی آہستہ کرلو۔“ بوڑھی عورت باہر متلاشی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

بادلِ خواستہ ڈرائیور نے ٹیکسی کی رفتار آہستہ کر لی۔ ”ابھی وہ جگہ دور ہے جہاں آپ کو جانا ہے۔ اس ویرانے میں ٹیکسی آہستہ کرنے کی وجہ مجھے سمجھ نہیں آئی۔“

”بس وہ آگے ہمیں اتار دو۔“ بوڑھی عورت سامنے دیکھتی ہوئی بولی۔

”اس جگہ؟“ ڈرائیور اور بھی حیران ہوا۔

”اس جگہ کیا ہے؟ جہاں کہا ہے ہمیں اتار دو۔“ بوڑھی عورت اس پر بگڑ گئی۔

”لیکن لڑکے نے تو کہا تھا کہ.....“ ڈرائیور کی بھی زبان بند نہیں ہو رہی تھی۔

”اس نے جو بھی کہا تھا تجھے اس سے کیا۔ ہمیں اتار دیا کر ایہ لو اور چلتے بنو۔“ بوڑھی عورت تلخی سے بولی۔

ڈرائیور اس کے لہجے سے ہی ڈر گیا۔ اس نے اس جگہ ٹیکسی روک دی۔ دونوں باہر نکلے۔ بوڑھی عورت نے کرایہ دیا اور ایک بار پھر کہا۔ ”چلو بھاگو یہاں سے۔“

ڈرائیور نے کرایہ لیا۔ اسے گنا۔ دور تک دیکھا۔ جنگل میں گزرتی ہوئی سڑک تھی۔ قریب کوئی آبادی بھی نہیں تھی۔ ان دونوں کا اس جگہ اترنا ڈرائیور کے لئے بہت ہی حیران کن تھا۔ اس نے ایک نظر عینی کی طرف دیکھا جو معصومیت سے چپ تھی۔

اس نے اسی جگہ سے ٹیکسی موڑی اور واپس شہر کی جانب لوٹ گیا۔ وہ بیک واپس مر سے دیکھتا رہا تھا کہ بوڑھی عورت اور وہ لڑکی سڑک کے کنارے کھڑے ہیں۔ اس نے گردن گھما کر بھی پیچھے کی طرف دیکھا۔ اچانک اسے عینی کا اسکارف پیچھے پڑا دکھائی دیا۔ جو وہ بھول گئی تھی۔ ڈرائیور کا دل چاہا کہ وہ ابھی کار واپس موڑے اور یہ اسکارف اسے واپس کر آئے لیکن

جانے کیوں اسے ڈر سا لگا اور وہ آگے چلتا رہا۔ جو ٹیکسی ان کی نگاہ سے اوجھل ہوئی بوڑھی عورت نے عینی سے کہا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“

بوڑھی عورت سڑک سے دائیں جانب نیچے کی طرف جاتے ہوئے راستے پر چلنے لگی۔ اس کے پیچھے یعنی چل رہی تھی۔ وہ راستہ نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان کے چلنے کی آواز آرہی تھی۔ دور تک کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

دونوں چلتے ہوئے بہت آگے تک چلے گئے۔ ویرانی اور بھی بڑھ گئی تھی۔ سامنے میدانی علاقہ آ گیا تھا۔ جو زیادہ طویل نہیں تھا۔ پھر درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

سامنے ایک کٹیاد دکھائی دے رہی تھی۔ کٹیاد کے باہر آگ کاالاؤ جل رہا تھا۔ بوڑھی عورت کے قدم اس جانب بڑھ گئے۔ یعنی چپ چاپ اس کی ساتھ چل رہی تھی۔

کٹیاد کے پاس جا کر بوڑھی عورت رک گئی۔ چلتے ہوئے اس کی سانس پھول گئی تھی۔ کچھ دیر کھڑی رہ کر اپنی سانس ٹھیک کرنے لگی۔

یعنی دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔ اس کی نظر اس جگہ جا کر رک گئی جہاں ایک انسانی جسم کا ڈھانچہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے پاس اس کے کپڑے بھی گلے سڑے پڑے تھے۔ عینی اس کو دیکھتی رہی۔ بوڑھی عورت کی نگاہ بھی اس ڈھانچے پر چلی گئی تھی۔ اس نے عینی کی طرف دیکھا اور پھر پکارا۔

”کہاں ہو تم؟“

اس کی آواز سنتے ہی کٹیاد کے اندر سے ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کی داڑھی بوڑھی ہوئی تھی۔ بال بھی کندھوں تک لٹک رہے تھے۔ چہرہ عجیب خوفناک سا تھا۔ اس کے بدن پر کپڑے میلے کپیلے تھے۔ ہاتھوں کے ناخن ایسے بڑھے ہوئے تھے جیسے وہ کوئی انسان نہیں بلکہ

اس روپ میں کوئی جانور ہے۔ اس نے بوڑھی عورت کی طرف دیکھا۔

”آگئی تم؟“ وہ خوش تھا۔

”ہاں آگئی ہوں۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔

”اسے بھی لے آئی ہو؟“ اس نے عینی کی طرف حریص نگاہوں سے دیکھا۔

”اور کیا چھوڑ کر آ جاتی۔“ بوڑھی عورت مسکرائی۔

”اسی کی تو ضرورت تھی۔ اسی کے لئے تو میں انتظار کر رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے تم کسی کو بھی نہیں لاؤ گی اور میری محنت رائیگاں چلی جائے گی۔“ وہ شخص اپنے پیلے دانت نکال کر

بولا۔

”کیوں نہ کسی کو لے کر آتی۔ اچھا ہوا کہ یہ ل گئی ورنہ میں لگی سے کوئی نہ کوئی لے کر ضرور

آتی۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔

”تم بہت ذمے دار ہو۔“ اس شخص نے ایک بار پھر عینی کی طرف دیکھا۔ عینی کی نگاہیں دوسری طرف تھیں۔

”ذمے دار کی بات بعد کی ہے۔ مجھے اس طاقت کی ضرورت ہے جس کے لئے تم یہاں چلے کاٹ رہے ہو اور تین دن کے بعد تم وہ حاصل کر لو گے جو ہم چاہتے تھے۔“ بوڑھی عورت بولی۔

”ہاں میں پُر اسرار قوت میں لاثانی ہو جاؤں گا۔ سب سے بڑا طاقت ور ہو جاؤں گا۔ جادو میں باکمال ہو جاؤں گا اور پھر ہم میاں بیوی اپنے اس علم سے لاکھوں کمائیں گے۔“ وہ خوش ہو کر بولا۔

عینی ان کی باتوں سے لائق کھڑی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ان کی ایک بھی بات نہیں سن رہی ہے اور ایسا ہی تھا۔ عینی کی سماعت تک یہ باتیں پہنچ ہی نہیں رہی تھیں۔ وہ بس دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

”یہ کون تھا؟“ اچانک بوڑھی عورت نے ڈھانچے کی طرف اشارہ کیا۔

”پتہ نہیں کون تھا۔ یہاں تک آگیا۔ گردن توڑ کر اسی جگہ چھوڑ دیا۔ گل سڑ گیا اور ہڈیاں رہ گئی ہیں اس کی۔“ وہ سفاکی سے بولا۔

”اسے کہیں دور پھینک دیتے۔“ بوڑھی عورت نے منہ بنایا۔

”اس کی کیا ضرورت تھی۔ پڑا تھا پڑا رہا۔“ وہ لاپرواہی سے بولا اور اس کے بعد پھر اس نے عینی کی طرف دیکھا۔ ”ویسے یہ ہے کون؟“

”مجھے کیا پتہ۔ بس آگئی اور میں نے اس کے دماغ، دل اور یاد پر اپنا قبضہ جمالیا۔“ وہ مسکرائی۔

”بہت خوبصورت ہے۔“ وہ شخص چل کر عینی کی طرف بڑھا اور اسے دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ بھیانک سا ہو گیا تھا۔

”ہاں خوبصورت تو ہے۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔ ”لیکن ابھی تم اس کی طرف مت دیکھو اور اپنا کام کرو۔“

”میرا چلہ اس کے حسن سے ہی مکمل ہو گا۔ تم حسن بھی لائی ہو تو وہ بھی لا جواب لائی ہو۔“ وہ شخص بولا۔

بوڑھی عورت مسکرائی۔ ”چلہ مکمل کرو اور اس کی گردن توڑ کر یہیں پھینک دینا۔ ایسا نہ ہو کہ اسے تم ساتھ ہی لے کر جانے کی ضد کر بیٹھو۔“

”دل تو ایسا ہی چاہتا ہے۔ اسے اپنے ساتھ لے جاؤں اور اس کی گردن نہ توڑوں۔“ وہ لپچائی نگاہوں سے عینی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”ایسا دل تمہارے سینے سے نکال کر باہر پھینک دوں گی۔“ بوڑھی عورت نے جلدی سے کہا۔

وہ شخص مسکرایا۔ ”میں تو مذاق کر رہا تھا۔ تم تو ایک دم سنجیدہ ہو گئی ہو۔ مجھے اس کا کیا کرنا ہے۔“

”گڑیا۔“ اچانک بوڑھی عورت نے عینی کو مخاطب کیا۔

عینی نے چونک کر بوڑھی عورت کی طرف دیکھا۔ ”ہاں کیا ہے؟“

”یہ ساری جگہ تمہاری ہے۔ تم چلو پھرو اور دیکھو یہاں کیا کیا ہے۔ یہاں کی سیر کرو۔ تمہیں اچھا لگے گا اور یہ تمہارے بابا ہیں۔“

”یہ بابا ہیں۔“ عینی نے ایک نظر اس شخص کی طرف دیکھا اور پھر بوڑھی عورت سے بولی۔ ”یہاں سیر کس کے ساتھ کروں۔“

”اکیلی ہی چلو پھرو۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔ ”جہاں چاہو چلی جاؤ۔ اس جگہ کی تم مالکین ہو۔“

”یہ جگہ میرے لئے اجنبی ہے۔“ عینی بولی اور پھر اس شخص کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ”یہ کون ہے۔“

”بھول گئی۔ ابھی تو بتایا کہ یہ تمہارا بابا ہے۔“ بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

”میرا بابا؟ ہاں ابھی بتایا تھا۔“ عینی بولی۔

”ہاں۔ یہ تمہارا بابا ہے۔“ بوڑھی عورت نے ایک بار پھر دہرایا۔

”ہم نے ان کے پاس ہی آنا تھا۔“ عینی نے پوچھا۔

”ہاں ہم نے ان کے پاس ہی آنا تھا۔“ بوڑھی عورت بولی۔ ”یہ تمہیں جو بھی حکم دیں اس کا انکار نہ کرنا۔“

”یہ کون سی جگہ ہے۔“ عینی نے دور تک نظر دوڑا کر پوچھا۔ ”اس جگہ ہمارے سوا کوئی بھی نہیں ہے۔“

”اس جگہ کے ہم مالک ہیں۔ اس جگہ ہم ہی ہیں۔ تم آزادی سے گھوم سکتی ہو۔“ عورت نے جواب دیا۔

”میں دیکھوں یہاں کیا کیا ہے۔“ عینی نے کہا اور چلتے ہوئے ایک طرف چلی گئی۔ دور تک درخت ہی درخت تھے۔

”یہ تین دن اور دورا تیں یہاں رہ لے گی؟“ اس شخص نے پوچھا۔

”ہاں رہ لے گی۔ کیونکہ اس کی سوچ میرے قبضے میں ہے۔ اس کی یاد اس کے پاس نہیں ہے۔ جو میں کہوں گی وہی یہ کرے گی۔“ وہ بولی۔

”مجھے بہت خوشی ہوئی ہے کہ تم اسے لے کر یہاں آئی ہو۔“ وہ شخص بہت ہی خوش تھا۔

”بس کرو اور اس کے بارے میں ہی نہ سوچے جاؤ۔ اپنا کام مکمل کرو۔ ہم واپس شہر جائیں۔“ بوڑھی عورت نے نہ بنایا۔

”اب شہر ہی تو جانا ہے۔“ وہ شخص بولا۔

”میں دیکھوں یہ کہیں دور تو نہیں چلی گئی۔“ بوڑھی عورت نے کہا۔

”کہو تو حصار باندھ دو؟“ وہ شخص اپنی انگلی اٹھا کر بولا۔ ”اسی میں رہے گی اور کہیں نہیں جاسکے گی۔“

”رہنے دو۔ پھر نے دو۔ آزادی کے دن ہی اس کے پاس کتنے ہیں۔ یہ کہاں جائے گی۔“

”چلی گئی تو سب کچھ بگڑ جائے گا۔“

”کچھ نہیں بگڑے گا۔“

☆=====☆=====☆

اولیس اس جگہ سے نکل کر کوچ کے اڈے کی طرف جلد از جلد جانا چاہتا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چل رہا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ ٹیکسی پر پڑی۔ یہ وہی ٹیکسی تھی جو کچھ دیر قبل اس جگہ آکر رکھ تھی اور اس ٹیکسی میں وہ بڑھیا اور عینی بیٹھ کر اس دیرانے میں اتر گئی تھیں جو اس شہر سے زیادہ دور نہیں تھا۔ سواری لینے کے لئے ڈرائیور کو اسی جگہ کا رخ کرنا تھا۔ اولیس نے سوچا کہ وہ ٹیکسی کرائے سے جلدی لاہور پہنچ سکتا ہے۔

”لاہور چلو گے۔“ اولیس نے اس سے پوچھا۔

”بالکل چلوں گا جناب۔“ ڈرائیور سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

اولیس اس سے کرایہ طے کرنے لگا۔ اولیس کو جلد جانے کی جلدی تھی اس لئے اس نے کرائے کے لئے زیادہ بحث اور تنکر انہیں کی۔ وہ اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے ٹیکسی اشارت کی اور چل پڑا۔

ڈرائیور نے شہر سے ٹیکسی نکالتے ہوئے روز بروز بڑھتے ہوئے رش پر تبصرہ شروع کر دیا اور جب ٹیکسی شہر سے باہر نکل گئی تو اس نے کہا۔

”زندگی سفر میں ہی گزر رہی ہے۔ کئی بار سوچا ہے کہ اپنا یہ کام بدل لوں لیکن پھر سوچتا ہوں کہ کروں کیا۔“

”ہاں۔“ اولیس نے سوچتے ہوئے بس اتنا ہی کہا۔

”باؤ جی مجھے دس سال ہو گئے ہیں ٹیکسی چلاتے ہوئے۔ ایک شہر سے دوسرے شہر۔ یہاں سے وہاں۔ زندگی میں کئی واقعات کا سامنا کرنا پڑا ہے مجھے۔“ ڈرائیور نے پھر اپنی بات جاری رکھی۔

”ظاہر ہے کام ہی ایسا ہے۔“ اولیس بیزاری سے بولا۔ ”تم دھیان سے ٹیکسی چلاؤ۔“

”لیکن آج کا واقعہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔“ ڈرائیور بولا۔

”ہوں۔“

”دو عورتوں نے مجھے جانے کے لئے جس شہر کا نام بتایا تھا وہ ابھی پچاس کلومیٹر دور تھا اور وہ دونوں راستے میں ہی اتر گئیں۔ وہاں نہ کوئی آبادی، نہ کوئی بند۔ میں تو حیران سوچتا رہا کہ ان دونوں ماں بیٹی کو ہو کیا گیا ہے۔“ ڈرائیور اپنی دھن میں بولتا رہا۔

”کوئی کام ہوگا تو وہ اتری ہوں گی ناں۔“ اولیس نے بات ختم کرنی چاہی۔

”میں ان کو اتار کر اپنی ٹیکسی آگے لے گیا۔ جب وہ دونوں سڑک سے نیچے ڈھلان میں اترنے لگے تو میں پھر وہاں آگیا۔ ٹیکسی ایک طرف کھڑی کی اور باہر نکل کر ان کو دیکھنے لگا۔ میں نے دور تک دیکھا کوئی آبادی نہیں تھی۔ درخت جنگل اور وہ دونوں تھیں۔“ ڈرائیور بولتا رہا۔ ”حالانکہ مجھے ڈر لگ رہا تھا لیکن لڑکی کا اسراف میری گاڑی میں رہ گیا تھا میں نے کہا کہ کچھ بھی ہے واپس ضرور کرنا چاہئے۔“

”دنیا میں کچھ نہ ہوتا ہی رہتا ہے۔“ اولیس کو اس کی بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو اس کے چپ ہونے کے انتظار میں تھا۔

”ایک بوڑھی عورت اور جوان لڑکی..... میں تو حیران ہوں۔“ ڈرائیور نے ہاتھ ہلایا۔

اولیس چپ بیٹھا اس کے خاموش ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک اس نے جوان لڑکی اور عورت کے بارے میں غور کیا تو بولا۔ ”وہ لڑکی کیسی تھی۔ میرا مطلب ہے کہ اس کا حلیہ کیسا تھا؟“

”عام لڑکیوں جیسا ہی تھا۔“ ڈرائیور نے بتایا۔

”دیکھنے میں اس کا حلیہ کیسا تھا؟“ اولیس نے پوچھا۔

”اچھی اور خوبصورت لڑکی تھی۔ چپ چپ تھی۔ مجھے تو وہ سہمی ہوئی لگتی تھی لیکن وہ عورت کوئی خراٹ تھی۔“ ڈرائیور نے اپنا سر ہلایا۔

اولیس سوچنے لگا۔ عجیب سا شک اسے بے چین کرنے لگا۔ اچانک اس نے کہا۔ ”کیا تم مجھے اس جگہ لے کر چلو گے۔“

ڈرائیور نے اولیس کی طرف دیکھا۔ ”کیا کہہ رہے ہیں جناب آپ۔ آپ نے وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔“

”مجھے کسی کی تلاش ہے۔“ اولیس یک دم بولا۔

”کون ہے جی وہ؟“

”میں اس لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اولیس نے کہا اور پھر سوچنے لگا کہ وہ تو اس شہر میں ہے ہی نہیں۔ وہ عینی نہیں ہو سکتی لیکن اس کا دل بے چین سا ہو گیا تھا، جیسے اسے اندر سے آواز آرہی تھی کہ وہ ان کو دیکھے۔

”جانے دیں جی میں نے تو ایسے ہی ذکر کر دیا تھا۔“ ڈرائیور جان چھڑانے لگا۔ وہ اسے اس جگہ نہیں لے جانا چاہتا تھا۔

”وہ جگہ یہاں نزدیک ہی ہے۔“ اولیس نے پوچھا۔

”ہے تو نزدیک ہی لیکن.....“

”ایک بار لے کر چلو۔“ اولیس نے اس بار فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا۔ ڈرائیور نے محض اس کی طرف دیکھا اور پھر ڈیش بورڈ کھول کر اندر سے ایک اسکارف نکال کر بولا۔ ”یہ اس لڑکی کا ٹیکسی میں رہ گیا تھا۔“

اس اسکارف کو دیکھ کر اولیس چونک پڑا کیونکہ وہ عینی کے اسکارف کو کسی صورت بھی نہیں بھول سکتا تھا۔ یہ خنہ اس نے اس کے لئے خریدا تھا اور یہ عینی کے گلے میں تھا۔ شک یقین میں بدل گیا تھا۔ جب قدرت مدد کرنے پر آئے تو پھر سوکھی زمین سے بھی پانی نکل آتا

ہے۔

”فورا مجھے اس طرف لے کر چلو۔ مجھے جس کی تلاش ہے یہ اسکارف اسی کا ہے۔“ اولیس مضطرب ہو گیا۔

ڈرائیور نے طوہا کرنا ٹیکسی کا رخ اس طرف موڑ دیا۔ اس جگہ پہنچ کر اس نے ٹیکسی روک دی اور بتایا کہ وہ اس راستے سے گئے تھے۔

اولیس نے اسے اسی جگہ رکنے کے لئے کہا اور پانی پینے کی بوتل اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ چلتا ہوا اسی راستے نیچے اتر گیا۔ ڈرائیور پچھتا رہا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ ان کا ذکر کر دیا۔

اولیس چلتا رہا۔ وہ متلاشی نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ پھر میدانی علاقہ آ گیا۔ اولیس نے سوچا کہ وہ عینی کو اس جگہ کیسے تلاش کرے۔ جانے یہ راستہ کہاں تک جاتا ہے اور وہ اس جگہ سے کہاں چلے گئے ہیں لیکن کوئی ان دیکھی طاقت ایسی تھی جو اسے مزید آگے جانے کے لئے مجبور کر رہی تھی۔

وہ پھر چل پڑا۔ درختوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ کچھ آگے اسے وہ کٹیا دکھائی دی۔ اس نے اس کی جانب دیکھا۔ پھر اس کی نگاہ انسانی ڈھانچے پر چلی گئی۔ وہ اور آگے چلا گیا۔ بائیں طرف ایک کٹ کر گرے ہوئے درخت پر منہ دوسری طرف کے عینی بیٹھی ہوئی تھی۔ اولیس نے اسے کپڑوں سے فورا پہچان لیا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا اور اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ عینی نے یک دم اولیس کی طرف دیکھا تو چونک پڑی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

”عینی تم یہاں ہو۔“ اولیس نے کہا۔

”کون ہو تم۔“ عینی نے انجان نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں اولیس ہوں۔“ اولیس کو اس کے اس سوال سے حیرت ہوئی۔

”کون اولیس۔“ عینی اسے خالی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”عینی کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ مجھے نہیں پہچان رہی ہو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟“ اولیس کو پریشانی ہو گئی۔

”میں تم کو نہیں جانتی۔“ عینی نے صاف کہہ دیا

اسی اثنا میں وہ بڑھیا باہرنگی اور اولیس کی طرف لپکی۔ ”اے..... کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو۔“

”تم کون ہو۔“ اولیس اسے دیکھتے ہی بولا۔ ”تم کون ہو..... اور اسے یہاں کیوں نے

کر آئی ہو۔“

”چلو بھاگو یہاں سے۔ ورنہ میں تمہارا برا حال کر دوں گی۔“ بوڑھی عورت کسی جانور کی طرح دھاڑ رہی تھی۔ اس نے عینی کا بازو پکڑ لیا تھا۔

”یہ میری بیوی ہے۔“ اولیس بولا۔ ”میں اس کی تلاش میں یہاں تک آیا ہوں اور اسے لے کر ہی جاؤں گا۔“

اس کی بات سن کر بڑھیا ٹھکی۔ ”کیا بکواس کر رہے ہو۔ یہ میری گڑیا ہے۔ چلو نکلو یہاں سے۔“

”یعنی میں ہوں اولیس۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ میری طرف دیکھو۔“ اولیس نے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا۔

”تم چھوڑتے ہو اسے کہ نہیں۔“ یک دم اس عورت کی آواز کسی بھیڑیے جیسی ہو گئی۔ اس کی آنکھیں ابل کر باہر نکل آئی تھیں۔ اسی اثنا میں وہ شخص بھی کٹیا سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ اولیس کو گھور رہا تھا۔

”تم جاتے ہو کہ میں تجھے اندھا بنا کر اس جنگل میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دوں۔“ اس شخص کی آواز میں دھمکی تھی۔ اولیس اسی جگہ رک گیا۔ وہ عینی کو کٹیا میں لے گئے۔ اولیس نے ایک بار اس جگہ کا جائزہ لیا۔ وہ یہ بات سمجھ گیا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور عینی کو انہوں نے جادو کے زور سے ایسا بنا دیا ہے۔ اسی وقت اولیس وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔

وہ بھاگتا ہوا کچھ آگے نکل گیا۔ ایک جگہ رک کر اس نے پانی کی بوتل کھولی اس سے اچھی طرح سے وضو کیا۔ اپنے سر پر رومال باندھا۔ اس نے قرآن پاک کا کچھ حصہ حفظ کیا ہوا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ عینی کن لوگوں کے حصار میں ہے۔

وہ واپس اس کٹیا کے پاس گیا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ تینوں کٹیا کے اندر تھے۔ اولیس ایک طرف بیٹھ گیا اور قرآن پاک کی تلاوت بلند آواز میں کرنا شروع کر دی۔ وہ پڑھتا رہا۔ اس کی آواز بلند ہوتی رہی۔

جیسے جیسے وہ قرآن پاک پڑھ رہا تھا اندر بیٹھے ہوئے ان دونوں سے اپنا عمل نہیں ہو رہا تھا۔ وہ بھولنے لگے تھے۔ ان کے اندر بے چینی ہونے لگی تھی۔ ان کی سانسیں تیز ہو گئی تھیں۔ عینی پر غنودگی چھانے لگی تھی۔

اس شخص کو غصہ آنے لگا تھا۔ بڑھیا بھی جیسے بے چین ہو رہی تھی۔ دونوں ایک ساتھ باہر

نکلے اور اولیس کو گھورنے لگے۔ اولیس نے اپنی تلاوت جاری رکھی۔ اس کی آواز اور بھی بلند ہوتی رہی۔ پوری کوشش کرنے کے باوجود وہ بڑھیا اور وہ شخص کچھ بھی نہ کر سکے۔ وہ بے بس ہو گئے۔

وہ شخص اسی لئے شہر اور انسانوں سے دور تھا کہ حق سچ کی آواز اس کی سماعت میں نہ جائے اور وہ اپنا گندامل کرنے میں کامیاب ہو سکے۔ اب جو تلاوت کی آواز اس کے کانوں میں گئی تو سب کچھ پلٹ گیا۔ کئی دنوں کا اس کا عمل ساکت ہو گیا۔ وہ پھر سے زیرو ہو گیا۔ دونوں کو ایسی بے تابی نے گھیر لیا کہ انہیں لگا جیسے ان کی کھوپڑیاں پھٹ جائیں گی۔ شیطانی قوت نے ان کو ہی اپنے شکنجے میں لے لیا اور وہ دونوں کسی پاگل کی طرح دائیں بائیں بھاگے۔ بھاگتے بھاگتے وہ باری باری گرے اور پھر جیسے وہ بے جان ہو گئے۔ ان کے جسموں میں سانسیں چل رہی تھیں۔ دل دھڑک رہے تھے لیکن ان کا ہر اعضا جیسے مفلوج ہو گیا تھا۔ وہ انگلی کو ہلانے کی طاقت بھی کھو چکے تھے۔

وہ نہیں جانتے تھے کہ شیطانی عمل میں اگر طاقت ہے تو حق اور سچ کلام میں ایسی طاقت ہے جس کی تاثیر فوری بھی ہے اور مستقل بھی۔ جس یقین سے اولیس نے تلاوت شروع کی تھی اس میں وہ کامیاب رہا تھا۔

اولیس نے تلاوت دھیمی آواز میں کرنا شروع کر دی اور اٹھ کر کٹیا میں چلا گیا۔ سامنے عینی غنودگی کے عالم میں تھی۔ اولیس نے اس پر پھونک ماری اور اس کے گال پر اپنا ہاتھ ہولے سے مارا۔ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔ کچھ دیر کے بعد عینی کو ہوش آ گیا۔ اس نے اولیس کی طرف دیکھا۔

”اولیس تم.....“ وہ غنودگی سے بولی۔

”یعنی تم کو ہوش آ گیا ہے کیا۔“ اولیس بولا۔

”میں اس وقت کہاں ہوں۔“ اس نے پوچھا۔

”تم میرے پاس ہو۔“ اولیس نے جواب دیا۔

”ہم کہاں ہیں۔“ عینی کو مکمل ہوش آ گیا تھا۔ وہ اپنے چاروں طرف دیکھنے لگی تھی۔

”ہم..... چلو یہاں سے چلتے ہیں۔“ اولیس نے عینی کو کھڑا کیا۔ عینی کو پکڑ کر وہ اس کٹیا

سے باہر لے آیا۔

”ہم یہاں کیسے آئے۔“ عینی نے پوچھا۔

”یہ بات ہم بعد میں کریں گے یہاں سے نکلو۔ ہمیں اس جگہ سے جلدی نکل جانا ہوگا۔“ اولیس بولا۔

دونوں جونہی کنیا سے باہر نکل کر ابھی دو قدم ہی چلے تھے۔ سامنے اپنے اسی حلقے میں شمشک کھڑا تھا۔ وہ ان دونوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں سرخی تھی اور چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔

”شمشک تم یہاں ہو.....“ اولیس نے پوچھا۔

”میں کہیں بھی چلا جاتا ہوں۔“ شمشک نے جواب دیا۔

”تم مجھے کچھ بتانا چاہتے ہو۔“ اولیس نے عینی کو ایک طرف کھڑا کر دیا تھا۔ اس کے دماغ میں شمشک کے بارے میں اب کچھ اور ہی چل رہا تھا۔

”ہاں۔ میں تمہیں کچھ اور بتانا چاہتا ہوں۔ وہ جو تم نے مجھ سے پہلے نہیں سنا۔“ شمشک نے کہا۔

”کیا بتانا چاہتے ہو۔“ اولیس نے پوچھا۔ ”ہاں بتاؤ مجھے میں سننے کے لئے تیار ہوں۔“

”بتانا نہیں بلکہ دکھانا چاہتا ہوں۔ دیکھو گے تو تمہارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔“

شمشک بولا۔

”کیا مطلب؟“ اولیس کو اس کی بات سن کر حیرانی ہوئی۔

”روپ دکھانا چاہتا ہوں..... اپنا اصل روپ۔“ شمشک زیر لب مسکرایا۔ ”دیکھنا چاہتے

ہو اصل روپ۔“

”کس کا اصل روپ دکھانا چاہتے ہو؟“ اولیس نے پوچھا۔

”اپنا اصل روپ دکھانا چاہتا ہوں۔ یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں کیا ہوں اور کون ہوں۔ جو

بات میں نے تم سے چھپا کر رکھی تھی وہ بتانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ جس کھیل کو میں کئی دنوں تک

جاری رکھنا چاہتا تھا اسے اب ختم کر کے دوسری طرح کھیلنا چاہتا ہوں۔“ شمشک کا لہجہ متغیر تھا۔

”میں اپنی چال کا رخ بدل رہا ہوں۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔“ اولیس اور عینی اس کی طرف دیکھ

رہے تھے۔

”سب کچھ سمجھ میں آ جائے گا۔ ایک ایک بات تم سمجھ جاؤ گے۔ جس طرح سے تم نے کل

مجھ سے سوال کئے تھے، تکرار کی تھی مجھے اچھا نہیں لگا مسٹر اولیس۔“ شمشک بولا۔

”میں نے تم سے وہ بات اگلوانے کی کوشش کی تھی جو تم مجھ سے چھپا رہے تھے۔“ اولیس نے کہا۔

”میں جانتا ہوں۔ اسی لئے تو میں نے بتا دیا تھا اور تب ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ میں کھیل کا رخ ہی بدل دوں گا۔“ شمشک کا لہجہ عجیب ہو گیا تھا۔

”تم کس کھیل کی بات کر رہے ہو۔“ اولیس نے دریافت کیا۔

”اپنی طاقت کے کھیل کی۔ اپنی اس جلن کے کھیل کی بات کر رہا ہوں جو میرے دل میں پیدا ہوئی اور میں نے تم دونوں کو الگ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔“ ایک دم شمشک کا لہجہ تیز ہو گیا تھا۔

”کیسی جلن.....“

”پہلے کچھ دیکھنا چاہو گے۔“

”ہاں دکھاؤ۔“

”میری طاقت کیا ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں اور میرے اختیار میں کیا کچھ ہے یہ آج میں تمہیں بتاتا ہوں۔“ شمشک نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ ہلایا، سامنے کنیا میں ایک

آگ کا شعلہ پڑا اور ستاری کنیا میں آگ لگ گئی۔ اولیس اور عینی یہ دیکھ کر چونکے۔ اس کے

ساتھ ہی شمشک نے زمین پر گرے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کیا اور وہ درخت ایسے دور

جاگرا جیسے اسے کسی نادیدہ طاقتور ہستی نے اٹھا کر دور پھینکا ہو۔ یہ منظر بھی ان دونوں کے لئے

بہت حیران کن اور ششدر کر دینے والا تھا۔

”کچھ اور بھی دیکھنا چاہتے ہو۔“ شمشک اس بار غرایا۔ اس کی آنکھوں میں جیسے غصہ اتر آیا

تھا۔ اس کا روپ ہی بدل گیا تھا۔

”نہیں۔“ اولیس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ اس کی نگاہیں شمشک کے چہرے پر جمی ہوئی

تھیں۔

”کیوں..... ڈر گئے ہو۔“ شمشک مسکرایا۔

”کیونکہ مجھے پہلے سے ہی شک تھا کہ تم اتنے لاچار نہیں ہو۔ میرا شک یقین میں بدلا

ہے۔ میں شک اور یقین میں ہچکولے کھاتا رہا تھا۔ آج سچ ثابت ہو گیا ہے۔“ اولیس متانت

سے بولا۔

”تمہارا شک ٹھیک تھا۔ میں ایک جن ہوں۔ ایک طاقتور جن ہوں۔ جو اپنی طاقت

کے بل بوتے پر کچھ بھی کر سکتا ہے۔ جب تم سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی تو وہ سائن بورڈ بھی میں نے ہی گرایا تھا۔ تم نے عین وقت پر اپنی سرخ کار کی بریک لگادی تھی اور میں تمہاری کار کے پیچھے آنے والی سرخ کار کو اپنی طاقت سے کھینچ کر عطیہ تک لے گیا اور وہ اس کار کی زد میں آگئی تھی۔ جب تم فلیٹ کرائے پر لینے کے لئے گئے تھے تو میں نے ہی ان لوگوں کے دل میں یہ بات ڈال دی تھی کہ وہ پر اپنی ڈیلر کو قتل کر دیں۔ پھول کو میں نے ہی خون میں تبدیل کیا تھا، تم اب تک جس بھی مشکل میں مبتلا ہوئے تھے اس میں پھنسانے کا کام میرا ہی ہوتا تھا۔“ شمشک اس کے سامنے کھڑا بول رہا تھا۔ اولیس اور یعنی تھیرا اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

”مجھے اس کھیل میں مزہ آرہا تھا۔ مجھے لطف آتا تھا۔ جب تم لڑتے تھے تمہارے پیچھے بھاگنے والے کتے کے ساتھ میں بھی اڑ رہا تھا۔ تم بھاگ رہے تھے اور میں تمہیں دیکھ رہا تھا۔“

شمشک مزید بولا۔

”تم ایسا کیوں کر رہے تھے؟“ اولیس نے پوچھا۔

شمشک نے یک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔ پھر اس نے کہا۔ ”آج میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ سب کچھ بتا دوں گا۔ شاید یہ میری جلن تھی۔ جب تم دونوں کی شادی ہوئی تھی تو میں نے تم دونوں کو ساتھ ساتھ دیکھا۔ میں تم دونوں کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوا کہ اس جیسی خوبصورت لڑکی تمہاری بیوی ہو۔ اسی وقت میں نے سوچ لیا کہ تم دونوں ایک ساتھ رہو گے تو میری جلن کم نہیں ہوگی۔ تم دونوں کو الگ کرنے کا طریقہ میں سوچنے لگا۔“

”تم واقعی میرے دوست نہیں تھے۔“ اولیس نے کہا۔

”ہاں میں تمہارا دوست نہیں تھا اور نہ ہی بنوں گا۔ تم دونوں کو الگ کرنے کے لئے میں نے تمہارے بتا دے کی چال چلی۔ تم دونوں الگ ہو گئے۔ پھر میں نے تم سے دوستی کا ڈھونگ رچایا اور جب تم اپنی بیوی کو پھر اپنے پاس لے آئے تو میں نے نئی چال چلی اور تمہیں اس طرف مائل کر دیا کہ تم آفس سے چھٹیاں لے لو۔ تم نے چھٹیاں لیں اور میں نے اپنی خطرناک کے مہرے ہلا دیئے اور یوں تم دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے گئے۔“ شمشک کا لہجہ زہریلا تھا۔

”تم ہم دونوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے رہے۔ تم نے دیکھتے ہی دیکھتے میری پرسکون زندگی میں کھرام برپا کر دیا۔ کیا سے کیا بنا دیا تم نے۔ ہم نے تمہارا کیا باگڑا تھا جو تم نے

ہم پر اپنی چال پر چال چلی۔“ اولیس کو غصہ آ گیا۔

”میں نے بتایا ناں کہ مجھے تم دونوں سے جلن ہوگئی تھی۔ تم دونوں کو ایک ساتھ میں دیکھ نہیں سکا تھا۔ مجھ سے تم دونوں کا ملاپ برداشت ہی نہیں ہوا تھا۔“ شمشک نے جواب دینے میں تامل نہیں کیا۔

”تم جھوٹے تھے۔ اسی لئے مجھے تم پر کئی بار اعتبار نہیں آتا تھا۔“ اولیس نے بھی چیخ کر کہا۔

”میری ہر چال میں تمہاری ثابت قدمی ایک ہی وجہ سے ہوتی تھی۔“ شمشک نے کہا۔

”کس وجہ سے ہوتی تھی؟“ اولیس نے پوچھا۔

”تم ہر وقت دل ہی دل میں کچھ پڑھتے رہتے تھے۔ اس نے تمہارے دل پر غالب رکھا اور میری چال کا رخ تم موڑتے رہے۔ اس وقت بھی تمہاری بیوی جن لوگوں کے ہاتھ چلی گئی تھی یہ کالے جادو کا عمل کرنے میں کامیاب ہونے ہی والے تھے۔ پھر تجھے تمہاری یہ بیوی کبھی بھی نہ ملتی لیکن تم کو تمہارا ذکر پھر اس تک کھینچ لایا۔ تمہاری مدد غیب سے ہوتی رہی اور تم نے آخر میں جو کچھ کیا اس سے ان کا عمل ہی ان کی بربادی کا سامان ہو گیا۔ تم پڑھ کر جیت گئے۔“

شمشک کو تاسف ہو رہا تھا۔

”کیونکہ میری زبان پر اس اللہ کا ذکر ہوتا تھا۔ میں دل ہی دل میں اسی سے مدد مانگتا تھا۔ مجھے اسی پر یقین ہے۔ اس کے کلام پر مجھے بھروسہ ہے۔ میں نے اسی پر عمل کیا۔“ اولیس کے ارادے میں مضبوطی تھی۔

”اسی چیز کو دیکھ کر میں تمہارے سامنے کھڑا ہو گیا ہوں۔ تاکہ تجھے سب کچھ بتا دوں اور دوستی کا روپ ایک طرف رکھ کر میں کھل کر تجھے بتا دوں کہ اب میں وہ چال چلنے والا ہوں جس سے تم دونوں میں دوری ہو جائے گی۔ تم دونوں برباد ہو جاؤ گے اور مجھے یہ کھیل کھیلتے ہوئے اور بھی مزہ آنے لگے گا۔“

”تم میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔ تم نے مجھے دوستی کی آڑ میں دھوکہ دیا تھا۔ میں تمہاری باتوں میں آجاتا تھا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔“ اولیس اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

”تم سوچ بھی نہیں سکتے کہ اب میں کیا کرنے والا ہوں۔“ شمشک درشتی سے بولا۔

”تم ڈر پوک ہو۔ تم چھپ کر وار کرنا جانتے ہو۔ تمہارے اندر ہمت ہے تو تم میرے سامنے آؤ اور میرا مقابلہ کرو۔“ اولیس اس کی طرف بڑھنے لگا۔



”لیکن میں تجھے مار دوں گا۔“ اولیس نے کہا اور اس تیزی سے اس کی کلائی پکڑ لی کہ شکم اس سے بے خبر ہی رہا۔ شکم نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

”چھوڑ دو مجھے۔“ شکم گھبرا گیا اور اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

”نہیں چھوڑوں گا۔“ اولیس کچھ پڑھ بھی رہا تھا۔

”میری کلائی چھوڑو..... ورنہ.....“ شمشک کے چہرے پر ایسی گھبراہٹ اس سے قبل  
 اویس نے نہیں دیکھی تھی۔ اس نے اس کی کلائی اس لئے پکڑی تھی کیونکہ حافظ عبدالقدوس نے  
 اسے کہا تھا کہ موقع ملے تو شمشک کا ہاتھ پکڑ لینا۔ اگر شمشک اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا اور اس  
 نے اعلان جنگ واضح الفاظ میں کر دیا تھا تو اب اویس بھی اسے موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہ  
 شمشک کی دوستی اور دھوکہ دہی کے بیچ الجھنے لگا ہوا تھا، لیکن اب سب کچھ کھل کر سامنے آ گیا  
 تھا۔ وہ اپنے آپ کو اور عینی کو اس کے شر سے بچانا چاہتا تھا۔ اس نے پروا نہیں کی تھی اور اس کی  
 کلائی پکڑ لی تھی۔

شمک اس سے چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ عجیب بات تھی کہ شمشک میں اس سے اپنی کلائی چھڑانے کی طاقت ہی نہیں رہی تھی۔ وہ گھبرایا ہوا تھا۔ حافظ عبدالقدوس جانتے تھے۔ ان کے علم میں تھا۔ اسی لئے تو انہوں نے کہا تھا کہ وہ اس کا ہاتھ پکڑ لے۔ یہ ہی سوچ کر اوپس نے اس کی کلائی پکڑ لی تھی اور وہ کسی بچے کی طرح اس سے کلائی چھڑا رہا تھا۔ اس کی طاقت جیسے معدوم ہو رہی تھی۔

”چھوڑ دو مجھے..... میں جھلس رہا ہوں..... انسانی ہاتھ میرے لئے تباہی ہے۔“ شمشک استدعا کرتے ہوئے لگا۔ ”میں تم دونوں کا پیچھا چھوڑ دوں گا..... میں دور چلا جاؤں گا.....“

شکم اسے معج رہا تھا لیکن اتنی طاقت نہیں تھی۔ اولیس نے اس کی کلائی مضبوطی سے پکڑی ہوئی تھی۔ پھر اولیس نے دیکھا کہ جیسے شکم کے پاؤں ریت کے ذرے کی طرح بکھر رہے ہیں۔ اس کے پاؤں گم ہو رہے تھے۔

وہ کہتا رہا۔ چختا رہا لیکن اولیس نے نہیں چھوڑا۔ رفتہ رفتہ وہ ریت کے ذروں میں تبدیل ہوتا رہا۔ اس کی ٹانگیں غائب ہو گئیں اور ہوا کے ساتھ وہ ذرے دائیں بائیں بکھر گئے۔ اس کا دھڑ زمین کے ساتھ لگ گیا۔ اس کی طاقت اور بھی ختم ہو گئی اور پھر اسی طرح وہ زروں میں تبدیل ہو کر اس جگہ سے مٹ گیا۔ اولیس کے ہاتھ میں مٹھی بھر ریت رہ گئی۔

اولیس نے متلاشی نگاہوں سے اپنی پانی کی خالی بوتل دیکھی اور پھر اسے اٹھا کر اپنی منٹھی

میں پکڑی ریت کو بوتل میں منتقل کر دیا اور اس کا ڈھکن بند کر دیا۔ اس جگہ سکون سا ہو گیا تھا۔  
فضا ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔

اولیس اور عینی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس جگہ سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑے۔

”اس کا کیا کرنا ہے؟“ عینی نے پوچھا۔

”کس کا“ اولیس بولا

”جو بوتل میں ڈال کر پکڑا ہوا ہے۔“ عینی نے وضاحت کی۔

”یہ حافظ عبد القدوس صاحب کو دوں گا۔ جو بھی کریں گے وہی کریں گے۔“ اولیس نے جواب دیا۔

اس جگہ وہ نیکیسی کھڑی تھی اور ڈرائیور بے زاری سے کھڑا تھا۔ وہ اولیس اور عینی کو دیکھ کر چونکا۔

اولیس اور عینی نیکیسی میں بیٹھ گئے۔ سفر شروع ہو گیا۔ ڈرائیور کئی سوال پوچھتا رہا لیکن اولیس اس کا ہر سوال نالتا رہا کہ بے چارہ ڈرائیور چپ ہو گیا۔ اولیس اور عینی بہت خوش تھے۔ اولیس نے سوچ لیا تھا کہ وہ ساری بات حافظ عبد القدوس صاحب کو بتا کر باقی زندگی ایسے شر سے بچ کر گزارنے کے لئے ان کی نصیحت پر عمل کرے گا۔

☆=====☆=====☆

رات ہو گئی تھی جب اولیس اور عینی اپنے فلیٹ میں پہنچے تھے۔ دونوں آتے ہی صوفے پر ڈھیر ہو گئے تھے۔ اولیس نے وہ بوتل جس میں ریت کے ذرے تھے سامنے ریک میں رکھ دی تھی۔ اس نے ایک بار پھر اس بوتل کو غور سے دیکھا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا ہے کہ ہماری کیسی آفتوں سے بچ کر واپسی ہوئی ہے۔“ عینی کو کہتے ہوئے جبر جھری سی آگئی تھی۔

”بہت خطرناک تھا۔ ایک آفت ختم نہیں ہوتی تھی اور دوسری مصیبت سامنے کھڑی ہوتی تھی۔ شکر ہے کہ تم تک قدرت نے رسائی کرا دی اور ہم پھر سے مل گئے۔“ اولیس نے کہہ کر عینی کی طرف پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔

”اولیس۔“ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد عینی نے ہولے سے اسے مخاطب کیا۔

”بولو عینی۔“ اولیس جو پُر سکون ہو کر اپنی آنکھیں بند کر کے بیٹھا ہوا تھا، اس کے مخاطب

کرنے پر اس نے آنکھیں کھول کر کہا۔

”اگر میں تم کو نہ ملتی تو۔“ عینی نے پوچھا۔ ”ہم بچھڑ جاتے تو کیا ہوتا؟“

”تو جانے کیا ہو جاتا۔“ اولیس نے ٹھنڈی سانس خارج کی۔ ”ہم تو تباہ ہی ہو جاتے اور پھر تو سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا۔“

”ہم ہمیشہ کے لئے اگر بچھڑ جاتے تو پھر کیا ہوتا۔“ عینی نے خوف سے اولیس کی طرف دیکھتے ہوئے پھر سوال کیا۔

”عینی ہم مل چکے ہیں۔ جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ اور اس کا کسی سے ذکر بھی نہ کرنا۔“ اولیس اس کے پاس ہوتا ہوا بولا۔ ”سمجھو تم نے ایک خواب دیکھا تھا۔ اب تم جاگ گئی ہو اور سب کچھ ٹھیک ہے۔“

”جانے وہ دونوں میرا کیا حال کرنے والے تھے۔ وہ دونوں بہت خطرناک اور عجیب سے تھے۔“ عینی کو وہ سب پھر سے یاد آنے لگا تھا۔

”خدا کی مدد ہمارے ساتھ تھی اس لیے کچھ نہیں ہوا۔ اب تم سب کچھ بھول کر کچھ کھانے کا سوچو، بہت بھوک لگ رہی ہے۔“ اولیس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

عینی ابھی تک خوف کے حصار سے باہر نہیں نکلی تھی۔ ”شاید میں ان باتوں کو کئی دنوں تک نہ بھول سکوں اور شاید کئی ہفتے لگ جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ باتیں میرے دماغ سے مٹ ہی نہ سکیں۔“

”وقت بہت کچھ بھول جانے پر انسان کو مجبور کر دیتا ہے۔ ابھی سب کچھ تمہارے دماغ میں تازہ ہے اس لئے تم ان باتوں سے باہر نہیں نکل رہی ہو۔ آہستہ آہستہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ اولیس نے اسے حوصلہ دیا۔

عینی کی اچانک نگاہ اس بوتل کی طرف چلی گئی جس میں ریت کے ذرے تھے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف آ گیا۔ ”اولیس تم اس بوتل کو کہیں پھینک آؤ۔ مجھے اس کی طرف دیکھ کر ہی خوف آ رہا ہے۔“

”یہ بوتل میں کل صبح حافظ صاحب کو دے کر آؤں گا۔ شاید وہ آگئے ہوں۔ وہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا کیا کرنا ہے۔“ اولیس نے کہا۔

”لیکن مجھے اس بوتل کو دیکھ کر خوف آ رہا ہے۔“ عینی خوف سے سمٹ گئی۔ ”مجھے عجیب سا لگ رہا ہے۔“

”تمہارے ذہن سے ابھی وہ باتیں نہیں گئیں اس لئے تمہیں ایسا لگ رہا ہے۔ تم سب باتیں ذہن سے نکال دو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ اولیس نے اسے سمجھایا۔ ”چلو تم منہ ہاتھ دھو لو میں کھانے کے لئے کچھ بازار سے لے آتا ہوں۔“

یعنی نے ایک بار پھر چاروں طرف دیکھا اور اٹھ کر ہاتھ روم کی طرف چل پڑی۔

☆=====☆=====☆

رات کا گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

دور تک کوئی انسان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس ویرانے میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ درختوں کے پتے خاموش تھے، اس کی ٹہنیوں پر دبک کر بیٹھے ہوئے پرندے سہمے ہوئے تھے، ایک عجیب سا سماں تھا۔

اچانک ہوا چل اور ریت اور مٹی اُڑنے لگی۔ دور کوئی سایہ سا چلنا ہوا اس طرف بڑھنے لگا۔ رفتہ رفتہ وہ پاس آتا جا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک لانٹھی پکڑی ہوئی تھی جس کے سرے پر سانپ کا پھن بنا ہوا تھا اور لانٹھی بھی بل کھاتی ہوئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے اس نے لانٹھی کی بجائے سانپ کو پکڑا ہوا ہے اور سانپ اکڑا ہوا ہے۔ اس کے ہاتھ لمبے اور انگلیوں کے ناخن بڑھے ہوئے تھے۔

اس کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس جگہ آ گیا جہاں شمع اس وقت کھڑا تھا جس وقت اوہیں نے اس کی کلائی پکڑی ہوئی تھی۔

اس نے اپنی گردن اوپر کی طرف اٹھائی۔ اس کے بڑھے ہوئے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ آنکھیں اس اندھیرے میں بلی کی آنکھوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ چہرہ ایسا خوفناک تھا کہ کوئی بھی پہلی نگاہ میں دیکھتے ہی ڈر جائے۔

اس نے دائیں بائیں دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا لئے اور اپنی غراہٹ آمیز آواز میں بولا۔

”جس نے تم کو تباہ کرنے کی کوشش کی ہے میں ان کو نہیں چھوڑوں گا..... شکم میں تھے پھر طاقت دوں گا اور تم پھر سے کھڑے ہو جاؤ گے۔ میں تجھے پھر ان کے سامنے کھڑا کر دوں گا۔ میں ان دونوں کا جینا دو بھر کر دوں گا۔“

اس کے بعد اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور کچھ پڑھنے لگا۔ جیسے جیسے وہ پڑھ رہا تھا، ریت کے ذرے اپنی اپنی جگہ سے اُڑنے لگے تھے، پھر اس نے اپنے دونوں بازوؤں کو سمیٹا

”تم کیوں ڈر رہی ہو عینی اب کچھ بھی نہیں ہے۔“ اوئیں بولا۔ ”یہ محض ایک بوتل ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ جو میں اپنی تسلی کے لئے لے آیا تھا۔“

”تم اس بوتل کو اس جگہ سے ہٹا دو۔“ عینی نے کہا۔ وہ خوفزدہ تھی اور اس نے اپنے چہرے کے آگے صوفے کی گدی کر لی تھی۔

”ٹھیک ہے میں اس بوتل کو اسٹور میں رکھ آتا ہوں۔ کل صبح وہاں سے لے لوں گا۔“  
 اویس اپنی جگہ سے اٹھا اور وہ بوتل اٹھا کر اسٹور روم کی طرف چلا گیا۔

یعنی اس جگہ اکیلی ہی رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے تھے اور چہرے پر گھبراہٹ تھی۔ اچانک ہی اسے خوف نے گھیر لیا تھا۔ اس نے دائیں بائیں اپنی نگاہیں گھما کر دیکھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس جگہ اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔ اس کا وہم تھا، یا یہ اس کے اندر کا خوف تھا۔

اچانک کچھ گرنے کی آواز آئی، خاموشی میں وہ آواز بہت خوفناک تھی۔ یعنی اس آواز کو سنتے ہی چیخ پڑی۔ اس کی چیخ سن کر اویس بھاگتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔

”کیا ہوا؟“ اولیس نے آتے ہی پوچھا۔  
 ”یہ کیا تھا۔“ یعنی بری طرح سے ہانپ رہی تھی۔

”یعنی کیا ہو گیا ہے۔ میں اچانک چلتے ہوئے گلدان سے ٹکرا گیا تھا اور وہ ٹوٹ گیا۔ اس کی آواز تھی۔“ اولیس نے بتایا۔

”اولیس مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔“ یعنی گھبرائی ہوئی تھی۔ ”مجھے لگتا ہے کہ جیسے ابھی کوئی آجائے گا۔“

”اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔“ اویس نے اسے حوصلہ دیا۔ ”تم ڈرنا اور گھبرانا چھوڑ دو۔“

”مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے یہاں کوئی ہے۔“ یعنی چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔  
 ”ہمارے آس پاس سے کوئی۔“

”یہ تمہارا وہم ہے۔ اب یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔“ اولیس نے کہا۔ ”اس فلیٹ میں صرف ہم دونوں ہیں۔“

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے۔“ یعنی کا خوف معدوم نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی نظروں کو فلیٹ بس گھما رہی تھی۔

اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست کر دیں۔ اس نے دانتوں پر دانت جمائے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ زور لگا رہا ہو۔

اسی طرح پندرہ منٹ گزر گئے۔ جو ریت کے ذرے اپنی جگہ سے اٹھے تھے وہ پھر زمین پر بیٹھ گئے۔ اس خوفناک صورت والے نے ایک بار پھر زور لگایا اور پہلے سے بھی کہیں زیادہ اس نے اپنے چہرے کو بھیج لیا لیکن اس سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ اس نے جھلا کر آنکھیں کھول دیں اور پوری قوت سے زمین پر اپنا پیڑ مارا اور غصے سے بولا۔

”میرے پیارے دوست شکم مجھے معاف کر دینا میری طاقت تم کو پھر سے کھڑا کرنے کے لئے ناکام ہو گئی ہے لیکن میرا تم سے وعدہ ہے کہ میں ان دونوں کی زندگی کو اجیرن کر کے تباہ و برباد کر دوں گا۔ یہ وعدہ ہے میرا۔“

اس کے ساتھ ہی وہ اس جگہ سے پلٹا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتا ہوا اسی جانب چل پڑا جس طرف سے وہ آیا تھا۔ ایک بار پھر اس جگہ وہی خوف اور سناٹا چھا گیا تھا۔ دور تک ایسی خاموشی تھی جو رگوں میں خوف کو خون کے ساتھ جمادے۔

☆=====☆

ایک نئے دن کا آغاز ہو گیا تھا۔

اولیس اور عینی کی تھکاوٹ دور ہو چکی تھی۔ دونوں جب صبح اٹھے تو ان کے ذہن ہلکے پھلکے ہو چکے تھے۔ بہت سی باتیں محو ہو چکی تھیں۔ جو کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا وہ انہیں کسی خواب کی طرح محسوس ہونے لگا تھا۔

عینی کو رات بہت خوف محسوس ہوتا رہا تھا۔ اس کا ذرا سے بے چین کرنے لگا تھا لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا رہا اس کا خوف اور ڈر معدوم ہوتا رہا تھا اور پھر ایسا بھی ہوا کہ عینی بالکل ہی بے خوف ہو گئی تھی۔ اس کے اندر کوئی ڈر اور خوف نہیں رہا تھا۔ دن کے نئے آغاز کے ساتھ تو وہ سب کچھ بھول ہی گئی تھی۔

اولیس نے اپنے کمرے سے باہر عینی کی طرف دیکھا وہ کچن میں ناشتہ تیار کر رہی تھی۔ اولیس نے محبت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”ہیلو۔“

”ہائے۔“ عینی بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

”کیسی ہو؟“ اولیس نے پوچھا۔

”بالکل اے ون۔“ عینی نے خوش ہو کر جواب دیا۔

”کوئی ڈر کوئی خوف تو نہیں ہے۔“ اولیس اس کے پاس چلا گیا۔

عینی نے جواب دیا۔ ”مجھے تو لگتا ہے جیسے وہ سب ایک خواب تھا۔ بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہا ہے۔ بلکہ یہ حیرت انگیز ہے کہ ہم ایک رات میں ہی نابل ہو گئے ہیں۔“

”تمہارا کیا خیال تھا کہ ہم کئی دن تک ان واقعات کے شاک میں رہتے؟“ اولیس نے اس کی طرف دیکھا۔

”کسی بھی صدمے اور تکلیف کے بعد اس کے اثرات تو کئی دن تک رہتے ہیں۔“ عینی نے انڈا فرائی کرنے کے لئے فرائی پین میں توڑ کر ڈالا۔

”کیا یہ ہماری خوش قسمتی نہیں ہے کہ ہم جلد ہی اس تکلیف سے باہر نکل آئے ہیں۔“ اولیس نے اس کی مدد کی غرض سے ایک طرف سے پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی۔

”لیکن پھر بھی اثر تو رہے گا، لیکن ہمیں ہمت کر کے سب کچھ بھولنا ہوگا۔“

”میرا مطلب یہ نہیں ہے۔ یہ تو ہمارے لئے شکر کا مقام ہے کہ ہم کو قدرت نے اس صدمے سے کئی دن تک دوچار نہیں ہونے دیا۔ میرا مطلب تھا کہ حیرت کی بات ہے کہ ہم اس صدمے سے باہر آ گئے ہیں۔“ عینی فرائی کیا ہوا انڈا پلیٹ میں ڈالنے لگی۔

”یہ شکر کا مقام ہے۔ تم شکر کرو۔“ اولیس مسکرایا۔ ”اور ایسا مت سوچو۔“

”او کے تم یہ پلیٹ ڈانٹنگ ٹیبل تک لے جاؤ۔“ عینی نے پلیٹ اولیس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”تم اب کوئی بھی ایسی بات نہیں سوچو گی اور ایک بات یہ کہ ہم ان باتوں کا ذکر کسی سے بھی نہیں کریں گے۔“ اولیس نے تاکید کی۔

”میں جانتی ہوں۔“ عینی نے کہا۔ ”یہ بات تم مجھے پہلے بھی کہہ چکے ہو۔“

”میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔“ اولیس بولا۔

”وہ کیا؟“ عینی نے اس کی طرف دیکھا۔

”میں اپنی چھٹیاں منسوخ کر کے دفتر جانا شروع کر دوں۔ تاکہ میں مصروف ہو جاؤں اور تم گھر میں لگ جاؤ۔“ اولیس نے بتایا۔

”لیکن ابھی تم دفتر مت جانا۔“ عینی نے کہا۔

”کیوں.....؟“ اولیس نے سوالیہ نگاہیں اس کے چہرے پر جمادیں۔

”تمہاری چھٹیوں کا مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ چند دن میرے ساتھ گزار کر پھر تم دفتر چلے جانا۔“ یعنی مسکرائی۔

”چلو تین چار چھٹیاں ہم گھوم پھر کر گزار لیتے ہیں۔ پھر میں دفتر چلا جاؤں گا۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔“ اولیس بولا۔

”حکم نہیں میری گزارش ہے۔“ یعنی نے پیار بھری نظروں سے اولیس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کی گزارش بھی ہمارے لئے حکم سے کم نہیں ہے۔“ اولیس نے اپنے سر کو تھوڑا سا خم کر دیا۔ جواب میں یعنی مسکرا پڑی۔

☆=====☆=====☆

ناشتے سے فارغ ہو کر اولیس سیدھا اسٹور میں چلا گیا۔

وہ بوتل جس میں مٹھی بھر ریت موجود تھی وہ اسی طرح پڑی ہوئی تھی جیسے کہ رات کو اولیس نے رکھی تھی۔ اولیس نے وہ بوتل اٹھا کر دیکھی اور اسٹور سے باہر نکل آیا۔

”اے کیوں اٹھالائے ہو؟“ یعنی اس بوتل کو دیکھتے ہی بولی۔

”میں اس بوتل کو لے کر جا رہا ہوں۔“ اولیس بولا۔

”کہاں لے کر جا رہے ہو؟“ یعنی نے پوچھا۔

”میں اس بوتل کو حافظ صاحب کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔ وہ ہی بتائیں گے کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ میں نے ایسے ہی اس ریت کو اس بوتل میں ڈال دیا ہو۔ جبکہ ایسی کوئی بات بھی نہ ہو۔“ اولیس نے کہا۔

”تم اکیلے جا رہے ہو؟“ یعنی بولی۔

”کسی کو ساتھ لے جاؤں کیا؟“ اولیس نے سوال کیا۔

”میرا مطلب تھا کہ میں اکیلی ہی رہوں گی؟“ یعنی نے کہا۔ ”میں بھی تمہارے ساتھ ہی چلتی ہوں۔“

”تم کو ڈر لگ رہا ہے کیا؟“ اولیس بولا۔

”میں اکیلی بور ہو جاؤں گی۔“ یعنی نے اس کی طرف دیکھا۔ ”تمہارے ساتھ جاؤں

گی تو میرا دل لگ جائے گا۔ کچھ آؤنگ ہو جائے گی۔“

”تم بھی چلو۔ تم ایسا کرنا کہ گاڑی میں بیٹھی رہنا میں اس بوتل کو حافظ صاحب کو دینے

کے بعد آ جاؤں گا۔ کچھ دیر ہم گھومیں گے اور دو پہر تک واپس آ جائیں گے۔“ اولیس کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

”دو پہر کا کھانا باہر سے کھا کر آئیں گے۔“ یعنی بولی۔

”او کے..... دو پہر کا کھانا کھا واپس آئیں گے۔“ اولیس نے کہا۔

”تو میں تیار ہو جاؤں؟“ یعنی خوش ہو گئی۔

”ہاں تم تیار ہو جاؤ۔“ اولیس بولا۔

یعنی کمرے میں تیار ہونے کے لئے چلی گئی۔ اولیس نے وہ بوتل ایک میز پر رکھی اور خود گاڑی کی چابی لینے کے لئے سامنے ریک کی طرف چلا گیا۔

بوتل میز پر پڑی ہوئی تھی۔ اچانک بوتل نے ایسے حرکت کی جیسے میز پر کسی کی ٹھوکر لگی ہو اور بوتل گرتے گرتے پچی ہو۔ ایک بار پھر بوتل میں حرکت ہوئی اور اندر موجود ریت میں ایسا

تلاطم برپا ہوا جیسے تیز ہوا کے ساتھ گرد و غبار اڑتی ہے۔

جونہی اولیس گاڑی کی چابی لے کر بوتل کی طرف گھوما، بوتل کے اندر اٹھی ہوئی ریت

اپنی جگہ بیٹھ گئی اور ایسا ہو گیا جیسے بوتل میں کوئی تلاطم اٹھا ہی نہ ہو۔

”یعنی کیا تیار ہو گئی ہو تم؟“ اولیس نے پکارا۔

”دومنت۔“ یعنی کی آواز آئی۔

”خواتین کے دومنت بھی دو گھنٹوں کے برابر ہوتے ہیں۔ بلکہ دو گھنٹے ختم ہو جاتے ہیں لیکن خواتین کے دومنت ختم نہیں ہوتے۔“ اولیس بڑبڑاتا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔ بوتل اس کے سامنے رکھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر بوتل کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں بوتل پر جم گئیں۔

اولیس بوتل کو غور سے دیکھنے لگا۔ یک دم دیکھتے دیکھتے اسے جھرجھری سی ہوئی اور اس نے اپنی نگاہیں بوتل سے ہٹالیں۔

اسی اثنا میں یعنی تیار ہو کر آ گئی۔ ”میں تیار ہوں۔“

”چلیں۔“ اولیس بوتل کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

”ظاہر اب رک کر کیا کرنا ہے۔“ یعنی نے کہا۔

”تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو۔“ اولیس اس کی طرف تعریفی نگاہوں سے دیکھتے

ہوئے پیار سے بولا۔

”میں تو ہمیشہ ہی خوبصورت لگتی ہوں۔“ عینی نے اپنی آنکھیں نچائیں۔ ”شاید تم نے آج غور سے دیکھا ہے۔“

”لیکن آج تم کچھ زیادہ ہی پیاری لگ رہی ہو۔“ اولیس نے کہا۔

”آج کیا ہے؟ چلو چلیں۔ زیادہ باتیں نہ کرو۔ تیار ہوتے ہوئے مجھے پھر سے وہ باتیں یاد آگئی تھیں اور میں تو سوچتے ہوئے بیٹھ گئی تھی۔ ایک بار پھر مجھے ان باتوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا کہ اگر کچھ ہو جاتا تو کیا ہوتا؟“

”تم پھر ان باتوں کو سوچنے لگی ہو۔“ اولیس بولا۔

”میں نہیں سوچ رہی تھی میرے دماغ میں خود بخود یہ باتیں آگئی تھیں۔“ عینی نے بتایا۔

”میں کیا کرتی۔“

”جب دماغ میں ایسی باتیں آئیں تو سر جھٹک دیا کرو۔“ اولیس نے کہا۔

”اس سے کیا ہوگا؟“ عینی نے پوچھا۔

”سوچیں خود بخود نکل جایا کریں گی۔“ اولیس بولا۔

”سر جھٹک دینے سے سوچیں کیسے نکل سکتی ہیں۔ یہ تمہاری کوئی تھیوری ہے۔“ عینی اس

کی بات سن کر مسکرا پڑی۔

”یہ میرا ایجاد کیا ہوا فارمولہ ہے۔“ اولیس بھی ہنسا۔

”رکھو اپنے پاس اپنے فارمولے اور چلو چلیں۔“ عینی نے ہاتھ جھٹک دیا۔ دونوں باہر

نکل گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ کار میں بیٹھے ہوئے حافظ صاحب کی طرف جارہے تھے۔

☆=====☆=====☆

کار چلاتے ہوئے دونوں باتیں بھی کر رہے تھے۔ اولیس کی کار کی رفتار تیز نہیں تھی۔

اسے جانے کی جلدی نہیں تھی۔ وہ تو گھومنے کے لئے بھی باہر نکلے تھے۔ حالانکہ اولیس کے دل

دماغ میں بھی ان کے ساتھ زوہنا ہونے والے تمام واقعات اسی طرح تازہ تھے، وہ بھی کئی بار

ان باتوں کے بارے میں سوچ کر کانپ کر رہ جاتا تھا، لیکن اس نے اپنی یہ کیفیت عینی پر عیاں

نہیں ہونے دی تھی۔ بلکہ وہ تو عینی کو اس بات پر آمادہ کر رہا تھا کہ وہ ان باتوں کو بالکل بھول کر

ایک نارمل زندگی کی طرف لوٹ جائے۔

حافظ صاحب کا گھر آگیا تھا۔ ان کا گھر ایک تنگ گلی سے گزر کر سامنے تھا۔ گاڑی اندر

نہیں جاسکتی تھی۔ اس لئے اولیس نے کار ایک طرف کھڑی کی اور بوتل پکڑ کر عینی سے بولا۔

”میں ابھی آیا۔“

”جلدی آ جانا۔“ عینی بولی۔

”کہا ہے تو ہے کہ ابھی آیا۔“ اولیس نے کہا۔

”موبائل فون ساتھ لے جاؤ تاکہ اگر تمہیں دیر ہو جائے تو میں تم سے رابطہ کر سکوں۔“

عینی بولی۔

”موبائل فون میری جیب میں ہے۔“ اولیس کہہ کر کار سے باہر نکلا اور سامنے کی تنگ گلی

میں چلا گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں وہ بوتل پکڑی ہوئی تھی۔ وہ چلتا ہوا جا رہا تھا۔ اچانک

سامنے سے آنے والا ایک میلا کچھلا بھکاری اس سے ٹکرا گیا، اولیس اپنی سوچوں میں غمور تھا،

اچانک ٹکرانے سے اس کے ہاتھ سے بوتل چھوٹ کر نیچے گر گئی۔ اس سے پہلے کہ اولیس وہ

بوتل اٹھاتا بھکاری بولا۔

”معاف کرنا صاحب، غلطی ہو گئی۔“

”دیکھ کر چلا کرو۔“ اولیس بولا۔

”آپ کا بھی تو دھیان کہیں اور تھا۔“ بھکاری نے کہا۔ ”مجھے آپ بھی تو دیکھ نہیں رہے

تھے۔ اے، لیے دونوں کی برابر کی غلطی ہے۔“

”ٹھیک ہے جاؤ اپنا کام کرو۔“ اولیس کہہ کر بوتل اٹھانے کے لئے جھکا۔ اس سے بھی

پہلے اس بھکاری نے وہ بوتل اٹھالی۔

”یہ بوتل مجھے دو۔“ اولیس بولا۔

”صاحب بھوکا ہوں۔ کچھ کھایا نہیں ہے۔ تھوڑی مدد ہو جائے تو میں دعا دوں گا۔“

بھکاری نے معصوم سا چہرہ بناتے ہوئے استدعا کی۔

”یہ بوتل دو پھر دیتا ہوں کچھ۔“ اولیس نے بوتل لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ ”میں کہہ رہا

ہوں کہ یہ بوتل مجھے دو۔“

”میں دعا دوں گا صاحب۔ کل سے کچھ نہیں کھایا۔“ بھکاری نے جسراتہ میں بوتل

پکڑی ہوئی تھی وہ پیچھے کر لیا تھا۔

”مجھے یہ بوتل دو۔“ اس کے بعد میں بات کرتا ہوں۔“ اولیس کو غصہ آ گیا۔

”میرے بچے بھی آپ کو دعا دیں گے۔“ بھکاری پر اولیس کے غصے کا کوئی اثر نہیں تھا۔

”میں بھی آپ کو دعا دوں گا۔“

”میں کہتا ہوں کہ مجھے یہ بوتل دو۔“ اولیس اس کی طرف بڑھا۔ ”اپنی یہ باتیں بند کرو اور یہ بوتل میرے حوالے کر دو۔“

”بوتل میں کیا ہے جو آپ پریشان ہیں۔“ بھکاری نے بوتل اٹھا کر اپنی آنکھوں کے سامنے کر لی۔ اولیس نے جلدی سے بوتل پکڑنی چاہی لیکن بھکاری جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔

”یہ بوتل میرے حوالے کر دو۔ کیا تجھے میری بات سنائی نہیں دے رہی ہے۔“ اولیس اس کی طرف بڑھنے لگا جبکہ بھکاری بوتل لئے پیچھے ہٹنے لگا۔

”ایک دس کانوٹ دے دو۔“ بھکاری نے کہا۔

اولیس رک گیا اور اس نے جیب سے دس کانوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ”یہ لو اور مجھے یہ بوتل دے دو۔“

بھکاری نے دوسرا ہاتھ بڑھا کر اولیس کے ہاتھ سے دس کانوٹ چھپٹ لیا۔ ”میں یہ بوتل بھی رکھ لوں؟“

”نہیں یہ بوتل مجھے دو۔“

”اس میں ریت ہی تو ہے۔“ بھکاری نے بوتل کو ہلایا۔

”تم میری بات اس طرح سے نہیں سنو گے۔“ اولیس نے دانت پیسے اور تیزی سے اس کی طرف بڑھا، وہ بھکاری پیچھے کی طرف بھاگ پڑا۔

”ارے رکو۔“ اولیس نے تیز آواز میں اسے روکنا چاہا۔ بھکاری بھاگتے ہوئے رک گیا۔ اس کا اولیس سے کچھ فاصلہ تھا۔ اولیس کو ڈر تھا کہ کہیں یہ بوتل بھکاری نہ لے جائے۔

ایک دم بھکاری نے بوتل کا ڈھکن کھولنا شروع کر دیا۔

”اس بوتل کو مت کھولو۔ رک جاؤ۔“ اولیس دھاڑا کہ ارد گرد کچھ لوگ جمع ہو گئے۔ بھکاری پر اولیس کی کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس نے اپنے گندے دانت نکال کر مسکراتے ہوئے اولیس کی طرف دیکھا اور بوتل کا ڈھکن کھول کر اس کے اندر موجود ریت باہر

بکھیر دی۔ اولیس خیرہ نگاہوں کے ساتھ اس کی طرف بے بسی سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کے بعد بھکاری نے بوتل ایک طرف پھینکی اور زوردار تہقہہ لگایا۔

”ریت اُڑ گئی۔ بوتل خالی ہو گئی۔ قیدی آزاد ہو گیا۔“ وہ یہ کہتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔ جبکہ اولیس دم بخود کھڑا تھا۔ اس کو یک دم کئی اندیشوں نے گھیر لیا تھا۔ وہ پریشان ہو گیا

تھا۔ اس نے سوچا کہ اس کے سامنے موجود وہ بھکاری کیا انسان ہی تھا؟ یا کہ انسان کے روپ

میں کوئی اور ہی تھا؟

ایک دم اسے عینی کا خیال آیا۔ جیسے کسی نے اس کے دماغ میں عینی کا خیال ڈال دیا ہو۔ وہ بھاگتا ہوا کار کی طرف بڑھا۔ کار دیکھتے ہی اس کا دل دھک سے رہ گیا کیونکہ کار خالی تھی اور عینی اندر موجود نہیں تھی۔

اولیس نے کار کے اندر جھانکا اور پھر اس کی متلاشی نگاہیں کبھی دائیں اور کبھی بائیں دوڑنے لگی تھیں۔ عینی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اولیس پریشان ہو گیا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے۔ اولیس نے جلدی سے اپنی جیب سے موبائل فون نکالا اور عینی کا نمبر ملا کر اسے کان سے لگا لیا۔ عینی کے موبائل فون پر بیل جا رہی تھی لیکن وہ فون انینڈ نہیں کر رہی تھی۔

اولیس کی بے چینی اور پریشانی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر دور تک اپنی نگاہیں دوڑائیں۔ اچانک موبائل فون کی گھنٹی سنائی دی اور اس نے اپنا موبائل فون جلدی سے دیکھا، اس کی اسکرین اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اس موبائل فون پر بیل نہیں آرہی تھی۔

اس نے سوچا کہ شاید کہیں آس پاس سے آواز آرہی ہو۔ جس جگہ وہ کھڑا تھا، اس کے قریب کوئی نہیں تھا۔ موبائل فون کی آواز اس کے پاس سے آرہی تھی۔ ایک دم اس نے غور کیا تو موبائل فون کی گھنٹی کی آواز اس کی کار سے آرہی تھی۔

اولیس نے پاگلوں کی طرح کار کے اندر موبائل فون تلاش کرنا شروع کر دیا۔ کار کی بچھلی سیٹ پر اسے جو موبائل فون پڑا دکھائی دیا اسے دیکھتے ہی وہ چونک پڑا۔ کیونکہ وہ موبائل فون وہی تھا جس پر شمشک رابطہ کیا کرتا تھا۔ وہ موبائل فون کہیں کھو گیا تھا۔ اچانک اس کی کار کی بچھلی سیٹ پر دیکھ کر اس کی حیرت میں دو چند اضافہ ہو گیا تھا۔

اس نے وہ موبائل فون اٹھایا اور جونہی کان سے لگایا ایک آواز سنائی دی۔ جو شمشک کی آواز نہیں تھی۔ اس آواز میں غراہٹ تھی۔ لہجہ دھیمہ لیکن خوفناک تھا۔

”کیسے ہو مسٹر اولیس؟“

”تم کون ہو؟“ اولیس نے پوچھا۔

”میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے تم سوال کر رہے ہو؟“ دوسری طرف سے وہ

اطمینان سے بولا۔

”کون ہو تم۔“ اولیس نے ایک بار پھر دہرایا۔

”تم کار میں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ہم اطمینان سے بات کرتے ہیں۔“ ایک بار پھر

دوسری طرف وہی لہجہ اس کی سماعت سے نکل رہا۔

”میرا کار میں بیٹھنا ضروری نہیں ہے۔ تم جو بات کرنا چاہتے ہو وہ کرو۔“ اولیس کی نگاہیں دائیں بائیں بھی گھوم رہی تھیں اور اس کی مضطرب حالت اسے بے چین کئے ہوئے تھی۔ وہ یعنی کے بارے میں بھی پریشان تھا کہ وہ اچانک کہاں چلی گئی ہے۔

”مجھے اپنے آس پاس تلاش کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں کہیں ادھر ادھر نہیں ہوں۔ میں بھی شکم کی طرح تمہارے اس موبائل فون میں گھس کر بیٹھا تم سے بات کر رہا ہوں۔“ اس کی آواز میں ہلکی سی ہنسی کا احساس ہوا۔

”تم کون ہو؟“ اولیس اس کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔

”میں شکم نہیں ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”تم شکم کو کیسے جانتے ہو؟“ اولیس نے پوچھا۔

”کیونکہ وہ میرا دوست تھا۔“ اس نے کہا۔

”کیا چاہتے ہو تم؟“ اولیس بولا۔

”مجھے بتانا چاہتا ہوں۔“ وہ کہہ کر چپ ہو گیا۔ شاید وہ اولیس کی بے چینی سے لطف

اندوز ہو رہا تھا۔

”کیا بتانا چاہتے ہو؟“ اولیس کی بے چینی اور بھی بڑھ گئی۔

”میں تجھے بتانا چاہتا ہوں کہ میں آگیا ہوں۔“ اس کے لہجے میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اولیس چونکا۔

”خیر یہ بات بعد میں بھی کر لیں گے۔ فی الحال تم ایک بات غور سے سنو۔ اس جگہ سے کچھ فاصلے پر ریلوے کی پٹری گزرتی ہے۔ اس طرف جتنی تیز بھاگ سکتے ہو بھاگو۔ کیونکہ تمہاری بیوی اس پٹری کی طرف جارہی ہے۔ وہ گم صم اس طرف جاتی رہے گی۔ اسے کوئی ہوش نہیں ہے لیکن جب تم اس کو ہاتھ لگاؤ گے تو اسے ہوش آجائے گا۔“ موبائل سے آواز آئی۔

”جیسے کوئی نیند میں چلتا ہوا اچانک جاگ جاتا ہے، ایسا ہوگا۔“

اس کی بات سن کر اولیس مضطرب ہو گیا۔ ”تم شکم ہی ہو؟“

”سوال کرنے کا وقت نہیں ہے۔ بیوی کو بچانا چاہتے ہو تو سوال مت کرو۔ اس کی پروا نہیں ہے تو ہم اطمینان سے باتیں کر لیتے ہیں۔“ وہ ہر سکون لہجے میں بولا۔ ”یاد رکھنا یہ موبائل تمہارے پاس ہی رہے۔ اسے اپنے سے الگ مت کرنا۔ یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ ٹرین

بھی آرہی ہے۔ تمہاری بیوی بس چلتی جائے گی۔ تمہارے چھونے سے پہلے وہ ٹرین کے نیچے بھی آسکتی ہے۔“

اولیس نے موبائل فون اپنے کان سے ایک طرف ہٹایا اور سیدھا سامنے ایک کریانے کی دکان والے کے پاس چلا گیا۔

”یہاں ریلوے ٹریک کس طرف سے گزرتا ہے۔“ اولیس نے جانتے ہی سوال کیا۔

”ہیں جی؟“ دکان دار کو ریلوے ٹریک کی سمجھ نہیں آئی تھی اس نے حیران ہو کر اولیس کی طرف دیکھا۔

”ریلوے کی پٹری کس طرف سے گزرتی ہے؟“ اولیس نے پھر پوچھا۔ ”مجھے جلدی بتاؤ۔“

”آپ کو وہ سامنے کی گلی کی طرف جانا پڑے گا۔ اس کے آخر میں ریلوے پٹری ہے۔“ دکان دار نے سامنے ایک گلی کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔

”کیا ریلوے پٹری دور ہے اس جگہ سے؟“ اولیس نے سوال کیا۔

”بس اس گلی کے ختم ہوتے ہی سامنے ریلوے پٹری آجائے گی اور یہ گلی اتنی لمبی نہیں ہے۔“ دکان دار جواب دیا۔

اولیس نے اس گلی کی طرف دوڑ لگا دی۔ جبکہ دکان دار اپنا کام چھوڑ کر حیرت سے اولیس کو بھاگتا ہوا دیکھنے لگا۔

☆=====☆=====☆

یعنی گم صم چپ سیدھی چلی جارہی تھی۔

اس کی آنکھیں کھلی تھیں لیکن دماغ سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ اس کا ذہن خالی تھا اور وہ ریلوے ٹریک کی طرف چلی جارہی تھی۔ اس کے قدم اس طرف اٹھ رہے تھے اور اسی ٹریک پر ایک ٹرین دوڑتی ہوئی آرہی تھی۔

یعنی چلتی جارہی تھی۔ اس کے آس پاس سے کون گزر رہا ہے اسے کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ کس طرف جارہی ہے اس کا بھی اسے پتہ نہیں تھا۔ وہ کیوں جارہی ہے اس کے دماغ میں یہ سوال بھی نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے عینی نیند میں چلتی ہوئی جارہی ہو۔ وہ اپنی گردن گھما کر دائیں بائیں بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ کسی نہ نظر آنے والی قوت نے جیسے مینی کا ہاتھ تھام رکھا تھا اور عینی اس کے ساتھ چلتی جارہی تھی۔



سامنے ریلوے ٹریک آگیا تھا۔ دور ترین دوڑتی ہوئی اس طرف آرہی تھی۔ ٹرین اور عینی کے چلنے کی رفتار میں یہ فرق تھا کہ جب عینی اس ٹریک پر قدم رکھتی تو ٹرین اس کے سر پر موجود ہوتی یا پھر کچھ دیر کے بعد وہ عینی کو کچل دیتی۔

عینی نے گلی بھی عبور کر لی تھی اور وہ کچے میں اتر گئی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر ریلوے کی پٹری تھی اور ٹرین اسی پٹری پر آتی ہوئی دکھائی دینے لگی تھی۔

عینی پٹری سے کچھ ہی فاصلے پر تھی اور ٹرین بھی سر پر پہنچ چکی تھی، جبکہ اولیس بھاگتا ہوا اس کی طرف جارہا تھا۔ عینی نے اپنا پیراس پٹری پر رکھا اور اس پٹری کے درمیان میں اس جانب چلنے لگی جس طرف تیزی سے ٹرین آرہی تھی۔ ٹرین کے ڈرائیور نے اسے دیکھتے ہی تیز ہارن دیا۔ ابھی ٹرین کا اس سے فاصلہ تھا۔

”عینی.....“ اولیس پاس پہنچ گیا تھا اس نے فلک شکاف لمبے میں اسے آواز دی لیکن عینی کو کوئی ہوش نہیں تھا۔ وہ اپنی ہی دھن میں چلتی رہی۔

عینی ٹرین کی طرف جارہی تھی اور ٹرین اس کی طرف بھاگتی ہوئی آرہی تھی..... فاصلے کم ہو رہے تھے۔ اولیس تیزی سے بھاگتا ہوا اس کے سر پر پہنچ گیا اور اس کا بازو پکڑ کر دوسری طرف لے گیا۔

ادھر اولیس نے عینی کو چھوا اور ادھر عینی کو جیسے ہوش آگیا، جیسے وہ ایک دم گہری نیند سے اٹھ گئی ہو۔ وہ خالی خالی نظروں سے کبھی اولیس کو اور کبھی اپنے سامنے گزرتی ہوئی ٹرین کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو رہی تھی۔

ٹرین دوسری پٹری پر دوڑتی ہوئی گزرنے لگی۔ دونوں ایک طرف کھڑے تھے۔ جب ٹرین گزر گئی تو عینی نے متحیر نگاہوں سے اولیس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کیا ہوا؟ ہم یہاں کیا کر رہے ہیں؟“

”چلو میرے ساتھ چلو۔“ اولیس اس کا بازو پکڑ کر دوسری طرف جانے لگا۔ ”ہم ایک اور مصیبت سے بچ گئے ہیں۔“

”کیا ہوا کیا ہے۔“ عینی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

”بعد میں بتاتا ہوں پہلے یہاں سے نکلو۔“ اولیس اس جگہ سے جلدی سے نکل جانا چاہتا تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں کچھ اور نہ ہو جائے۔

”میں یہاں کیسے پہنچی..... ہم یہاں کیا کر رہے ہیں۔“ عینی حیران تھی۔ ”اولیس تم.....“

بتا کیوں نہیں رہے ہو؟“

”ہر سوال کا جواب مل جاتا ہے۔ ہمیں اس جگہ سے جلدی سے نکلنا ہے۔“ اولیس اسے تیزی سے ایک طرف لے گیا تھا۔ دور کھڑے لوگ ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

اولیس عینی کو کارتک لایا اور پھر جونہی وہ کار اس علاقے سے نکال کر سڑک پر لایا ہی تھا کہ اس کا وہی موبائل فون پھر بول پڑا۔ عینی دم بخود اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی گہری نیند سے جاگی ہے۔

”ہیلو۔“ اولیس نے کہا۔

”تمہاری بیوی بچ گئی۔“ وہ کہہ کر ہولے سے ہنسا۔ اس کی آواز اس طرح سے اولیس کو سنائی دے رہی تھی جیسے وہ کسی خالی کمرے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کی آواز گونج رہی تھی۔

”تم کون ہو؟“ اولیس نے سوال کیا۔ ”مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ ہمارے ساتھ اس طرح سے کیوں کر رہے ہو؟“

”میرے بارے میں جاننا ضروری نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔ ”یہ سوال بار بار پوچھ کر اپنا وقت ضائع مت کرو۔“

”میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔“ اولیس بولا۔ عینی اس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

”میں وہی چاہتا ہوں جو شکم چاہتا تھا۔“ آواز آئی۔

”وہ کیا چاہتا تھا؟“ اولیس چونکا۔

”وہ تمہاری بربادی چاہتا تھا لیکن تم نے میرے دوست کو برباد کر دیا اور میں اس کا انتقام لینے کے لئے کھیل اسی جگہ سے شروع کر رہا ہوں جہاں سے تم نے ختم کرنا چاہا تھا۔“ اس کی آواز میں غراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔

”میرے سامنے آ کر بات کرو۔“ اولیس نے غصے سے کہا۔

”میں تمہارے سامنے آچکا ہوں۔“ وہ بولا۔

”کب میرے سامنے آئے تھے۔“ اولیس نے پوچھا۔

”تم سے میں مل چکا ہوں۔ یاد کرو۔“ وہ ہنسا۔

اولیس سوچنے لگا۔ ”کیا تم وہ بھکاری تو نہیں ہو؟“

اولیس کو اس کے ہنسنے کی آواز آئی۔ ”خیر چھوڑو اس بات کو..... میں تم سے پھر بات کروں گا۔ ابھی تم جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ۔“ اس نے کہا اور موبائل فون میں خاموشی چھا گئی۔ ”ہیلو..... ہیلو.....“ اولیس بولنے لگا لیکن پھر اس نے جھلا کر موبائل فون ایک طرف رکھ دیا۔ وہ اس کی باتیں سن کر پریشان ہو گیا تھا۔

”کس کا فون تھا؟“ یعنی نے پوچھا۔

”بتاتا ہوں۔“ اولیس نے کہا کہ کار کی رفتار تیز کر دی۔

☆=====☆=====☆

اولیس راستے میں ہی عینی کو سب کچھ بتا چکا تھا۔

وہ سب باتیں سن کر عینی پریشان ہی نہیں بلکہ خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔ کئی اندیشے اور سوچوں کے سانپوں نے اس کی دل و دماغ پر کنڈلی مار لی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

دونوں واپس فلیٹ میں آ گئے تھے۔ اولیس سوچ رہا تھا کہ یہ مشکل اس نے شمشک سے چھٹکارہ حاصل کیا تھا، اوپر سے اس کے دوست کے روپ میں وہ اسے پریشان کرنے کے لئے آ گیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس کا دوست کہتا تھا۔ ممکن تھا کہ وہ انتقام میں شمشک سے بھی زیادہ سفاک ثابت ہو اور اس خیال کو بھی رد نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ شمشک ہی ہو، اس نے اپنا روپ بدل لیا ہو۔

اولیس پریشانی اور سوچوں کے گرداب میں کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ اس سے چھٹکارہ کیسے پائے۔ بھکاری کے روپ میں آ کر اس نے اولیس کو حافظ صاحب تک جانے نہیں دیا تھا۔ بلکہ اس نے وہ بوتل بھی حافظ صاحب تک نہیں جانے دی تھی۔ اولیس اسی لئے واپس آ گیا تھا کیونکہ اس کے دل میں یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں وہ اس کو وہاں تک جانے سے روکنے کے لئے کوئی نقصان نہ پہنچا دے۔

”کیا سوچ رہے ہو۔“ یعنی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے پوچھا۔

”سوچ رہا ہوں کہ ہماری زندگی میں آیا ہوا یہ طوفان کیسے ختم ہوگا۔“ اولیس نے دھیرے

سے جواب دیا۔

”ہم یہ شہر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔“ یعنی بولی۔

”یہ تم پہلے بھی کہہ چکی ہو۔“ اولیس بولا۔

”میرے پاس اس کے سوا اور کوئی حل نہیں ہے۔“ یعنی نے کہا۔ ”بس ایک ہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ شہر چھوڑ دیں۔“

”ہم کہیں بھی چلے جائیں وہ ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔“ اولیس نے اٹھ کر فریج کھولی اور پانی کی بوتل نکال کر گلاس میں پانی ڈال کر پھر اسی جگہ آ گیا۔

”پھر کیا کریں؟“ یعنی نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

”مجھے سوچنے دو۔“ اولیس نے پانی کا خالی گلاس ایک طرف رکھ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

”ہم اس کے بارے میں کسی اور کو بھی بتاتے ہیں۔ شاید وہ کوئی حل بتا سکے۔“ یعنی نے

اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

”کس کو بتاؤں۔ کون ہے جو ہماری اس سلسلے میں مدد کر سکے۔ ایک حافظ صاحب ہیں۔ وہاں تک اس نے پہنچنے ہی نہیں دیا۔ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ واپس بھی آئے ہیں کہ نہیں۔“ اولیس کو غصہ سا آنے لگا تھا۔

”میں ابو سے بات کرتی ہوں۔“ یعنی نے خیال ظاہر کیا۔

”وہ کیا کریں گے۔“ اولیس نے کہا۔

”وہ کوئی تو حل نکالیں گے۔ کوئی تو راستہ بتائیں گے۔“ یعنی بولی۔

”میں نہیں چاہتا کہ کسی کو پتہ چلے۔ ہم تو پریشان ہیں ہی کوئی اور بھی ہماری وجہ سے پریشان ہو اور کہیں وہ بھی اس کی لپیٹ میں نہ آجائے۔“ اولیس بولا۔ ”پھر ایک نئی مصیبت کھڑی ہو جائے۔“

”تو کیا پھر اکیلے ہی لڑتے رہیں گے؟“ یعنی نے کہا۔

”بس ایک ہی امید ہے۔“ اولیس بولا۔

”وہ کون سی؟“ یعنی نے جلدی سے پوچھا۔

”حافظ صاحب۔“ اولیس نے کہا۔

”ان کے پاس جانا مشکل ہے۔“ یعنی سوچنے لگی۔

”لیکن میں ایک کوشش اور کروں گا۔“ اولیس مصمم ارادے سے بولا۔

”اور اگر کچھ ہو گیا تو؟“ یعنی نے اس کی طرف دیکھا۔

اولیس بولا۔ ”کوشش نہ کرنے پر بھی تو کچھ نہ کچھ ہو ہی رہا ہے۔ ہمت کر کے ایک کوشش

اور کرتے ہیں۔“

”پھر تم واپس کیوں آ گئے تھے۔ اسی جگہ سے چلے جاتے ان کے پاس۔“ یعنی بولی۔  
”ان سے اسی وقت بات ہو جاتی۔“

اولیس نے جواب دیا۔ ”تب میں فیصلہ نہیں پایا تھا۔ میں اندیشوں میں گھر گیا تھا لیکن اب میں نے سوچ لیا ہے۔“

”چلو ابھی چلتے ہیں۔“ یعنی جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

”ابھی نہیں۔“ اولیس نے نفی میں سر ہلایا۔

”پھر کب جانا ہے ان کے پاس۔“ یعنی نے پوچھا۔

”مجھے کچھ انتظار کرنا ہے۔“ اولیس نے ایک نظر اس موبائل فون کی طرف دیکھا جو اس

کے سامنے میز پر پڑا ہوا تھا۔

دونوں چپ ہو گئے تھے۔ دونوں کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ ساری سوچیں ایک ہی جگہ جم ہو گئی تھیں۔

☆=====☆=====☆

چار گھنٹے گزر گئے تھے۔

ان چار گھنٹوں میں اولیس اور عینی نے آپس میں اتنی باتیں نہیں کی تھیں جتنا کہ انہوں نے سوچا تھا۔ اولیس ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ وہ اس سے کیسے چھٹکارہ حاصل کرے، جبکہ یہ اندیشہ بھی اسے گھیرے ہوئے تھا کہ اگر اس سے وہ نجات حاصل کر لیتا ہے تو پھر کہیں کوئی اور آکر ان کی زندگی میں داخل ہو کر کوئی ہلچل برپا نہ کر دے۔ یہ سلسلہ کہاں اور کیسے ختم ہوگا۔  
اولیس نے وہ موبائل فون اپنے سامنے رکھا ہوا تھا۔ اس موبائل فون پر اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ آگے کیا ہوگا اسے معلوم نہیں تھا۔

یعنی سہی ہوئی تھی۔ خوف اس کے جسم میں سانس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ وہ کمزور تھی۔  
اولیس جیسی ہمت اس کے اندر نہیں تھی۔ پھر بھی اس نے اپنے آپ کو سنبھالا ہوا تھا۔ وہ اپنے سے زیادہ اولیس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اس بات کی بھی سمجھ اولیس کو نہیں آئی تھی کہ آخر یہ موبائل فون جو جانے کہاں گر گیا تھا۔ وہ پھر سے اس کے پاس آ گیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ جو بول رہا تھا وہ شرمک ہی ہو۔ اس کا کوئی اور ساتھی نہ ہو؟ یہ بھی کوئی اس کی شیطانی چال ہو۔

اچانک اولیس اپنی جگہ سے اٹھا اور عینی سے بولا۔ ”عینی اٹھو چلیں۔“

”کہاں جانا ہے۔“ عینی نے پوچھا۔

”اس طرح سے کام نہیں ہوگا۔ ہم ابھی حافظ صاحب کے پاس جائیں گے دعا کرو کہ وہ

آگئے ہوں اور ہمیں مل جائیں۔“ اولیس نے بتایا۔

”لیکن.....“ عینی نے کچھ کہنا چاہا۔

”لیکن ویکن کا وقت نہیں ہے۔ بس ابھی چلیں۔ دیکھ لیں گے جو بھی ہوگا۔“ اولیس نے

اس کی بات کاٹ دی۔ ”اس طرح بیٹھ کر مجھے لگتا ہے جیسے ہم اپنی موت کا انتظار کر رہے ہیں۔“

”ٹھیک ہے چلو۔“ عینی بھی تیار ہو گئی۔

موبائل فون اٹھانے کے لئے ابھی اولیس نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس کی

بیل بج اٹھی۔ اُداسی کے اس ماحول میں موبائل فون کی ٹھنٹی ایسے جی تھی جیسے کوئی فلک شکاف۔

آواز میں پیچھا ہو اور ماحول اور بھی زیادہ خوفناک اور دہشت زدہ ہو گیا تھا۔ عینی تو ڈر گئی تھی جبکہ

اولیس کا ہاتھ اسی جگہ رک گیا تھا اور وہ موبائل کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

آخر اولیس نے موبائل فون اٹھایا اور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف سے وہی آواز اس

کی سماعت سے ٹکرائی۔

”ایک بات کی داد دینی پڑے گی شرمک کو۔ اس نے جدید دور کی اس ایجاد میں گھس کر

بات کرنے کی جگہ خوب تلاش کی تھی۔“

”کیوں فون کیا ہے؟“ اولیس نے مطلب کی بات کی طرف آتے ہوئے کہا۔ اُسے اس

کی کسی بھی ایسی بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

”ایسی غلطی مت کرنا جس سے مجھے غصہ آجائے اور تمہاری زندگی میں ایسی آندھی چل

پڑے کہ سب کچھ اڑ کر راکھ بن جائے۔“ وہ بولا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اولیس نے پوچھا۔ ”تم مجھے کس بات کے لئے دھمکی دے

رہے ہو؟“

”تم اتنے بھی بچے نہیں ہو کہ سمجھ ہی نہ سکو۔“ وہ کہہ کر چپ ہو گیا۔

”ایک بات بتاؤ۔“ اولیس بولا۔

”پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“ اس نے کہا۔

”تم کیا چاہتے ہو؟“ اولیس نے پوچھا۔

”اپنے دوست کا انتقام چاہتا ہوں۔“ اس نے جواب دیا۔

”تم کون ہو۔“ اولیس بولا۔

”ہشک کا دوست ہوں۔ بس ایک ہی دوست ہوں۔ تمہاری بربادی چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی کام نہیں ہے۔“ اس نے کہا۔ ”کیونکہ تم نے میرے دوست کو برباد کیا ہے۔ اس کا حال بُرا کر دیا تھا تم نے۔“

”تم کہاں ہو میرے سامنے آ کر بات کرو۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ اولیس نے سامنے دیکھا۔

”جب ملاقات کا وقت آئے گا تو مل بھی لوں گا۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”ابھی ملو مجھ سے۔ ابھی اسی وقت۔“ اولیس مضطربانہ انداز میں چیخا۔

”تمہاری بیوی کسی بھی وقت ایسے ہی چلنا شروع کر سکتی ہے جیسے کہ کوئی نیند میں چل رہا ہو۔ اس کا ایک نظارہ تم دیکھ چکے ہو۔ بس تمہارے چھونے سے وہ ٹھیک ہوگی، ورنہ وہ موت کے منہ بھی جاسکتی ہے۔“ اس نے کہہ کر ایک قہقہہ لگایا۔

”میری بیوی کے ساتھ ایسا مت کرو۔“ اولیس ایک بار پھر دھاڑا۔ پورے فلیٹ میں اس کی آواز گونجی۔

”ایسا تو میں کروں گا اور مجھے کوئی بھی نہیں روک سکے گا۔ میں نے پہلے بھی کیا تھا اور اس وقت بھی تمہاری بیوی اس فلیٹ سے باہر نکل چکی ہے۔“

اس کی بات سنتے ہی اولیس نے اپنے عقب میں کھڑی عینی کی طرف برق رفتاری سے گھوم کر دیکھا، وہ اس کے پیچھے نہیں تھی۔ اولیس دم بخود دیکھنے لگا۔ ایک دم اس کی نگاہ فلیٹ کے دروازے کی طرف چلی گئی۔ وہ دروازہ کچھ کھلا ہوا تھا۔

”اپنی بیوی کو بچا سکتے ہو تو بچا لو۔“ وہ کہہ کر سفاکی سے ہنسا۔

اولیس نے موبائل فون کان سے الگ کیا اور دروازے کی طرف دوڑ لگا دی۔ باہر نکل کر اس نے دائیں بائیں دیکھا، کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بھاگا اور دیوانہ وار سیڑھیاں اُترنے لگا۔

نیچے والی منزل پر بھی وہ اسے دکھائی نہیں دی۔ اس کی متلاشی نگاہیں دائیں بائیں گھوم رہی تھیں۔ اس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ دل دھڑک رہا تھا۔ خوف اور اندیشے اس کے

دماغ میں بچھو کی طرح رینگ رہے تھے۔

اولیس بھاگتا ہوا پھر سیڑھیوں کی طرف گیا اور پھلانگتا ہوا سیڑھیاں اُترنے لگا۔ اس منزل پر بھی عینی نہیں تھی۔

معا اس کا موبائل فون بول پڑا اور اولیس نے اسے کان سے لگا لیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔

”وہ اس جگہ نہیں ہے۔“ آواز آئی۔

”کہاں ہے عینی..... مجھے بتاؤ کہاں ہے عینی۔“ اولیس غصے اور بے چینی سے چیخا کہ ایک فلیٹ میں داخل ہوتی ہوئی بوڑھی عورت چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”نیچے نہیں ہے۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”پھر کہاں ہے؟“ اولیس بولا۔

”اوپر کی منزل پر چلے جاؤ۔ اس عمارت کی چھت پر جاؤ۔ وہاں تک جانے کے لئے تجھے دروازہ کھلا ملے گا۔“ اس نے بتایا۔

اولیس اسی وقت سیڑھیاں پھلانگتا ہوا اوپر کی جانب بھاگا، وہ پھولی ہوئی سانس کے ساتھ آخری منزل پر پہنچا اور پھر وہاں سے وہ اس عمارت کی چھت پر چلا گیا۔ وہ بری طرح سے ہانپ رہا تھا۔ سانس پھولی چکی تھی۔

عمارت کی چھت پر کوئی بھی نہیں تھا۔ اولیس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ دیوار کے پاس چلا گیا۔ نیچے بڑی سڑک دکھائی دے رہی تھی۔ جس پر ٹریفک دوڑ رہی تھی۔ اولیس کو عینی کہیں بھی دکھائی نہ دی تو ایک بار پھر موبائل فون کی بیل ہوئی۔

”ہاں بولو وہ کہاں ہے۔“ اولیس چیخا۔

”سامنے سڑک کی طرف دیکھو۔“ آواز آئی۔

اولیس سڑک کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت اونچائی پر کھڑا تھا۔ سارا شہر جیسے اس کے سامنے تھا۔

”کیا ہے وہاں؟“ اولیس نے پوچھا۔

”غور سے دیکھو۔“ وہ بولا۔

”تم مجھے کیا دکھانا چاہتے ہو؟“ اولیس کی بے چینی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

”تمہاری بیوی دکھانا چاہتا ہوں کہ دیکھو وہ اپنی ہی دھن میں چلی جا رہی ہے۔“ اس کا

لہجہ پُر اسرار ہو گیا تھا۔

یہ بات سنتے ہی اولیس نے غور سے سڑک کے کبھی دائیں اور کبھی بائیں دیکھنا شروع کر دیا۔ اُسے یعنی کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

”کہاں ہے یعنی.....“ اولیس نے غصے سے پوچھا۔

”چوراہے کی طرف دیکھو۔“ آواز آئی۔

اولیس کی نگاہیں فوراً چوراہے کی طرف چلی گئیں۔ ریڈ سگنل کی وجہ سے ایک طرف سے ٹریفک رکی ہوئی تھی۔ اچانک اولیس نے دیکھا کہ گرین سگنل کی طرف سے یعنی چلتی ہوئی سڑک عبور کر رہی ہے۔

”یعنی.....“ اُسے دیکھتے ہی اولیس چیخا لیکن اس کی آواز اس تک کیسے پہنچ سکتی تھی۔ وہ دائیں بائیں دیکھنے بغیر چلتی جا رہی تھی۔

”جاؤ اور بچا لو اپنی بیوی کو۔“ وہ کہہ کر خطرناک ہنسی ہنسا۔

اولیس نے موبائل فون کان سے الگ کیا اور نیچے جانے کے لئے بھاگا۔ وہ اسی طرح نیچے پہنچا جیسے کہ وہ اوپر آیا تھا۔ وہ اس بھاگ دوڑ میں تھک گیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئی تھیں۔ سانس پھول گئی تھی۔ جب وہ عمارت کے گیٹ کے پاس پہنچا تو اس سے چلنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ گیٹ پکڑ کر رک گیا اور سانس لینے لگا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ ابھی اولیس گر جائے گا۔ اس کا دھڑکتا ہوا دل بند ہو جائے گا۔ اس کی سانس کی ڈوری ٹوٹ جائے گی لیکن اسے ہمت کرنی تھی۔ یعنی کی موت اور زندگی کا معاملہ تھا۔

اولیس کی یہ حالت دیکھ کر چوکیدار بھاگتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور پوچھا۔ ”سر خیریت تو ہے۔“

”آئی ایم اوکے۔“ اولیس یہ مشکل بولا۔ چوکیدار، اولیس کے پاس کھڑا رہا جبکہ اولیس لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ جب اس کی سانس اور دل کی دھڑک کچھ ٹھیک ہوئی اور وہ چلنے کے قابل ہوا تو وہ اس سڑک کی طرف بھاگا جہاں اس نے یعنی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

اولیس کے لئے چلنا دو بھر ہو رہا تھا لیکن اس کے اندر جانے کہاں سے ہمت آگئی تھی کہ وہ بھاگتا جا رہا تھا۔ اس چوراہے کے پاس پہنچا تو دائیں بائیں اور سامنے کہیں بھی عینی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

چلتی ہوئی ٹریفک کے بیچ سے گزر کر اولیس نے سڑک عبور کی اور ایک تیز رفتار کار اس سے ٹکراتی ہوئی بھی بچی۔ غین وقت پر کار والے نے کار کی بریک لگائی تھی ورنہ اولیس کو وہ پکیل

دیتی۔ اولیس کے دل و دماغ پر عینی کی تلاش سوار تھی وہ کچھ پروا کئے بغیر سڑک عبور کر کے دوسری طرف گیا اور پھر ایک طرف بھاگنے لگا۔ جبکہ اس کار کا ڈرائیور اپنا سر باہر نکال کر غصے سے جو اس کے منہ میں آ رہا تھا وہ اولیس کو کہہ رہا تھا۔

یعنی کا کہیں بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ دور تک کہیں بھی عینی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اولیس ہانپتا ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے دائیں بائیں بھاگ کر عینی کو اچھی طرح سے تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر لی تھی۔ اچانک اس کے کندھے پر کسی نے عقب سے ہاتھ رکھا تو اس نے جلدی سے اپنے پیچھے دیکھا۔

اس کے عقب میں اولیس کے چچا جان کھڑے تھے۔

”اولیس کیا ہوا ہے۔۔۔ تم بھاگتے ہوئے ادھر سے ادھر جا رہے ہو میں کب سے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔“ چاچا جان کے لمبے میں تشویش تھی۔

اولیس نے کچھ دیر تک چاچا جان کا چہرہ دیکھا اور پھر سوچا کہ اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے کہ وہ ساری صورت حال سے چچا جان کو آگاہ کر دے۔ ایک بار پھر عینی اُس سے دور ہو گئی تھی۔ چنانچہ سڑک کے فٹ پاتھ پر ایک طرف ہو کے اولیس نے اختصار سے شمک سے ملنے سے لے کر اب تک کی ساری بات ان کے گوش گزار کر دی۔ اولیس کی باتیں سن کر چچا جان بھی دم بخود رہ گئے۔

چچا جان نے اولیس کا جائزہ لیا اور پھر بولے۔ ”وہ موبائل دکھانا۔“

اولیس نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال کر ان کے سامنے کر دیا۔ چچا جان نے ہاتھ لگائے بغیر اس موبائل فون کو دیکھا اور بولے۔

”تمہارے پاس دوسرا موبائل فون ہے جس پر رابطہ ہو سکتا ہے؟“

”ہاں وہ بھی ہے۔“ اولیس نے بتایا۔

”مجھے یہ سب کچھ بہت پہلے مجھے بتا دینا چاہئے تھا۔ ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔“ چاچا جان بولے۔

”لیکن.....“ اولیس کی دانست میں تھا کہ چاچا جان اس کی بات سن کر اس کی مدد کریں گے کوئی راستہ بتائیں گے لیکن وہ تو جانے کی بات کر رہے تھے۔

چاچا جان نے اولیس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور اسے بولنے ہی نہیں دیا۔ پھر انہوں نے اشارے سے اُسے بتایا کہ وہ جا رہے ہیں۔ چاچا جان ایک طرف تیزی سے چل پڑے۔ جبکہ

اولیس حیران اور پریشان اسی جگہ کھڑا رہا۔

☆=====☆=====☆

اولیس نے پوری کوشش کر لی تھی لیکن عینی کہیں نہیں ملی تھی۔ وہ ڈیڑھ گھنٹے سے ان ہی سڑکوں پر بھاگ رہا تھا۔ اچانک اس کا موبائل فون بج اٹھا۔ اولیس نے موبائل فون آن کر کے کان کو لگا لیا۔

”اولیس میں تمہارا چاچا بولی رہا ہوں۔ تم کچھ مت بولنا۔ بس میری یہ بات سنو کہ تم اسی وقت اپنے فلیٹ میں چلے جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت چلے جاؤ۔ میں تم سے دوبارہ رابطہ کرتا ہوں۔“ یہ کہہ کر چاچا جان نے فون بند کر دیا۔

اولیس حیرت و استعجاب کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چاچا جان کیا کر رہے ہیں۔ وہ عینی کو تلاش کر رہا تھا وہ مل نہیں رہی تھی جبکہ چاچا جان کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے فلیٹ چلا جائے اور پھر انہوں نے اولیس کو بولنے بھی نہیں دیا تھا۔

اولیس نے کچھ دیر اس جگہ کھڑا ہو کر سوچا اور پھر چاچا جان کی بات پر عمل کرنے کا سوچتے ہوئے اپنے فلیٹ کی طرف چلا گیا۔

فلیٹ کا دروازہ بند تھا۔ اولیس جب فلیٹ سے باہر نکلا تھا تو اسے یاد نہیں تھا کہ وہ دروازہ کھلا ہی چھوڑ گیا تھا کہ بند کر کے گیا تھا۔ شاید اندر کوئی تھا۔ اولیس کو خیال آیا کہ چاچا جان اندر نہ ہوں۔ اس نے ہولے سے دروازے پر دستک دی تو جس نے دروازہ کھولا اسے دیکھتے ہی اولیس چونک پڑا۔ کیونکہ دروازہ کھولنے والی عینی تھی۔

”تم کہاں چلے گئے تھے۔ میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ عینی اسے دیکھتے ہی بولی۔

”تم کب آئی؟“ اولیس نے پوچھا۔

”کہاں سے؟“ عینی نے سوال کیا۔

”تم یہاں سے چلی گئی تھی اور میں تمہاری تلاش میں نکلا تھا۔“ اولیس اس کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔

”کیا ہو گیا ہے اولیس۔ میں تو کہیں گئی ہی نہیں تھی۔ فلیٹ میں ہی تھی۔ بلکہ مجھے تو ڈر لگنے لگا تھا۔“ عینی نے کہا۔

اولیس کو حیرت تھی۔ معاً اس کا موبائل فون پھر بجا اور اس نے کان سے لگا لیا۔ دوسری

جانب اس کے چچا جان بول رہے تھے۔

”اولیس کوئی سوال جواب مت کرنا۔ میں حافظ صاحب کے شاگرد کے پاس بیٹھا ہوا ہوں۔ ان کی پڑھائی سے ہی عینی کی واپسی ہوئی تھی اور اسے ہوش آیا تھا۔ اندھیرا ہونے ہی والا ہے۔ تم عینی کو لے کر میرے فارم ہاؤس میں پہنچ جاؤ۔ وہاں ملاقات ہوتی ہے۔“ یہ کہتے ہی چاچا جان نے پھر فون بند کر دیا۔ اولیس نے سوچا کہ اس کے چچا جان اس کے لئے کچھ نہ کچھ کر رہے ہیں۔

”کس کا فون تھا؟“ عینی نے پوچھا۔

”کسی کا بھی نہیں۔“ اولیس اس صوفے پر گر سا گیا۔ وہ بری طرح سے تھک گیا تھا۔

☆=====☆=====☆

اندھیرا ہوتے ہی اولیس عینی کو لے کر فارم ہاؤس کی طرف چل پڑا۔ عینی کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ اس نے دو، تین بار پوچھا تھا تو اولیس نے جواب دینے کی بجائے خاموشی ہی اختیار کی تھی۔

جب وہ فارم ہاؤس پہنچے تو اندھیرا پوری طرح سے چھا گیا تھا۔ شہر سے ذرا ہٹ کر بنا ہوا فارم ہاؤس درختوں کے وسیع جھنڈ میں تھا۔ اس کے آس پاس اور بھی کئی فارم ہاؤس بنے ہوئے تھے۔

فارم ہاؤس کے دروازے پر چاچا جان کھڑے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ جونہی ان کی کار قریب آئی، دونوں باہر نکلے، چاچا جان ان کو اشارہ کر کے ایک طرف لے گئے۔

اولیس اور عینی ان کے پیچھے پیچھے چلتے رہے۔ درختوں کو عبور کر کے وہ ایک طرف پہنچے تو وہاں ایک جگہ لکڑیوں کو جمع کر کے خوب آگ روشن کی ہوئی تھی۔ آگ کا الاؤ بلند تھا اور اس کی روشنی ارد گرد پھیل رہی تھی۔

”مجھے وہ موبائل دو۔“ چاچا جان نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

اولیس نے جونہی جیب سے وہ موبائل نکالا اس کی بیل ہونے لگی۔ اولیس کا چاچا کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ اپنے کان کی طرف جانے لگا۔

”موبائل مت سننا۔“ چاچا جان چیخے۔ ”یہ موبائل مجھے دے دو۔“

اولیس چونک گیا۔ اسی اثنا میں عینی نے ایک چیخ ماری جیسے وہ بری طرح سے ڈر گئی ہو اور ایک طرف کو بھاگ گئی۔ اولیس موبائل فون دینا بھول گیا اور عینی کے پیچھے بھاگا۔

”یعنی کیا ہوا..... رک جاؤ۔“

”اولیس موبائل مجھے دے دو۔“ چاچا جان بھی اس کے پیچھے بھاگے۔

یعنی کے بھاگنے کی رفتار غیر معمولی تھی۔ وہ بڑی تیز بھاگ رہی تھی۔ اس کے پیچھے اولیس تھا اور اولیس کے پیچھے چاچا جان بھاگ رہے تھے۔ اندھیرا تھا لیکن یعنی ڈرتے ہوئے اور خوف سے دہشت زدہ بھاگ رہی تھی۔ موبائل پر مسلسل بیل ہو رہی تھی۔ جو اس سنسان جگہ پر چیخوں کی طرح سنائی دے رہی تھی۔

”اولیس موبائل فون مت سننا۔“ چاچا جان نے پیچھے سے چیخنے ہوئے کہا۔

اس عمر میں چاچا جان سے بھاگنا مشکل ہو رہا تھا۔ اولیس کو یعنی کی فکر تھی۔ اچانک اولیس رکا اور اس نے موبائل فون نیچے زمین پر رکھ کر پیچھے آتے ہوئے چاچا جان کی طرف دیکھا اور پھر یعنی کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

چاچا جان اس موبائل فون تک پہنچے، وہ موبائل فون اٹھایا اور تیزی سے پلٹے۔ موبائل فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ اس کی آواز تیز ہو گئی تھی۔ موبائل فون کی بیل سے خوف پیدا ہونے لگا تھا۔

چاچا جان بھاگتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ بھی رہے تھے جو انہیں حافظہ صاحب کے شاگرد نے بتایا تھا۔ وہ آگ کے الاؤ کے پاس پہنچے انہوں نے کچھ دیر اور پڑھائی کی اور پھر موبائل فون اس آگ کے الاؤ میں پھینک دیا۔ ایک دم آگ کے الاؤ میں ایک دھماکہ سا ہوا اور پھر اس جگہ سکون چھا گیا۔

چاچا جان منہ ہی منہ میں مسلسل پڑھ رہے تھے۔ آگ کا الاؤ اسی طرح سے جلتا رہا اور کچھ دیر کے بعد اولیس، یعنی کا ہاتھ پکڑے آگیا۔ چاچا جان نے دونوں کی طرف دیکھا اور مسکراہٹ عیاں کی۔

آگ جل رہی تھی۔ وہ تینوں اس جگہ کھڑے رہے۔ چاچا جان کے ہونٹ ہلتے رہے اور پھر رفتہ رفتہ آگ مدھم ہونے لگی۔ پھر آگ بجھ گئی اور پھر وہاں سلکتی ہوئی راکھ ہی رہ گئی۔ چاچا جان کی پڑھائی بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ یعنی اور اولیس کے پاس آئے اور بولے۔

”اب اس جن سے تم دونوں کی جان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوٹ گئی ہے۔ تمہاری بات سننے ہی میں حافظہ صاحب کے پاس چلا گیا تھا۔ وہ تو نہیں تھے لیکن ان کے ہونہار شاگرد مل گئے۔ میں نے ان سے بات کی اور میرا شک درست نکلا۔ کیونکہ وہ جن موبائل فون میں گھس کر

بیٹھا ہوا تھا۔ جو تمہاری باتیں سنتا تھا اور تم کیا کرنے والے ہو وہ بھی جان لیتا تھا۔ انہوں نے مجھے عمل بتایا اور ویسا میں نے کر دیا۔ جس سے وہ ایک ہی جگہ جکڑا گیا۔ اگر تم موبائل فون سن لیتے تو وہ آزاد ہو کر بھاگ جاتا۔“

”اب تو کوئی نہیں آئے گا ناں۔“ اولیس نے پوچھا۔

”اب کوئی نہیں آئے گا۔ سب کچھ راکھ ہو گیا ہے۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔ سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے۔ اب کوئی ڈر اور خطرہ نہیں ہے۔ شیطانی چال ہمیشہ کے لئے دم توڑ گئی ہے۔“ چاچا جان نے کہا اور دونوں کو لے کر وہاں سے چل پڑے۔

اولیس اور یعنی کے چہروں پر اب وہی اطمینان دکھائی دے رہا تھا جو شہمک سے ملنے سے قبل تھا۔ وہ خوش تھے اور ان کے دلوں پر کوئی بوجھ نہیں تھا۔

☆=====ختم شد=====☆